ترجمان الحدیث

حصہ اوّل

مرتبہ

سید محمود حسن فاضل دیوبند

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اِمَامِ الۡاَنۡبِیَآءِ وَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ۔

دولت کی ہوس اور پیسہ کمانے کی دوڑ میں "محمد" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت بھی کسی قوم سے پیچھے نہیں رہی۔ تنزل اور گراوٹ کی کوئی ایسی وادی نہیں ہے جہاں ہم نے قدم نہ رکھے ہوں۔ پستی اور ذلت کا کوئی ایسا گڑھا نہیں ہے جس میں ہم نے گرنے کی کوشش نہ کی ہو۔ مادی ترقی کے عشق میں ہم نے اپنی ملی غیرت کو بھی داؤ پر لگانے سے گریز نہیں کیا یہ الگ بات ہے کہ مادی نقطۂ نظر سے کافر قوموں کے مقام تک ہماری رسائی نہ ہو سکی شاید ہم نے ان کی نقالی کرنے میں عقل عام سے کام نہیں لیا۔ ان کی کمزوریوں اور بے راہ رویوں کو تو دوڑ دوڑ کر ہم نے اپنا لیا لیکن محنت، ڈسپلن، دیانتداری اور اس طرح کی دوسری انسانی خوبیوں میں ان کی تقلید نہ کر سکے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ تو مادی اعتبار سے ترقی کر سکے اور نہ دینی، اخلاقی اور سیاسی لحاظ سے اسلام کی نمائندگی اور علمبرداری کا حق ادا کر سکے۔

امت مسلمہ کے اس زوال اور پستی کو ہر شخص اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے بہت سے بھیڑیے، انسانی روپ میں ان منتشر بھیڑ بکریوں کو جدھر چاہتے ہیں ہنکا کر لے جاتے ہیں۔ پھر المناک حادثہ یہ ہے کہ انحطاط اور ذلت کا شکار ہمارے سب گروہ ہو چکے ہیں ہماری عظیم اکثریت عملاً اسلام سے بیزار محسوس ہوتی ہے۔ ہمارے خواص اور با اثر عمائدین کی اکثریت اپنے اقتدار، عزت اور اپنی معیشت کو مستحکم بنانے میں مصروف ہے وہ اسلام کہیں نظر نہیں آتا جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے زمین پر قائم کیا تھا۔

ہمارے نزدیک امتِ مسلمہ کے زوال، پستی اور انحطاط کے بنیادی اسباب یہ ہیں۔

۱۔ دُنیا سے بے پناہ محبت

مال و دولت جمع کرنے کے جنون میں ہم غیر مسلموں سے کچھ پیچھے نہیں ہیں، حرام و حلال کی کوئی تمیز روا نہیں رکھتے صرف روپیہ چاہیے کہاں سے آتا ہے؟ کن ذرائع سے آتا ہے؟ ہم اس سوال کے چکر میں نہیں پڑتے بلکہ اب تو سرے سے یہ سوال ہی خارج از بحث ہو گیا ہے۔

۲۔ آخرت فراموشی

ہمارے طرزِ زندگی کو دیکھ کر ہر دیکھنے والی آنکھ محسوس کر سکتی ہے کہ ہم آخرت کی زندگی میں حساب و کتاب اور جزا و سزا پر یقین نہیں رکھتے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو احتساب ہونے والا ہے ہم نے اس سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ ذہن کی تختی پر اگر کچھ اس کا تھوڑا بہت احساس ہے تو اسے کھرچ کھرچ کر نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

۳۔ مُنافقت

انفرادی اور اجتماعی دائروں میں ہم اسلام سے وفاداری کا دم بھرتے ہیں اور دین اسلام کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں لیکن زندگی کے کسی شعبہ کو ہم اسلام کی تحویل میں دینے کے لیے تیار نہیں ہیں ہماری زبان پر اسلام کا نام ہے عملی زندگی میں ہم کفر، شرک اور الحاد کے پیروکار ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ سیاسی اور اجتماعی دائروں میں ہمارا کوئی اثر اور وزن محسوس نہیں کیا جاتا اور نہ فی الواقع ہے — بلکہ اخلاقی انحطاط کی دیمک نے ہماری ٹیڑھی دیوار کی بنیادوں کو بھی کھوکھلا کر دیا ہے۔

لیکن — اس ظلمت کدوں میں روشنی کی ایک کرن نمودار ہو چکی ہے۔

بعض دینی جماعتیں اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ مخلص اور ذہین نوجوانوں کا ایک قابل لحاظ حصہ، باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حق کا علم بلند کر رہا ہے بگاڑ کے اس طوفانی دور میں، میں نے عام مسلمانوں کی اصلاح کے لیے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشادات گرامی کے ترجمہ اور تشریح کا کام شروع کیا ہے "انتخابِ حدیث" کی پہلی جلد قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے[۱]، عام مسلمانوں کے علاوہ میں نے اس کتاب میں ان مخلص اور مجاہد نوجوانوں کی فکری، اخلاقی اور باطنی اصلاح کو بھی پیش نظر رکھا ہے جو اسلامی انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں۔

اس کتاب کا اجمالی خاکہ یہ ہے کہ اس میں دس باب ہیں۔

ہمارے نزدیک زندگی مربوط اور مسلسل ہے اس کے تین دور ہیں۔

۱۔ دنیا۔ جس میں ہم پیدائش سے وفات تک رہتے ہیں

۲۔ برزخ۔ موت کے بعد سے دوبارہ جی اٹھنے تک کا وقفہ

۳۔ آخرت۔ حشرِ اجساد سے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں اور اس کے بعد کے ادوار پر مشتمل ہے۔

"باب اوّل" یہ دُنیا ہے

اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ۳۱ ارشادات گرامی ہیں ان میں بتایا گیا ہے کہ آخرت کے مقابلہ میں دُنیا کی زندگی اور اس کے مال و متاع کی حقیقت کیا ہے؟ مال و دولت میں انہماک کے نتائج کیا نکلتے ہیں؟ دین میں بگاڑ کس راستہ سے آتا ہے؟ امتِ مسلمہ کے زوال کے اسباب اور اس کا علاج، دنیا سے محبت کرنے کا انجام۔ خوشحالی کے ابتلاء کا عبرت انگیز واقعہ، عقلمند آدمی دنیا میں محتاط رہ کر آخرت میں کامیاب ہو سکتا ہے

---

[۱] اسے پہلے مکتبہ اسحاقیہ کراچی نے شائع کیا تھا۔ اب نظر ثانی اور اضافہ کے ساتھ اس کتاب کا یہ دوسرا ایڈیشن ہے۔

مؤمن کو دنیا میں کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیے ؟

باب دوم ایک دن مرنا ہے

یہ ۲۶ حدیثوں پر مشتمل ہے ان میں بتایا گیا ہے کہ

موت کی حقیقت کیا ہے ؟ مرنے کے بعد کیا ہوگا ؟ عالمِ برزخ کسے کہتے ہیں ؟ موت کو بار بار یاد کرنے کے فائدے، قبر کیا کہتی ہے ؟ عذابِ قبر کا نقشہ، نوحہ، ایصالِ ثواب اور زیارتِ قبور کا مسئلہ

باب سوم آخرت

اس میں ۴۳ احادیث ہیں یہ باب بڑے اہم حقائق پر مشتمل ہے مثلاً علاماتِ قیامت، میدانِ حشر کی کیفیت، اللہ رب العزت کا جلال۔ قیامت کے دن ہولناک دہشت اور سورج کی ہوشربا گرمی، اللہ کی عدالت میں ہر شخص کا محاسبہ اور جواب طلبی۔ جنت اور دوزخ کا تفصیلی تعارف۔ خدا فراموشی کا انجام، جنت کی نعمتوں کا تذکرہ، جنت کی معاشرت

آخرت میں کامیابی کا دارومدار "ایمان باللہ" پر ہے اس لیے

باب چہارم۔ اللہ پر ایمان

اس باب کی ۲۶ احادیث میں بتایا گیا ہے کہ اللہ پر ایمان لانے کے معنی کیا ہیں ؟ اور اس کی علامات کیا ہیں ؟ توحید اور ذکر کا مفہوم، کیا اللہ کا ذکر روح کی غذا ہے ؟ اللہ کے ذکر کی اہمیت اور اس کا طریقہ۔ دنیا کے کاروبار میں حصہ لینے کے باوجود آدمی اللہ کا ذکر کرسکتا ہے، انسان کو اپنی حاجات کے لیے صرف اللہ سے رجوع کرنا چاہیے۔ کیا خدا کے سوا کوئی اور بھی مشکل کشا اور حاجت روا ہے ؟ استغفار، وسیلہ اور شرک کی توضیح

اللہ پر ایمان لانے کا تقاضا ہے کہ آدمی اللہ کی نافرمانی سے پرہیز کرے اور آخرت میں اللہ کے احتساب سے خائف رہے اس لیے

باب پنجم۔ خوف خدا اور پرہیزگاری

اس عنوان کے تحت ۱۹ احادیث کو ایک خاص ترتیب سے یکجا کردیا گیا ہے۔ ان احادیث کے مطالعہ سے قاری پر واضح ہو جاتا ہے کہ خدا کا خوف ایمان کی روح ہے آخرت کی جوابدہی کے احساس سے صحابہ کرام کس طرح خائف تھے؟ گناہ کی حقیقت مؤمن کا کردار، تقویٰ کیا ہے؟ معیاری تقویٰ اور زندگی پر اس کے اثرات، اسلام میں ترکِ دنیا کی اجازت نہیں ہے۔

کوئی شخص متقی اور پرہیزگار نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے آخری نمایندے کو مان کر ان کے بتائے ہوئے طریقے پر نہ چلے اس لیے

باب ششم رسولؐ پر ایمان

اس میں ۲۱ احادیث ہیں اس باب کے مضامین کا خلاصہ یہ ہے۔

اللہ کے رسولؐ پر ایمان کا مطلب۔ حضورؐ کی نافرمانی، رسالت کا انکار ہے۔ مقام رسالت، ختم نبوت، سنتِ رسول کا دین میں مقام، صحابہؓ کا عشقِ رسول اخلاقِ نبوی اور آپؐ کا مقامِ بندگی۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زمین پر دین قائم کرنے کے لیے مبعوث فرمایا تھا۔ آپ نے اپنی ساری زندگی اس کام میں کھپا دی اس لیے

باب ہفتم۔ اقامت دین

اس باب کی ۳۳ احادیث میں یہ مضامین بیان کیے گئے ہیں۔

ملتِ اسلامیہ کے عروج و زوال کا سبب، اقامتِ دین کے کام سے انحراف کی سزا، دعوتِ دین کا طریق کار، دین میں قرآن و سنت کا مقام۔ قرآن کے علم کی اہمیت اور فضیلت، غلبۂ دین کے لیے اجتماعی کوشش ناگزیر ہے۔ غلبۂ دین کے لیے کام

کرنے والوں کو خود بھی دین پر عمل کرنا چاہیے۔ یہ کام صرف اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے ورنہ نمائش اور ریاکاری پر اجر نہیں بلکہ سزا ملے گی۔ دعوت الی اللہ میں حکمت، کارکنوں کے باہمی تعلقات گروہ بندی فتنہ ہے۔

اللہ کی راہ میں جہاد کے بغیر زمین پر دین قائم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے

باب ہشتم۔ جہاد فی سبیل اللہ

اس باب کی ۳۸ احادیث کے مضامین کا خلاصہ یہ ہے

سب سے بڑا جہاد ظالم حکمران کے سامنے حق بات کہنا ہے، مؤمن غازی ہے یا شہید، عہدِ نبوی کے مجاہدین کے کارنامے، راہ حق میں شہید ہونے والوں کا اعزاز و مرتبہ، صحابہ کرام کا شوقِ شہادت، جہاد وہ ہے جو صرف اللہ کے لیے ہو، ترکِ جہاد کا انجام ذلّت، راہِ خدا میں حرام مال قبول نہیں ہوتا، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا بھی جہاد ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ میں صحابہؓ کا مثالی کردار

"اقامتِ دین" کے لیے جہاد کرنے سے ہر طرح کی مصیبتوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے

باب نہم۔ اقامتِ دین کی راہ میں آزمائش

اس باب کی ۲۳ احادیث کے مضامین کی جھلک یہ ہے

اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی پاداش میں معاشی پریشانی، بھوک، مار پٹائی، دھمکی، قید و بند اور جسمانی اذیت برداشت کرنا پڑتی ہے۔ داعیِ الی اللہ کو آرے سے چیرا جاتا ہے لوہے کی کنگھیوں سے اس کے گوشت کو ہڈیوں سے الگ کیا جاتا ہے۔ دانت ٹوٹتے ہیں۔ انگلیاں خونچکاں ہوتی ہیں۔

اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے والی جماعت جب صبر و حکمت کے ساتھ ہر طرح کی آزمائش سے دوچار ہونے کے باوجود اپنے نصب العین کی طرف پیش قدمی جاری

رکھتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں غلبہ اور کامیابی عطا فرماتا ہے۔ اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد اسلامی حکومت کا مزاج اور کردار کیا ہونا چاہیے اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ہدایات دی ہیں ہم اسے

باب دہم۔ اسلامی سیاست

کے عنوان سے ذیل میں بیان کرتے ہیں اس باب میں ۵۶ احادیث ہیں۔

طرزِ حکومت شورائی ہے۔ ریاست کی اطاعت، اطاعت کے حدود، ریاست کے سربراہ کے فرائض۔ انصاف کرنے والا حکمران۔ اچھے اور برے حکمران کی پہچان حقوقِ شہریت، غیر مسلموں کے حقوق، سفارش، خیانت اور رشوت۔ حکمران تحفے قبول نہ کریں۔ قانون سے کوئی بالاتر نہیں ہے۔ عدلیہ کے اصول، آدابِ استغاثہ، قیامت کے دن ہر حکمران سے باز پرس ہوگی۔ خائن، غدار اور ظالم حکمران رُسوا ہوں گے ٹیکس کی بدعنوانیاں اور اس کے مرتکب کس انجام سے دوچار ہوں گے۔ اس کتاب میں علمی مباحث اور عالمانہ تحقیق نہیں ہے بلکہ یہ ایک اصلاحی کورس ہے اور دعوتِ دین کا کام کرنے والوں کے لیے مشعل راہ ہے یہ کتاب نبوی تصوف کا معطر گلدستہ ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ علمی سیر اور معلومات میں اضافہ کرنے کے لیے نہیں بلکہ صرف طلبِ ہدایت کے لیے کیا جائے۔ مطالعہ کرنے سے پہلے ایک بار درود شریف پڑھ لینا بہت مفید ہے۔

میں کوئی محدث نہیں ہوں بلکہ تیسرے درجے کا ایک طالب علم ہوں۔ اساتذۂ حدیث اور علماء کرام سے التماس ہے کہ وہ ترجمہ اور تشریح میں کوئی غلطی محسوس کریں تو مجھے اس سے آگاہ فرمائیں۔ تاکہ میں آئندہ اشاعت میں اس کی اصلاح کرسکوں۔

صحت کی خرابی اور علمی بے بضاعتی کے باوجود میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے بھروسہ پر اس کام کا آغاز کیا ہے استاذِ محترم حضرت مولانا عبدالحق صاحب جامعی (چاچڑاں ضلع رحیم یار خاں) نے دعاؤں اور علمی رہنمائی سے میری اعانت فرمائی

ہے۔ جناب سید اسعد گیلانی صاحب لاہور کے مفید مشوروں سے بھی میں نے استفادہ کیا ہے اگر برادر م مولانا عبداللہ علوی فاضل دیوبند جامعہ عربیہ سرگودھا اس سلسلہ میں مجھ سے عملی تعاون نہ فرماتے اور مسلسل حوصلہ افزائی سے میری ڈھارس نہ بندھاتے تو یہ فقیر گوشہ نشین اس وادی پُر خار میں قدم ہی نہ رکھتا۔ ان کرم فرماؤں کے علاوہ میں ان سب احباب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے میری اس حقیر کاوش کی قدر دانی کی اللہ تعالیٰ ہم سب کو امام الانبیاء سیدنا "محمد" صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنے اور آپ کے لائے ہوئے دین کو غالب کرنے کی توفیق عنایت فرمائے آمین۔

یکم رجب ۱۳۹۸ھ — سید محمود حسن

۸ جون ۱۹۷۸ء

ترتیب

باب دوم
ایک دن مرنا ہے

باب سوم

آخرت

باب چہارم
اللہ پر ایمان

باب پنجم

خوفِ خُدا اور پرہیزگاری

باب ششم

رسُول پر ایمان

باب ہفتم

اقامتِ دین

باب ہشتم

جہاد فی سبیل اللہ

باب نہم

اقامتِ دین کی راہ میں آزمائش

باب دہم

اِسلامی سیاست

بابِ اوّل

یہ دُنیا ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دنیا قید خانہ ہے

(۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ۔ (مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب الزھد۔ ترمذی ابواب الزھد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دنیا مؤمن کے لیئے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے بہشت ہے۔

تشریح: ایمان سے لازم آتا ہے کہ انسان اپنی پوری زندگی میں ان تمام پابندیوں کو اپنے اوپر لازم کرے جو خدا اور رسولؐ نے اس پر عائد کی ہیں۔ حرام خوری، ظلم، رشوت بد دیانتی، بدکاری، بے حیائی، جھوٹ، دھوکہ بازی، ایذاء رسانی، لوٹ کھسوٹ قتل و غارت گری اور ڈاکہ زنی سے پرہیز کرے اور ان اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرے جنہیں خدا کی شریعت نے اپنانے کا حکم دیا ہے ایسی بااصول اور پابندِ احکام زندگی کو "قید خانہ" سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ مؤمن دنیا میں بے لگام زندگی بسر نہیں کرتا۔ ہر کام کرنے سے پہلے اسے سوچنا پڑتا ہے کہ اس سے اس کا آقا ناراض تو نہ ہوگا؟ اس کے برعکس کافر کا ذہن اور کردار ان تمام پابندیوں سے آزاد ہوتا ہے۔ اس کے ہاں نہ تو آخرت کی زندگی کا کوئی تصور ہے اور نہ خالق کے سامنے جوابدہی کا کوئی احساس ہے۔ چنانچہ وہ حرام و حلال اور جائز و ناجائز کی تمیز کیے بغیر لذتِ نفسانی کے سامان اور اپنی بے لگام خواہشات کی تکمیل کرتا چلا جاتا ہے اسی کو "جنت" سے تعبیر کیا گیا۔

دولت کا جنون تباہ کن ہے

(۲) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ اَبَا عُبَیْدَۃَ بْنَ

الْجَرَّاحِ إِلَى الْبَحْرَيْنِ يَأْتِي بِجِزْيَتِهَا وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ صَالَحَ أَهْلَ الْبَحْرَيْنِ وَأَمَّرَ عَلَيْهِمُ الْعَلَاءَ بْنَ الْحَضْرَمِيِّ فَقَدِمَ أَبُو عُبَيْدَةَ بِمَالٍ مِّنَ الْبَحْرَيْنِ فَسَمِعَتِ الْأَنْصَارُ بِقُدُومِ أَبِي عُبَيْدَةَ فَوَافَوْا صَلٰوةَ الْفَجْرِ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ فَتَعَرَّضُوا لَهُ فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ رَآهُمْ ثُمَّ قَالَ أَظُنُّكُمْ سَمِعْتُمْ أَنَّ أَبَا عُبَيْدَةَ قَدِمَ بِشَيْءٍ مِّنَ الْبَحْرَيْنِ فَقَالُوا أَجَلْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ فَأَبْشِرُوا وَأَمِّلُوا مَا يَسُرُّكُمْ فَوَاللّٰهِ مَا الْفَقْرَ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنِّي أَخْشٰى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ الدُّنْيَا عَلَيْكُمْ كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ۔

(مسلم عن عمرو بن عوف کتاب الزھد۔ بخاری کتاب المغازی۔ کتاب الرقاق کتاب الجھاد۔ ترمذی ابواب القیامہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو جزیہ وصول کرنے کے لیے بحرین بھیجا ——— (بحرین، خلیج فارس کی ایک عرب ریاست ہے ۹ھ ہجری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین والوں سے جو کہ مجوس تھے جزیہ پر مصالحت کر کے علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو ان پر حاکم مقرر کیا تھا) ——— وہ جب بحرین سے (ایک لاکھ اسی ہزار درہم جزیہ کا) مال لے کر آئے اور انصار کو ان کے آنے کا علم ہوا تو انہوں نے (اپنے اپنے قبیلہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کی بجائے) صبح کی نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (مسجد نبوی میں) ادا کی نماز سے

فارغ ہوتے ہی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوئے
آپ انہیں دیکھ کر مُسکرائے پھر فرمایا:- میرا گمان ہے کہ تم نے سن لیا ہے کہ
ابوعبیدہؓ کچھ مال لے کر آئے ہیں وہ بولے ہاں، یارسول اللہ آپؐ نے
ان سے فرمایا کہ "خوش ہو جاؤ اور امید رکھو کہ تمہاری خوشی اور مسرت کا
دَور آنے والا ہے اللہ کی قسم! مجھے یہ ڈر نہیں ہے کہ تم مفلس ہو
جاؤ گے بلکہ تو اس بات سے ڈرتا ہوں کہ دولتِ دنیا تم پر کشادہ ہو
جائے گی جیسا کہ تم سے پہلی امتوں پر یہ کشادہ ہوئی تھی اور ان ہی کی
طرح تمہیں مال دولت کی طرف رغبت ہو گی اور اس کے حصول کے
لیے تم ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرو گے اور یہ ——
دنیا کی فراوانی، وسعت اور اس کی طرف بے انتہا رغبت ——
تمہیں تباہ کر کے رکھ دے گی جیسا کہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو
بربادی اور ہلاکت کے غار میں دھکیل دیا تھا"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ گزشتہ امتوں کے زوال کا سبب "دنیا پرستی" تھا آپؐ نے اپنی امت کو متنبہ کیا ہے کہ کہیں یہ خوفناک بیماری تمہیں اپنے مقصد سے دُور نہ کر دے۔ بس مال و دولت کی محبت اور عیاشی و تن آسانی کے فتنہ سے پرہیز کرو۔ ورنہ تم اپنے اصل مقصد کو بھول جاؤ گے۔ اپنے رب کو بھول جاؤ گے اور غفلت کے تاریک گڑھوں میں دھکے کھاتے پھرو گے اور دنیا کا عشق تمہاری ہلاکت اور تباہی کا باعث بن جائے گا مال و دولت کی بہتات کا انجام عموماً بُرا ہوتا ہے صاحبِ جائداد آدمی کو اس کے شر اور فتنہ سے چوکنا رہنا چاہیئے اور اس کے خطرناک نتائج سے بچ کر رہنا چاہیئے۔

زوالِ امت کے دو اسباب

(۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُوْشِكُ الْاُمَمُ

اَنْ تَدَاعٰی عَلَیْکُمْ کَمَا تَدَاعَی الْاَکَلَةُ اِلٰی قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ یَوْمَئِذٍ؟ قَالَ بَلْ اَنْتُمْ یَوْمَئِذٍ کَثِیْرٌ وَلٰکِنَّکُمْ غُثَاءٌ کَغُثَاءِ السَّیْلِ وَلَیَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّکُمُ الْمَهَابَةَ مِنْکُمْ وَلَیَقْذِفَنَّ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِکُمُ الْوَهْنَ فَقَالَ قَائِلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ حُبُّ الدُّنْیَا وَکَرَاهِیَةُ الْمَوْتِ۔

(ابوداؤد عن ثوبان کتاب الملاحم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب غیر مسلم قومیں تمہاری سرکوبی کے لیے ایک دوسرے کو بلائیں گی اور (پھر وہ سب مل جل کر) دھاوا بول دیں گی جیسا کہ بہت سے کھانے والے افراد ایک دوسرے کو بلا کر دسترخوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں ایک آدمی نے عرض کیا حضور! کیا اس وقت ہماری تعداد تھوڑی ہو گی؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اس وقت تم تعداد میں کثیر ہو گے لیکن تمہاری حیثیت سیلاب کے کوڑا کرکٹ اور جھاگ سے زیادہ نہ ہو گی اس وقت اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہو گا کہ دشمن قوموں کے دل سے تمہارا رعب ختم ہو جائے گا اور تمہارے دل "وَھْن" کا شکار ہو جائیں گے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! وَھْن کسے کہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا "دُنیا سے محبت اور موت سے نفرت"

تشریح: جس طرح بہت سے لوگ کھانا کھانے کے لیے ایک دوسرے کو دعوت دے کر بلاتے ہیں اور پھر وہ سب کے سب کھانے پر ٹوٹ پڑتے ہیں اسی طرح غیر مسلم ریاستیں اور ادارے بھی ملت اسلامیہ کا گھیراؤ کرنے اور اسے بھاڑ کھانے کے لیے ایک دوسرے کو دعوت دیں گے، تحریکیں چلائیں گے اور منصوبے تیار کریں گے۔ اور مسلمانوں کی اجتماعی اور سیاسی قوت کو کمزور کرنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں گے اور مل جل کر ان کے خلاف سازش کریں گے بلکہ ان کے باہمی ربط اور

انحاد کا بنیادی محرک یہ ہوگا کہ وہ ملت اسلامیہ کو زندگی کے ہر شعبہ میں ذلت، انتشار، تفرقہ بازی، بداخلاقی، ذہنی آوارگی اور فکری و نظریاتی الحاد میں مبتلا کردیں۔

یہ امر واقعہ ہے کہ کافر قوموں نے ہماری تہذیب و تمدن اور ہمارے نظریات پر بھرپور حملے کیے ہیں مغربی دنیا کے سفید ہاتھی اور کمیونسٹ بلاک کے سرخ دیونے "اسلام" سے ایسا خوفناک انتقام لیا ہے جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ کروڑوں مسلمان "کافرانہ نظام" کے بے پناہ سیلاب میں کوڑا کرکٹ کی طرح بہتے چلے جارہے ہیں۔ بین الاقوامی سیاست میں کوئی گروہ ان کا وزن محسوس کرتا ہے نہ ان کا احترام کرنے پر مجبور ہے۔ یہ اپنے حقوق سے دستبردار تو ہو سکتے ہیں لیکن ان کے بازو میں اتنی قوت نہیں ہے کہ کسی ظالم سے اپنا حق وصول کر سکیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیوں؟ جواب یہی ہے کہ ان کے دل خدا کی محبت سے خالی اور دنیا کی محبت سے معمور ہیں اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے جدوجہد کرنے اور اس راہ میں جان کی بازی لگا دینے کا ان کی زندگی میں سراغ نہیں ملتا بلکہ یہ موت کے ڈر سے کانپ رہے ہیں کہ حق و باطل کی جنگ میں کہیں جان سے ہاتھ نہ دھونا پڑیں۔

اللہ کی نگاہ میں دنیا کی وقعت

(۴) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِالسُّوْقِ دَاخِلًا مِنْ بَعْضِ الْعَالِيَةِ وَالنَّاسُ كَنَفَتَهُ فَمَرَّ بِجَدْيٍ اَسَكَّ مَيِّتٍ فَتَنَاوَلَهُ فَاَخَذَ بِاُذُنِهِ ثُمَّ قَالَ اَيُّكُمْ يُحِبُّ اَنَّ هٰذَا لَهُ بِدِرْهَمٍ؟ فَقَالُوْا مَا نُحِبُّ اَنَّهُ لَنَا بِشَيْءٍ وَمَا نَصْنَعُ بِهِ؟ قَالَ تُحِبُّوْنَ اَنَّهُ لَكُمْ قَالُوْا وَاللّٰهِ لَوْ كَانَ حَيًّا كَانَ عَيْبًا فِيْهِ لِاَنَّهُ اَسَكُّ فَكَيْفَ وَهُوَ مَيِّتٌ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَلدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ۔ (مسلم عن جابر بن عبداللہ کتاب الزھد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک گاؤں (جو کہ مدینہ کے اطراف میں

بلندی پر واقع ہے) سے آتے ہوئے (مدینہ طیبہ کے) بازار سے گزر ہؤا کچھ لوگ آپ کے ہمراہ تھے آپ نے چھوٹے کان والے بکری کے مردہ بچے کو پڑا دیکھا تو اسے کان سے پکڑ کر حاضرین سے سوال کیا تم میں سے کون ہے جو اسے ایک درہم میں لینا پسند کرے؟ انہوں نے عرض کیا۔ حضور! ہم تو اسے کسی قیمت پر بھی لینا پسند نہیں کرتے، یہ ہمارے کس کام آئے گا؟ آپؐ نے فرمایا (نہیں بلکہ) تم اسے اپنے لیے پسند کرتے ہی ہو۔ انہوں نے عرض کیا خدا کی قسم! اگر یہ زندہ بھی ہوتا تو معیوب ہونے کی وجہ سے خریدنے کے لیے موزوں نہ تھا اب تو یہ کانوں کے عیب کے باوجود مُردہ بھی ہے پھر آپؐ نے (اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا خدا کی قسم! اللہ کے نزدیک دنیا اس سے زیادہ حقیر اور بے وزن ہے جتنا یہ مُردہ بچہ تمہاری نگاہ میں بے وزن اور حقیر ہے۔

تشریح:۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے بندوں کی نگاہ میں دنیا کی دولت پرِکاہ کے برابر وقعت نہیں رکھتی۔ حضورؐ کے اس قیمتی تبصرہ پر ان مسلمانوں کو غور کرنا چاہیئے جو زر و جواہر سے عشق فرماتے ہیں اور سونے چاندی کے ذخیروں پر جان دیتے ہیں۔ نمود و نمائش اور عیاشی پر مال و دولت کا بے تحاشا استعمال کرتے ہیں وہ زندہ رہنے کے لیئے نہیں کماتے بلکہ ان کی زندگی کا نصب العین زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنا اور معیارِ زندگی بڑھانا ہوتا ہے جس قدر دولت ان کے ہاتھ آتی ہے وہ ان کا پیٹ نہیں بھرتی بلکہ اس سے ان کی آتش حرص اور زیادہ بھڑک اُٹھتی ہے حرص و لالچ کا جہنم ان کے دل کو پتھر سے بھی زیادہ سخت بنا دیتا ہے اور خلقِ خدا کے حقوق ان کی حریص نگاہوں میں کوئی وزن نہیں رکھتے ایسی دنیا طلبی بالآخر انسان کو تباہ کر دیتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی دُنیا طلبی کی مذمت فرمائی ہے۔

دنیا اور آخرت

(۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاللّٰہِ مَا الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا مِثْلُ مَا یَجْعَلُ اَحَدُکُمْ اِصْبَعَہٗ فِی الْیَمِّ فَلْیَنْظُرْ بِمَ تَرْجِعُ؟

(مسلم عن المستورد کتاب الجنۃ۔ ترمذی ابواب الزھد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کی قسم! آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی حقیقت صرف اتنی ہے جیسے کوئی سمندر میں انگلی ڈال کر دیکھے کہ وہ کتنا پانی لے کر لوٹتی ہے؟

تشریح:۔ دنیا، عمر اور نعمتوں کے لحاظ سے آخرت کے مقابلہ میں اتنی حقیر اور بے وزن ہے جیسا کہ سمندر کے مقابلہ میں وہ پانی جو انگلی کے ساتھ لگ کر آتا ہے۔ اس ارشاد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمندر میں انگلی ڈالنے سے جتنا پانی انگلی میں آتا ہے پانی کی اس مقدار سے دنیا کو اور باقی ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر سے آخرت کی زندگی کو تشبیہ دی ہے ظاہر بات ہے کہ آخرت کی لازوال نعمتوں اور ابدی کامرانیوں کو نظر انداز کر کے ایسی بے وزن اور حقیر دنیا کو زندگی کا نصب العین بنا لینا حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟

دنیا کی اہمیت

(۶) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ کَانَتِ الدُّنْیَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰہِ جَنَاحَ بَعُوْضَۃٍ مَا سَقٰی کَافِرًا مِنْھَا شُرْبَۃَ مَاءٍ۔

(ترمذی عن سہل بن سعد ابواب الزھد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی نگاہ میں اگر دنیا مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو وہ پانی کا ایک گھونٹ بھی کسی کافر کو نہ پلاتا۔

تشریح :۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں دنیا کے مال و متاع کی ذرہ بھر بھی وقعت نہیں ہے اگر اُس کے نزدیک اس کی کچھ بھی اہمیت ہوتی تو وہ نہ صرف یہ کہ کافروں اور ملحدوں کو اس سے محروم کرتا بلکہ دنیا میں پائے جانے والے پانی کا ایک گھونٹ بھی ان کو پینے کے لیے نہ دیتا۔ دنیا کے مال و اسباب اور عیش و عشرت کے سامان کا بہت بڑا حصہ کفر اور الحاد کے علمبرداروں کو دیا گیا ہے یہ دلیل ہے اس بات کی کہ مالکِ کائنات کے نزدیک دنیا کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

دو امانتوں کی آزمائش

(۷) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ، الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ۔

(بخاری عن ابن عباس کتاب الرقاق۔ ترمذی ابواب الزھد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی ان دو نعمتوں "تندرستی اور فرصت" کے متعلق اکثر لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

تشریح :۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی قدر نہیں کرتے۔ اس لیے خسارہ اٹھاتے ہیں اور فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر دینے کا طریقہ یہ ہے کہ لوگ اپنی صحت کو گناہوں میں برباد نہ کریں بلکہ اللہ کی بخشی ہوئی اس نعمت کو اس کی فرمانبرداری کے لیے وقف کر دیں "فرصت" کے اوقات آوارہ گردی اور خدا کی بغاوت میں ضائع نہ ہوں بلکہ زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ کی وفاداری میں بسر ہو۔ بڑا کم عقل اور فریب خوردہ ہے وہ انسان جو تندرستی کے دور اور فرصت کے وقت اللہ کی اطاعت نہیں کرتا بلکہ نفسانی خواہشات کا غلام بن کر رہتا ہے۔

جو شخص جوانی کے پر آشوب دور میں جذبات کو قابو میں نہیں رکھتا اور نہ ان سے صحیح کام لیتا ہے وہ غلط راستے پر چل نکلتا ہے جو شخص روح کے تقاضوں کو یکسر فراموش کر دے اور اپنی باگ ڈور خواہشِ نفس کے ہاتھ میں تھما دے اس سے زندگی

کا نصب العین او جھل ہو جاتا ہے۔

ایک مؤمن جوانی اور صحت کو اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی امانت سمجھتے ہوئے پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے وہ "لمحاتِ فرصت" کو ضائع نہیں کرتا بلکہ اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدا کی اطاعت اور بندگی کا ترجمان ہوتا ہے وہ بداخلاقی کے سیلاب میں نہیں بہتا بلکہ گناہوں کے طوفان کو روکنے کے لیے چٹان بن کر کھڑا ہو جاتا ہے غرضیکہ "مومن" اپنی فرصت اور تندرستی کو آخرت کا سامان فراہم کرنے میں صرف کرتا ہے۔

انسان کی دو کمزوریاں

(۸) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَھْرَمُ ابْنُ اٰدَمَ وَ یَشِبُّ مِنْہُ اثْنَتَانِ، اَلْحِرْصُ عَلَی الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَی الْعُمُرِ۔ (مسلم عن انس کتاب الزکوٰۃ۔ بخاری کتاب الرقاق۔ ترمذی ابواب الزھد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی بوڑھا ہوتا جاتا ہے اور اس کی دو خصلتیں جوان ہوتی جاتی ہیں (۱) مال کی محبت اور حرص (۲) زیادہ عرصہ تک جینے کا لالچ۔

تشریح:۔ ہونا تو چاہیئے کہ زندگی کے آخری دور میں انسان زیادہ سے زیادہ اپنی آخرت سنوارنے کی کوشش کرے، کیونکہ عنقریب اسے موت کے دروازے سے گزر کر آخرت کی زندگی کے صحن میں قدم رکھنا ہے لیکن دنیا کی محبت اس کی عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے وہ مال و دولت کی محبت میں بُری طرح گرفتار ہو جاتا ہے موت کی واضح نشانیوں ——— سفید بالوں اور اعضاء کی کمزوری ——— کے باوجود اس کی سب سے بڑی تمنا یہ ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ کمائے اور اپنے عیش و آرام کی خاطر ایسے ایسے کاموں میں مبتلا ہو جائے گویا اسے مرنا ہی نہیں ہے بلکہ اس جہانِ فانی میں ہمیشہ کے لیے رہنا ہے۔

دولتمندوں کا انجام

(۹) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُکْثِرِیْنَ ھُمُ الْمُقِلُّوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِلَّا مَنْ اَعْطَاہُ اللّٰہُ خَیْرًا فَنَفَعَ فِیْہِ یَمِیْنَہٗ وَشِمَالَہٗ وَبَیْنَ یَدَیْہِ وَوَرَاءَہٗ وَعَمِلَ فِیْہِ خَیْرًا۔

(بخاری عن ابی ذر کتاب الرقاق)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ دُنیا میں بہت مال دولت رکھتے ہیں وہ آخرت میں نادار ہوں گے مگر وہ شخص (آخرت میں مفلس اور نادار نہ ہوگا بلکہ بہت سی نیکیوں اور بھلائیوں کا حامل ہوگا) جسے اللہ تعالیٰ بہت سا مال دے اور وہ اسے اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے دیتا رہے اور اسے برابر نیک کاموں میں خرچ کرتا رہے۔

تشریح:۔ مال دولت کی کثرت عام طور پر انسان کو خدا سے غافل کر دیتی ہے اس میں مستغرق ہونے کی وجہ سے وہ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی توفیق نہیں پاتا قیامت کے دن اس کی نیکیاں اس کے گناہوں سے بہت ہی کم ہوں گی جس مال سے اس نے دنیا میں نیکی کمانی تھی وہ اس سے گناہوں کو خریدتا رہا اپنی ہی دولت کے بل بوتے پر وہ ایسے سیاہ کارنامے انجام دیتا رہا جو اسے اللہ کی عدالت میں سزا دلوا کر رہیں گے، اس وجہ سے وہ بہت پریشان اور اُداس ہوگا لیکن وہاں نجات پانے کی کوئی راہ اسے سجھائی نہ دے گی البتہ وہ مال دار قیامت کے دن کی رسوائی سے بچ جائے گا جس نے اپنی دولت کو اچھے کاموں پر خرچ کیا ہو

دائیں بائیں اور آگے پیچھے مال خرچ کرنے کا مطلب ہے بھلائی اور نیکی کے کاموں میں بڑی فیاضی اور کشادہ دلی سے مال خرچ کرتے رہنا بہت بڑے مال دار اور سرمایہ دار لوگ قیامت کے دن کی رسوائی اور ذلت سے نہیں بچ سکتے اِلّا یہ کہ

(۱) وہ ہر سال اپنے مال کی باقاعدہ زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔

(۲) اپنے غریب رشتہ داروں اور نادار ہمسایوں کی دل کھول کر اس حد تک اعانت کریں کہ وہ معاشی لحاظ سے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں۔

(۳) یتیم بچوں اور بچیوں کی تعلیم، صحت اور لباس و خوراک کی کفالت کریں۔

(۴) بیوہ خواتین اور معذور افراد کی مستقل مدد کرتے رہیں۔

(۵) اپنی بستی اور محلہ کے غریبوں اور مسکینوں اور بے سہارا افراد کی مدد کریں۔

(۶) رفاہِ عامہ کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

(۷) دین کی تعلیم، تبلیغ اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ اپنا مال خرچ کریں۔

(۸) اس کے علاوہ اور بھی نیکی اور بھلائی کے کام ہیں جن پر مال خرچ کیا جا سکتا ہے۔

اچھا اور بُرا انسان

(۱۰) اِنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ؟ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَحَسُنَ عَمَلُہٗ قَالَ فَاَیُّ النَّاسِ شَرٌّ؟ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَسَاءَ عَمَلُہٗ۔ (ترمذی عن ابی بکرۃ ابواب الزھد)

ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے اچھا انسان کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا جس کی "عمر" لمبی اور "عمل" اچھا ہو پھر اس نے پوچھا سب سے بُرا انسان کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا جس نے عمر لمبی پائی اور بُرے اعمال میں مبتلا رہا۔

تشریح:۔ لمبی عمر باعثِ رشک ہے اگر خُدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت میں گزری ہو جو شخص ہر معاملہ میں خُدا کی رضا کو پیشِ نظر رکھتا ہو وہ نیکیوں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر لیتا ہے اور اس کی بدبختی پر کون شک کر سکتا ہے جس کی طویل زندگی

خدا کی نافرمانی اور بغاوت کے دریا میں غرق ہو چکی ہو اور وہ آخرت میں نافرمانی کا بھاری بوجھ اپنی کمر پر لاد کر لے جائے۔

دنیا سے محبت کرنے کا نقصان

(۱۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ دُنْیَاہُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِہٖ وَمَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَہٗ اَضَرَّ بِدُنْیَاہُ فَاٰثِرُوْا مَا یَبْقٰی عَلٰی مَا یَفْنٰی۔

(مشکوٰۃ کتاب الرقاق عن ابی موسٰی بحوالہ احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دنیا سے پیار کرتا ہے وہ اپنی آخرت کو ضرور نقصان پہنچاتا ہے اور جو شخص آخرت سے محبت کرتا ہے وہ اپنی دنیا کو ضرور بگاڑتا ہے لوگو! دائمی کو عارضی پر ترجیح دو۔

تشریح:۔ دنیا فانی ہے، اس جہانِ رنگ و بو میں پیدا ہونے والا انسان آخر کتنی عمر پاتا ہے؛ آخرت کی زندگی دائمی ہے اس کی نعمتیں لازوال اور ابدی ہیں وہاں کسی پر موت نہ آئے گی۔

جو لوگ دنیا کی چند روزہ زندگی میں ہر طرح کے مادی فائدے اور عیش و آرام کے اسباب مہیا کر لیتے ہیں وہ آخرت میں کامیاب نہیں ہو سکتے اور جن کی تگ و دو کا ہدف یہ ہو کہ "اللہ کے لیے جینا ہے اور آخرت کی زندگی میں کامیاب ہونا ہے" وہ دنیا پرستوں کی طرح خوشحال نہیں ہو سکتے وہ ہر طرح کی تکلیف اور نقصان تو برداشت کر سکتے ہیں لیکن کوئی ایسا کام نہیں کرتے جو خدا کے غضب کو دعوت دینے والا ہو۔

آخرت اور دنیا کے متعلق یہ دو طرزِ عمل پائے جاتے ہیں

ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے بے نیاز ہو کر صرف دنیا کی خوشحالی اور ترقی کے لیئے کوشش کی جائے، اللہ تعالیٰ کے احکام اور حلال و حرام کی کوئی پرواہ نہ کی جائے۔ دوسرا یہ ہے کہ آخرت کی زندگی کی فلاح و بہبود کی خاطر دنیا میں خدا

کی بندگی اور اطاعت کی جائے۔ جو شخص پہلے طرزِ عمل کو اپنائے گا اس کی آخرت برباد ہو جائے گی، مرنے کے بعد ذلیل اور رسوا ہو گا اور جس نے دوسرے رویہ کو پسند کیا وہ آخرت میں سرخرو اور کامیاب ہو گا اسے بہشت جگہ ملے گی۔ اگرچہ اس کی دنیا ڈانواں ڈول رہے گی۔ "دائمی زندگی کو عارضی زندگی پر ترجیح دو" کا مطلب یہ ہے کہ تم دوسرا رویہ اختیار کرو۔

دنیا میں اجنبی

(۱۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْکِبِیْ فَقَالَ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّكَ غَرِیْبٌ اَوْعَابِرُ سَبِیْلٍ وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ یَقُوْلُ اِذَا اَمْسَیْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَاِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَیَاتِكَ لِمَوْتِكَ۔

(بخاری کتاب الرقاق۔ ترمذی ابواب الزھد۔ مسند احمد ۴۷۶۴ ــــــ ۵۰۰۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے کو پکڑا اور فرمایا تو دنیا میں اس طرح زندگی کے دن گزار گویا کہ تو اجنبی ہے یا مسافر۔

اور عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے تو شام کو صبح کا انتظار نہ کر اور صبح کو شام کا انتظار نہ کر تندرستی کی حالت میں (اللہ کی اطاعت اور نیکی کا اتنا ذخیرہ) جمع کر لے جس سے بیماری کے زمانہ کی کوتاہیوں کی تلافی ہو سکے۔ اور اپنی زندگی میں نیکی کا اتنا سرمایہ فراہم کر لے جو مرنے کے بعد تیرے کام آئے۔

تشریح:۔ (۱) عربی میں "غریب" مفلس کو نہیں بلکہ اس آدمی کو کہتے ہیں جو اپنے وطن سے دور کسی غیر مانوس آبادی میں آکر رہے زبان معاشرت اور تعلقات کے لحاظ سے وہ نئے ماحول میں جذب نہیں ہوتا مطلب یہ ہے کہ تم اس دنیا میں بالکل اجنبیوں کی طرح گزر بسر کرو۔

دنیا کے عیش و عشرت سے بیگانہ اور اس کی مسحور کن رعنائی سے بے نیاز کچھ دن گزار کر چلے جاؤ۔ دنیا کے عشرت کدوں کو نگاہِ غلط انداز سے بھی نہ دیکھو تم اس کی دلفریب بہاروں میں نہ کھو جاؤ۔ دنیا کے بازاروں میں نہ ٹھہرو بلکہ یوں چلو جیسے کسی نہر یا ندی کو عبور کر رہے ہو یا کسی شاہراہ سے گزر رہے ہو۔ ایک اجنبی آدمی جس احتیاط اور رکھ رکھاؤ کے ساتھ کسی بستی میں اوقات بسر کرتا ہے مؤمن کو چاہیئے کہ وہ بھی اس کارگاہ امتحان میں نہایت ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ یہ چند روزہ زندگی گزارے۔ ترمذی اور مسند احمد میں اس روایت پر مزید یہ اضافہ ہے۔

عُدَّ نَفْسَكَ مِنْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ

"تُو اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کر"

اس لیے کہ یہاں مُردہ ہونے میں کچھ دیر نہیں لگتی اور اس لیے بھی کہ زندگی کا رشتہ تیرے ہاتھ میں نہیں ہے اور ہر ذی روح آگے کی طرف گزرتا چلا جا رہا ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کی فلاح کے لیے اپنی پوری زندگی میں اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو۔ اس کی نافرمانی سے پرہیز کرو۔ دنیا کی یہ زندگی سراپا آزمائش اور امتحان ہے موت کا وقت مجہول ہے اس لیے نیکی کرنے اور برائی کو مٹانے کے لیے جلدی کرو۔ اس کارخیر کو کسی آنے والے وقت تک ملتوی نہ کرو۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت سے پہلے تمہاری موت کا اعلان ہو جائے۔ انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اپنے شعور اور ارادہ سے اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت کرے اور اس نظام اور فکر کو رد کر دے جو اس سے ٹکراتا ہو" اس میں تاخیر، التوا اور انتظار کے چکر میں نہ پڑنا چاہیئے۔ وقت کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر نماز کو تُو اپنی آخری نماز سمجھ کر ادا کر"

بیماری کی حالت میں انسان انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریاں اچھے طریقے سے ادا نہیں کر سکتا بلکہ بسا اوقات ملتوی ہو جاتی ہیں اس لیے حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا

تندرستی کے زمانہ میں تو زیادہ سے زیادہ نیکیاں کمانے کی کوشش کرتا کہ بیماری کے دور کی کوتاہیوں کی تلافی ہو سکے" مرنے کے بعد کام کرنے کی مہلت ختم ہو جاتی ہے اس لیے فرمایا کہ "تو مرنے سے پہلے اپنی زندگی کو غنیمت جان" اسے بیہودہ اور لغو کاموں میں ضائع نہ کر۔ نیک کام کرنے اور پھیلانے، برائیوں سے رکنے اور انہیں مٹانے کا جو کام تیرے سپرد ہوا ہے تو اس میں سستی نہ کر بلکہ نہایت احتیاط کے ساتھ زندگی سے فائدہ اٹھا تاکہ بھلائیوں کا یہ ذخیرہ مرنے کے بعد تیرے کام آئے اور وہاں جا کر تجھے پچھتانا نہ پڑے۔

ہر ذی روح پر موت آکر رہتی ہے یہ ایک ہمہ گیر قانون ہے زندگی کی گاڑی بڑی برق رفتاری کے ساتھ رواں دواں ہے نسلِ انسانی کے کروڑوں افراد اس گاڑی میں بیٹھے فضا کے نظاروں میں محو ہیں ہر شخص کو اپنے اسٹیشن پر اترنا ہے لیکن زندگی کے ان اسٹیشنوں کا علم سوائے علیم و خبیر خدا کے اور کسی کے پاس نہیں ہے کوئی چاہے یا نہ چاہے اسے اپنے اسٹیشن پر گاڑی سے اترنا ہی پڑے گا وہ اسٹیشن کونسا ہے؟ اور گاڑی کس تاریخ کو اس پر سے گزرے گی؟ پردۂ غیب میں ہے جہاں کسی کی رسائی نہیں اس لیے قافلۂ انسانیت کے ہر مسافر کو پابہ رکاب رہنا چاہیئے۔

دُنیا کے بیٹے نہ بنو

(الف ۱۲) عَنْ عَلِیٍّ اِرْتَحَلَتِ الدُّنْیَا مُدْبِرَۃً وَّارْتَحَلَتِ الْاٰخِرَۃُ مُقْبِلَۃً وَلِکُلٍّ وَّاحِدَۃٍ مِّنْهُمَا بَنُوْنَ فَکُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الْاٰخِرَۃِ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الدُّنْیَا فَاِنَّ الْیَوْمَ عَمَلٌ وَّلَا حِسَابَ وَغَدًا حِسَابٌ وَّلَا عَمَلَ (بخاری کتاب الرقاق)

امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا دنیا پیٹھ پھیر کر کوچ کر رہی ہے اور قیامت پابہ رکاب ہو کر سامنے آرہی ہے ان میں سے ہر ایک کی اولاد ہے تم آخرت کے بیٹے بنو، دنیا کے فرزند نہ بنو کیونکہ آج (دنیا میں) کام

(کرنے کی مہلت) ہے اور کسی کا محاسبہ نہیں، کل (قیامت کے دن) ہر شخص
سے حساب لیا جائے گا اور کام کرنے کی مہلت نہ ہوگی۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تم دنیا میں اُخروی زندگی کی کامیابی کے لیے کوشش کرو، آخرت کو نظر انداز کر کے اپنی صلاحیتوں کو صرف اپنی دنیا بنانے کے لیے صرف کر دینا عقلمندی نہیں، حماقت ہے۔ "آخرت کے بیٹے بنو" یعنی اس عقیدہ اور یقین کے ساتھ اللہ کی ہدایت کے مطابق زندگی بسر کرو کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ہمارے سب کام کی جانچ پڑتال ہوگی" دنیا کے فرزند نہ بنو" کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا نصب العین یہ نہیں ہے کہ تم جائداد بناؤ، مال و دولت کے انبار لگاؤ اور عیش و عشرت کے سامان کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاؤ۔ کیونکہ "دنیا پرستی" ایک خطرناک جادو ہے جو فطرتِ انسانی پر پردہ ڈال دیتا ہے ہمارے اس "ترقی یافتہ" دور میں اس کی شر انگیزی عریاں ہو گئی ہے۔ ہر شخص، ہر قوم بلکہ روئے زمین کی اکثر آبادی اس کی تباہ کاریوں سے نالاں ہے کاش کہ امت مسلمہ اس طوفانِ بلاخیز سے اپنی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو بچا سکے۔

قانونِ استدراج

(۱۳) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُعْطِي الْعَبْدَ مِنَ الدُّنْيَا عَلَىٰ مَعَاصِيْهِ مَا يُحِبُّ فَإِنَّمَا هُوَ اِسْتِدْرَاجٌ ثُمَّ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى إِذَا فَرِحُوْا بِمَا اُوْتُوْا اَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ○ (مشکوٰۃ عن عقبہ بن عامر کتاب الرقاق بحوالہ احمد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اس کی معصیت کے باوجود اس کی خواہش کے مطابق دنیا (کے اسباب)

فراہم کر رہا ہے تو یقین جانو کہ وہ "استدراج" ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ ﴿ (الانعام آیت ۴۴)

(پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو جو انہیں کی گئی تھی، بھلا دیا تو ہم نے ہر طرح کی خوشحالیوں کے دروازے ان پر کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ ان بخششوں میں جو انہیں عطا کی گئی تھیں خوب مگن ہو گئے تو اچانک ہم نے انہیں پکڑ لیا اب یہ حال تھا کہ وہ ہر خیر سے مایوس تھے)

تشریح :۔ ربُّ العالمین ہر ذی روح کو رزق عطا فرماتا ہے چاہے وہ اس پر ایمان لائے یا اس کا انکار کرے، چاہے وہ شعور کے ساتھ اس کی اطاعت کرے یا اس کی بغاوت اور نافرمانی کا رویہ اختیار کرے۔ رزق کی تقسیم کا انتظام کفر اور ایمان یا اطاعت اور نافرمانی کی بنیاد پر نہیں ہے اللہ تعالیٰ دنیا میں مال و دولت سے بندوں کو آزمائش میں ڈالتا ہے، اسباب عیش کی کثرت، خدا کی رضامندی کی علامت نہیں ہے۔ غریبی اور تنگدستی اللہ کی ناراضگی اور غضب کی نشانی نہیں ہے، کوئی شخص بہت بڑا مالدار ہونے کی وجہ سے نہ تو اللہ کا محبوب بن جاتا ہے اور نہ غریب و فاقہ مست ہونے کی وجہ سے اس کی نگاہ میں حقیر اور معتوب قرار پاتا ہے کیونکہ عیش و عشرت کے اسباب اور مال و دولت کی بہتات کا خدا کی نگاہ میں کوئی وزن نہیں ہے۔

بعض اوقات، اللہ تعالیٰ "بگڑے ہوئے بندے" کو مصیبت اور تنگدستی میں صرف اس لیے مبتلا کرتا ہے تاکہ وہ بغاوت، اور نافرمانی کا رویہ ترک کر کے اپنے رب کا وفادار بندہ بن جائے سلیم الطبع انسان اس صورت حال کو دیکھ کر چونک پڑتا ہے اور فوراً اپنی اصلاح کر لیتا ہے لیکن ایک سخت دل انسان خالص مادی نقطۂ نظر سے خراب حالات کے اسباب تلاش کرتا ہے وہ نہ تو اپنے طرز عمل کی اصلاح

کرتا ہے اور نہ اپنی غلطیوں سے دستبردار ہوتا ہے بلکہ وہ اپنے سیاہ کارناموں پر مسلسل اصرار کیے چلا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ایسے ٹیڑھے ذہن اور سنگدل آدمی کو دنیا کی خوشحالی عطا فرماتا ہے، اور مال و متاع کی فراوانی سے اسے نوازتا ہے اس "باغی" پر یہ عطاء و بخشش اس لیے نہیں ہوتی کہ اللہ اس سے راضی ہے اور محبت کرتا ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قانون "استدراج" کی زد میں ہوتا ہے بظاہر تو اسے دنیا کے مال و متاع سے نوازا جاتا ہے، عیش و عشرت کے اسباب اسے مہیا کیے جاتے ہیں لیکن بالکل غیر محسوس طریقے سے آہستہ آہستہ اسے بربادی اور تباہی کی طرف دھکیلا جاتا ہے بالآخر وہ مرحلہ بھی آجاتا ہے کہ جب خدائے قہار کا ان دیکھا ہاتھ اس کی اکڑی ہوئی گردن کے سارے کس بل نکال کر رکھ دیتا ہے، اس بات کو اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ۝

(اعراف آیت ۱۸۲ - ۱۸۳)

"رہے وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا ہے تو انہیں ہم بتدریج ایسے طریقہ سے تباہی کی طرف لے جائیں گے کہ انہیں خبر تک نہ ہوگی۔ میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں میری چال کا کوئی توڑ نہیں ہے"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی کے ساتھ اگر قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات کو بھی پیش نظر رکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے "قانون استدراج" کی حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے جیسا کہ افراد، انفرادی حیثیت سے اس کی زد میں آتے ہیں، اسی طرح قومیں بھی اجتماعی حیثیت سے اس کی لپیٹ میں آتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ جس آدمی کو اس کی نافرمانیوں کے باوجود مال و دولت وافر مقدار میں عطا فرماتا ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے بلکہ وہ اس کے خلاف فرد جرم عائد کرنے کے لیے اسے ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ اپنے گناہوں کا

کوٹہ پورا کر کے اللہ تعالیٰ کی شدید گرفت کا مستحق بن جائے

اسی طرح اجتماعی لحاظ سے کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانیوں کے باوجود اگر ترقی کرتی چلی جاتی ہے، ہر طرح کی خوشحالیوں کے دروازے اس پر کھول دیے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی نوازش اور عطا سے اس کو مالا مال کر دیتا ہے تو اسے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی چہیتی اور مقرب ہے اور وہ اس سے راضی ہے بلکہ مالکِ کائنات کی طرف سے یہ ڈھیل اور مہلت، ان کو عذاب کا مستحق بنانے کے لیے دی جاتی ہے۔ جب ان کی سیاہ کاریوں کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو اچانک عذاب کا ایک جھٹکا ان کا کچومر نکال کر رکھ دیتا ہے۔

دُنیا مُردہ بکری کی مانند ہے

(۱۴) مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ مَيِّتَةٍ قَدْ اَلْقَاهَا اَهْلُهَا فَقَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَلدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهٖ عَلٰى اَهْلِهَا۔

(مسند احمد بن عباس نمبر ۳۰۴۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مُردہ بکری پر سے گزرے، جسے اس کے مالک نے پھینک دیا تھا (اس بکری کو دیکھ کر) آپؐ نے فرمایا؟ اس خدا کی قسم! جس کے قبضہ میں میری زندگی ہے یہ بکری اپنے مالک کی نظر میں جس قدر حقیر ہے اللہ کی نگاہ میں دُنیا، اس سے بھی زیادہ بے وزن ہے۔

تشریح:۔ ایک مری ہوئی بکری اپنے مالک کی نظر میں کیا مقام رکھتی ہے؟ اور وہ اسے کتنا چاہتا ہے؟ یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ دنیا کی دولت، اور اس کی بہاریں، اللہ کے ہاں مُردہ بکری سے بھی زیادہ حقیر ہیں۔

حضور اکرمؐ اور دُنیا

(۱۵) نَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى حَصِيْرٍ فَقَامَ وَقَدْ اَثَّرَ فِيْ جَنْبِهٖ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوِ اتَّخَذْنَا لَكَ وِطَاءً فَقَالَ مَا لِيْ وَلِلدُّنْيَا وَمَا اَنَا فِي الدُّنْيَا اِلَّا كَرَاكِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا۔

(ترمذی عن ابن مسعود ابواب الزھد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر سوئے ہوئے تھے، پھر اُٹھ کھڑے ہوئے تو آپؐ کے پہلو پر اس کے نشانات کا اثر تھا، ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر ہم آپ کی راحت کے لیے ایک نرم گدا بنا کر لیں تو بہتر ہے آپؐ نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا سروکار؟ میں تو دنیا میں اس سوار کی طرح ہوں جو کسی درخت کے سایہ میں تھوڑی دیر سستانے کے لیے ٹھہرتا ہے اور پھر اسے چھوڑ کر آگے چل پڑتا ہے۔

تشریح:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں دنیا ایک ایسا درخت ہے جس کے نیچے مسافر سستانے کی غرض سے ٹھہرتا ہے اور پھر آگے چل پڑتا ہے۔ دنیا کے عشق میں جان کی بازی ہارنے والوں کو دنیا کی اس "حقیقی تصویر" پر غور کرنا چاہیے۔

(۱۶) دَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ عَلٰى حَصِيْرٍ فَجَلَسْتُ فَاَدْنٰى عَلَيْهِ اِزَارَهٗ وَلَيْسَ عَلَيْهِ غَيْرُهٗ وَاِذَا الْحَصِيْرُ قَدْ اَثَّرَ فِيْ جَنْبِهٖ فَنَظَرْتُ بِبَصَرِيْ فِيْ خِزَانَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا اَنَا بِقُبْضَةٍ مِنْ شَعِيْرٍ نَحْوَ الصَّاعِ وَمِثْلِهَا قَرَظًا

فِیْ نَاحِیَۃِ الْغُرْفَۃِ وَاِذَا اُفِیْقٌ مُعَلَّقٌ قَالَ فَابْتَدَرَتْ عَیْنَایَ قَالَ مَا یُبْکِیْکَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ؟ قُلْتُ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ وَمَالِیْ لَا اَبْکِیْ وَھٰذَا الْحَصِیْرُ قَدْ اَثَّرَ فِیْ جَنْبِکَ وَھٰذِہٖ خِزَانَتُکَ لَا اَرٰی فِیْھَا اِلَّا مَا اَرٰی وَذَاکَ قَیْصَرُ وَکِسْرٰی فِی الثِّمَارِ وَالْاَنْھَارِ وَاَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَصَفْوَتُہٗ وَھٰذِہٖ خِزَانَتُکَ فَقَالَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ اَلَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ لَنَا الْاٰخِرَۃُ وَلَھُمُ الدُّنْیَا قُلْتُ بَلٰی (مسلم عن عمر بن الخطاب کتاب الطلاق)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیٹھ گیا آپ نے اپنا تہبند ٹھیک کیا۔ اس وقت آپ کے پاس صرف یہی کپڑا تھا۔ آپ کے پہلو پر چٹائی کا نشان پڑا ہوا تھا پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مال گودام پر نگاہ ڈالی تو اس میں ساڑھے تین سیر کے قریب جَو تھے، ایک درخت کے کچھ پتے بھی اتنی ہی مقدار میں موجود تھے جن سے چمڑا رنگا جاتا ہے دیوار پر ایک چمڑہ بھی لٹک رہا تھا جو پوری طرح رنگا ہوا نہیں تھا (یہ منظر دیکھ کر) میری آنکھیں اشکبار ہوگئیں آپ نے فرمایا عمر! کیوں روتے ہو میں نے عرض کیا حضور! کیا اب بھی مجھے رونا نہ آئے چٹائی کے نقوش آپ کے پہلو پر ثبت ہو گئے ہیں آپ کا یہ مال گودام بھی میرے سامنے ہے حالانکہ آپ خدا کے برگزیدہ رسول ہیں۔ اُدھر روم اور ایران کے بادشاہوں کو میں عیش و نعمت کی بہاروں میں دیکھتا ہوں آپ نے فرمایا عمرؓ! کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ ہمارے لیے آخرت کی نعمتیں ہیں اور اُنہیں صرف دنیا مل رہا ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں، کیوں نہیں۔

تشریح: - یہ غالباً ۹ھ ہجری کا واقعہ ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اسلامی حکومت کے سربراہ تھے جسم مبارک پر کرتا یا چادر نہ ہونے کی وجہ سے چٹائی کے نشان پہلو پر نظر آئے تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ بے تاب ہو گئے، ساڑھے تین سیر جو اور چمڑہ رنگنے کے لیے ایک درخت کے پتے بالاخانہ کے کونے میں پڑے تھے مشکیزہ بنانے کے لیے دیوار پر ایک عدد چمڑہ لٹک رہا تھا یہ اندوختہ دیکھ کر فاروق اعظمؓ کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی خوشحالیوں کے مقابلہ میں آخرت کی نعمتوں کو ترجیح دے کر ان کے غم اور پریشانی کو دور کر دیا اور ان کے ذہن میں یہ "حقیقت" بٹھا دی کہ ہمارا نصب العین دنیا میں عیش و عشرت کے اسباب کو حاصل کرنا نہیں بلکہ آخرت کی فلاح ہے۔

دُنیا کے فتنہ سے بچو

(۱۷) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الدُّنْیَا حُلْوَۃٌ خَضِرَۃٌ وَاِنَّ اللّٰہَ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْھَا فَیَنْظُرُ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ فَاتَّقُوا الدُّنْیَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ فَاِنَّ اَوَّلَ فِتْنَۃِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ کَانَتْ فِی النِّسَاءِ (مسلم عن ابی سعید الخدری کتاب الذکر والدعاء)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا بڑی لذیذ و رنگین ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا میں حاکم بنا کر دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسے کام کرتے ہو؟ تم دنیا (کی رنگینیوں) سے پرہیز کرو، اور عورتوں ـــــ کے فتنہ ـــــ سے بچو، بنی اسرائیل سب سے پہلے عورتوں کے فتنہ میں ہی مبتلا ہوئے تھے۔

تشریح:۔ (۱) مال و دولت اور حکومت و اقتدار میں لذت و دلکشی پائی جاتی ہے لیکن ہے یہ بالکل عارضی اور فانی، جیسا کہ سبز ترکاری، تازہ پھل فروٹ یا سبزہ زار کی نرمی و نازکی اور شادابی فانی ہے۔

(۲) حکومت اور اقتدار اللہ تعالیٰ کی مقدس امانت ہے وہ حکومت دے کر

تمہیں آزمانا چاہتا ہے کہ تم حاکم بن کر دنیا میں اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہو۔ نماز قائم کرتے ہو، بھلائیوں کا حکم دیتے ہو اور لوگوں کو برائیوں سے روکتے ہو یا اس کی نافرمانی کر کے برائیوں کی سرپرستی کرتے ہو اور نیکیوں کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہوئے فسق و فجور کو مسلط کرنے کی کوشش کرتے ہو۔

(۳) دنیا کی ظاہری چمک دمک سے عام انسانوں کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں یہ ظالم بڑی پُرفریب اور زہد شکن ہے خصوصاً بے خدا تہذیبوں کی یلغار نے اس کی کشش اور رعب میں ہزار گنا اضافہ کر دیا ہے اس کے فتنوں سے بچنے کے لیے بڑے مضبوط ایمان اور بے داغ سیرت کی ضرورت ہے اس کے "جادوئے سامری" کا توڑ صرف "تعلق باللہ کے عصا" سے ہو سکتا ہے۔

(۴) امت مسلمہ کو دنیا کے بعد جس خطرناک فتنہ سے بچنے کا حکم دیا جا رہا ہے وہ ہے عورتوں کا فتنہ جس نے بنی اسرائیل کی کشتی کو الٹ کر رکھ دیا تھا دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ بڑی بڑی ترقی یافتہ اور طاقتور قوموں کے زوال اور شکست میں اس فتنہ کا بڑا ہاتھ رہا ہے مغربی تہذیب کے غلبہ نے اس فتنہ کی حشر سامانیوں کو بام عروج تک پہنچا دیا ہے ریڈیو ٹیلیویژن، سینما مخلوط تعلیم، کلب گھروں اور فحش ادب نے اسے موثر اور عام کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے اس کے مظاہر یہ ہیں۔

۱۔ بے پردگی　　۲۔ عریانی　　۳۔ مرد و زن کا اختلاط

۴۔ گانے اور ناچنے والیوں کی غیر معمولی کثرت، ۵۔ زنا اور بے حیائی کا نہ رکنے والا طوفان۔

عبرت انگیز واقعہ

(۱۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ ثَلٰثَةً فِیْ بَنِیْ اِسْرَاءِیْلَ اَبْرَصَ وَ اَقْرَعَ وَ

أَعْمٰى فَأَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يَّبْتَلِيَهُمْ فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ مَلَكًا فَأَتَى
الْأَبْرَصَ فَقَالَ أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ لَوْنٌ
حَسَنٌ وَجِلْدٌ حَسَنٌ وَيَذْهَبُ عَنِّي الَّذِي قَدْ قَذِرَنِي
النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ قَذَرُهُ وَأُعْطِيَ
لَوْنًا حَسَنًا وَجِلْدًا حَسَنًا قَالَ فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ
إِلَيْكَ قَالَ الْإِبِلُ فَأُعْطِيَ نَاقَةً عُشَرَاءَ فَقَالَ بَارَكَ
اللّٰهُ لَكَ فِيْهَا قَالَ فَأَتَى الْأَقْرَعَ فَقَالَ أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ
إِلَيْكَ فَقَالَ شَعْرٌ حَسَنٌ وَيَذْهَبُ عَنِّي هٰذَا الَّذِي
قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ
قَالَ وَأُعْطِيَ شَعْرًا حَسَنًا قَالَ فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ
قَالَ الْبَقَرُ فَأُعْطِيَ بَقَرَةً حَامِلًا قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ تَعَالٰى
لَكَ فِيْهَا قَالَ فَأَتَى الْأَعْمٰى فَقَالَ أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟
قَالَ أَنْ يَّرُدَّ اللّٰهُ إِلَيَّ بَصَرِي فَأُبْصِرُ بِهِ النَّاسَ قَالَ فَمَسَحَهُ
فَرَدَّ اللّٰهُ إِلَيْهِ بَصَرَهُ قَالَ فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ
الْغَنَمُ فَأُعْطِيَ شَاةً وَالِدًا فَأُنْتِجَ هٰذَانِ وَوَلَّدَ هٰذَا
فَكَانَ لِهٰذَا وَادٍ مِنَ الْإِبِلِ وَلِهٰذَا وَادٍ مِنَ الْبَقَرِ وَلِهٰذَا
وَادٍ مِنَ الْغَنَمِ قَالَ ثُمَّ إِنَّهُ أَتَى الْأَبْرَصَ فِي صُوْرَتِهِ
وَهَيْئَتِهِ فَقَالَ رَجُلٌ مِسْكِيْنٌ قَدِ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ
فِي سَفَرِي فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ إِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ، أَسْأَلُكَ
بِالَّذِي أَعْطَاكَ اللَّوْنَ الْحَسَنَ وَالْجِلْدَ الْحَسَنَ وَالْمَالَ
بَعِيْرًا أَتَبَلَّغُ عَلَيْهِ فِي سَفَرِي فَقَالَ الْحُقُوْقُ كَثِيْرَةٌ فَقَالَ
لَهُ كَأَنِّي أَعْرِفُكَ أَلَمْ تَكُنْ أَبْرَصَ يَقْذَرُكَ النَّاسُ فَقِيْرًا
فَأَعْطَاكَ اللّٰهُ فَقَالَ إِنَّمَا وَرِثْتُ هٰذَا الْمَالَ كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ فَقَالَ

إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللهُ إِلَى مَا كُنْتَ قَالَ وَأَتَى الْأَقْرَعَ
فِي صُورَتِهِ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَ لِهٰذَا وَرَدَّ عَلَيْهِ مِثْلَ
مَا رَدَّ عَلَى هٰذَا فَقَالَ إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللهُ إِلَى
مَا كُنْتَ قَالَ وَأَتَى الْأَعْمَى فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ فَقَالَ
رَجُلٌ مِسْكِينٌ وَابْنُ سَبِيلٍ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِي
سَفَرِي فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ إِلَّا بِاللهِ ثُمَّ بِكَ أَسْأَلُكَ
بِالَّذِي رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ شَاةً أَتَبَلَّغُ بِهَا فِي سَفَرِي
فَقَالَ قَدْ كُنْتُ أَعْمَى فَرَدَّ اللهُ إِلَيَّ بَصَرِي فَخُذْ مَا
شِئْتَ وَدَعْ مَا شِئْتَ فَوَاللهِ لَا أَجْهَدُكَ الْيَوْمَ شَيْئًا
أَخَذْتَهُ لِلّٰهِ فَقَالَ أَمْسِكْ مَالَكَ فَإِنَّمَا ابْتُلِيتُمْ فَقَدْ
رُضِيَ عَنْكَ وَسُخِطَ عَلَى صَاحِبَيْكَ۔

(مسلم کتاب الزھد ۔ بخاری کتاب احادیث الانبیاء)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے
تین افراد ـــ کوڑھی، گنجے اور اندھے ـــ کو آزمانے کا ارادہ کیا ایک
فرشتہ کو ان کی طرف بھیجا (۱) وہ (انسان کی صورت میں سب سے
پہلے) "کوڑھی" کے ہاں آیا اور کہا کونسی چیز تجھے سب سے زیادہ پسند
ہے؟ وہ بولا "خوبصورت رنگ اور (بدن کی) اچھی جلد، مجھے اس مرض
سے نجات مل جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں" فرشتہ نے
اس کے جسم پر اپنے ہاتھ سے مسح کیا تو کوڑھ کی گندگی اور میل کچیل اس سے
دور ہو گئی، اللہ نے اسے نہایت اچھی جلد اور خوبصورت رنگ عطا فرمایا
پھر فرشتہ نے اس سے پوچھا تجھے کونسا مال سب سے زیادہ محبوب
ہے؟ اس نے جواب دیا "اونٹ" اللہ تعالیٰ نے اسے دس ماہ کی حاملہ

اونٹنی عطا کر دی فرشتہ نے اس سے کہا اللہ تعالیٰ تیرے لیے اس میں برکت دے گا (۲) پھر فرشتہ "گنجے" کے ہاں آیا اور اس سے کہا تجھے کونسی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس نے جواب دیا (میرے سر پر) خوبصورت بال (ہوں) اور یہ تکلیف مجھ سے دور ہو جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں فرشتہ نے اس کے سر پر مسح کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے خوبصورت بال عطا کیے اور وہ تکلیف اس سے دور ہو گئی فرشتہ نے اس سے پوچھا تجھے کونسا مال سب سے زیادہ محبوب ہے؟ اس نے جواب دیا "گائے" اللہ تعالیٰ نے اسے ایک حاملہ گائے عطا کی فرشتہ نے اس سے کہا اللہ تعالیٰ تیرے لیے اس میں برکت دے گا (۳) پھر وہ فرشتہ اندھے کے پاس آیا اور کہا کونسی چیز تمہیں سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ مجھے میری بینائی لوٹا دے تاکہ میں اپنے سر کی آنکھوں سے لوگوں کو دیکھ سکوں فرشتہ نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ سے مسح کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی اسے لوٹا دی فرشتہ نے سوال کیا تمہیں کونسا مال سب سے زیادہ محبوب ہے؟ اس نے کہا "بکری" اللہ تعالیٰ نے اسے ایک حاملہ بکری عطا فرما دی۔

پھر ان میں سے ہر شخص اپنے اپنے مویشی کے بچہ جننے کا انتظار اور انتظام کرنے لگا (اللہ تعالیٰ نے ان کے مویشیوں میں بہت برکت دی یہاں تک کہ) پہلے آدمی کے اونٹوں سے وادی بھر گئی اور دوسرے آدمی کی گایوں سے وادی بھر گئی اور تیسرے آدمی کی بکریوں سے وادی بھر گئی۔

(۱) پھر فرشتہ کوڑھی کی صورت اور کیفیت میں سابق کوڑھی کے پاس آیا اور کہا میں غریب آدمی ہوں اور سفر کے دوران میرے رزق کمانے کے سارے اسباب ختم ہو گئے ہیں اب میرا گزارہ نہیں ہو سکتا اِلّا یہ کہ اللہ تعالیٰ کرم نوازی فرمائیں پھر آپ مجھ سے تعاون کریں میں اس خدا کے نام سے، جس نے آپ کو خوبصورت رنگ، اچھی جلد اور یہ مال عطا فرمایا ہے

صرف ایک اونٹ کا سوال کرتا ہوں تاکہ میں سفر میں اپنا گزارہ کر سکوں وہ بولا (لوگوں کے) حقوق (مجھ پر) بہت ہیں (اس لیے میں آپ کو کچھ بھی نہیں دے سکتا) فرشتہ نے اس سے کہا ایسا لگتا ہے کہ میں تجھے پہچانتا ہوں کیا تو ایک مفلس کوڑھی نہیں تھا جس سے لوگ نفرت کرتے تھے؟ پھر اللہ نے تجھے یہ مال عطا کیا اس نے کہا (جی، نہیں) مجھے یہ مال اپنے آباؤ اجداد سے وراثت میں ملا ہے اور یہ جائداد اُن کو بھی نسلاً بعد نسلٍ اپنے بڑوں سے منتقل ہوتی آئی ہے۔

فرشتہ نے کہا اگر تُو جھوٹا ہے تو خدا تجھے تیری پہلی حالت میں لوٹا دے۔

(۲) پھر وہ فرشتہ سابق گنجے کے پاس، اس کی صورت میں گیا، اس کے ساتھ وہی بات کی جو اس نے کوڑھی کے ساتھ کی تھی لیکن گنجے نے بھی کوڑھی کی طرح اسے اللہ کی راہ میں مال دینے سے صاف انکار کر دیا فرشتہ نے اس سے کہا اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے تیری پہلی حالت میں لوٹا دے۔

(۳) پھر وہ فرشتہ مفلس اندھے کی صورت اور کیفیت اختیار کر کے سابق اندھے کے پاس گیا اور کہا میں ایک غریب مسافر ہوں اس سفر میں میرے رزق کے سارے وسائل ختم ہو چکے ہیں اب (میری ناداری کا یہ حال ہے کہ) میں گزارہ نہیں کر سکتا مگر اللہ کی مہربانی سے اور پھر آپ کی اعانت سے، جس اللہ نے تجھے بینائی لوٹا دی ہے اس کے نام سے صرف ایک بکری کا سوال کرتا ہوں تاکہ میں سفر میں اس سے گزارہ چلا سکوں" اس نے جواب دیا" میں اندھا تھا اللہ نے میری بینائی لوٹا دی ہے (اور میں مفلس تھا اللہ نے مجھے غنی کر دیا ہے) جتنی بکریاں لینا چاہتا ہے لے جا اور جتنی بکریوں کو میرے ہاں چھوڑنا چاہے چھوڑ دے، اللہ کی

قسم! آج تُو اللہ کے نام سے جو چیز بھی مجھ سے لے گا میں اس پر تجھے مشقت
میں نہیں ڈالوں گا (یعنی تجھ پر میرے احسان کا بوجھ نہیں ہے) فرشتہ
(جو کہ اندھے مفلس کے پیکر میں نمودار ہو کر سائل بنا ہُوا تھا) نے کہا تو اپنا
مال اپنے پاس رکھ تم تین آدمیوں کو آزمائش میں ڈالا گیا ہے۔

تجھے بارگاہِ خداوندی میں پسند کیا گیا ہے اور تیرے دونوں ساتھیوں
نے اللہ کے غضب کو دعوت دی ہے۔

تشریح:- کچھ عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ظاہر ہُوا۔ اونٹوں اور گائیوں
میں مرض پھوٹ پڑا پہلے دونوں آدمی ساری جائیداد سے ہاتھ دھو بیٹھے اور پھر وہ بیماری
بھی ان پر مسلط ہو گئی جو فرشتہ کے مسح کرنے سے دور ہو گئی تھی یہ حدیث بڑی عبرت
انگیز اور نصیحت آموز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو ضرورت سے زیادہ مال عطا فرمایا ہے وہ یہ نہ
سمجھیں کہ یہ لال پری ہمیشہ ان کے پاس رہے گی اگر یہ دولتِ دنیا کسی کے پاس آ
سکتی ہے" تو یہ اس سے جا بھی سکتی ہے" جو خُدا کسی بندے کو روزی کے وسائل عطا فرما سکتا
ہے وہ اس کو ان وسائل سے محروم بھی کر سکتا ہے

متموّل اور صاحب جائداد آدمی اپنے مال و متاع پر نہ اِترائے۔ اللہ تعالیٰ
کی عطا کردہ نعمتوں کی قدر کرے اور اُس خدا کا شکر ادا کرے جس نے یہ نعمتیں اسے
عطا کی ہیں اور اس بات کا اعتراف کرے کہ یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے مجھے محض اپنے
فضل و کرم سے عنایت فرمائی ہیں۔ میں ذاتی طور پر ان کا مستحق نہ تھا۔ کمزوروں اور
غریبوں کے ساتھ نرمی اور اخلاق سے پیش آئے۔ ان کو حقیر نہ جانے ان کا احترام
کرے اور ان کی اعانت کرے۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات میں کوئی چیز بھی ایسی پیدا نہیں کی ہے جو لغو، بے فائدہ
اور مصلحت سے خالی ہو، ناداروں، معذوروں اور بے سہارا افراد کی تخلیق میں
بہت سی مصلحتیں اور حکمتیں ہوں گی ہمارے خیال میں ان میں سے ایک مصلحت یہ ہے

کہ اللہ تعالیٰ ان کو پیدا کر کے خوشحال اور دولت مند افراد کی آزمائش کرتا ہے۔

بخل کی بیماری، انسان کو سنگدل اور بے رحم بنا دیتی ہے اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ "دولت مند بخیل" اپنی جائداد کو اللہ کی عطا کردہ امانت نہیں سمجھتا بلکہ وہ اسے اپنی قابلیت، ذہانت اور محنت کا ثمرہ قرار دیتا ہے۔ یا اسے آباؤ اجداد سے ورثہ میں آیا ہوا ترکہ سمجھ کر اتراتا پھرتا ہے۔

جب اس سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو وہ غلط بیانی کر کے اپنا دامن چھڑانے کی کوشش کرتا ہے۔

وہ شخص اللہ کی نگاہ میں قابل قدر اور حقیقت پسند ہے جو اپنی دولت کو اللہ کی امانت اور عطیہ سمجھ کر اس کی رضا کے لیے دل کھول کر خرچ کرتا ہے۔

مال کا فتنہ

(۱۹) عَنْ كَعْبِ بْنِ عِيَاضٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اِنَّ لِكُلِّ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ أُمَّتِي الْمَالُ۔

(ترمذی ابواب الزھد)

حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے ہر نبی کی امت، کسی نہ کسی فتنہ میں مبتلا رہی ہے اور میری امت مال و دولت کے فتنہ میں مبتلا ہو گی۔

تشریح:۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بہت بڑا خطرناک فتنہ ہے۔ مالِ دنیا کی کثرت دماغ پر بہت بُرا اثر ڈالتی ہے، اس کی شیرینی بہت لذیذ، اس کی خوشبو مشک و عنبر سے زیادہ روح افزا، اس کا نظارہ بڑا ہی جاذب اور اس کی رعنائی غارت گرِ ہوش و خرد ہے اس کی دلفریب مسکراہٹ سے کوئی صاحب دل ہی بچ کر نکل سکتا ہے اس کے علاوہ یہ آدمی کو بڑی آسانی سے معصیت کے میدان میں دھکیل سکتی ہے۔

اس فتنہ کا علاج یہ ہے کہ مؤمن۔

(۱) حرام اور ناجائز ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی کا ایک پیسہ بھی قبول نہ کرے۔

(۲) اپنی جائداد ناجائز اور غلط کاموں پر نہ لٹائے۔

(۳) اپنی جائداد کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھتے ہوئے اس میں ایک امین کی طرح تصرف کرے۔

(۴) اپنے مال کو زیادہ سے زیادہ اللہ کی راہ میں صرف کرے جو اس مال کا حقیقی مصرف ہے۔

حریص کے مال میں برکت نہیں ہوتی

(۲۰) اِنَّ حَکِیْمَ بْنَ حِزَامٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَانِیْ ثُمَّ سَأَلْتُہٗ فَأَعْطَانِیْ ثُمَّ سَأَلْتُہٗ فَأَعْطَانِیْ ثُمَّ قَالَ یَا حَکِیْمُ اِنَّ ھٰذَا الْمَالَ خَضِرَۃٌ حُلْوَۃٌ فَمَنْ اَخَذَہٗ بِسَخَاوَۃِ نَفْسٍ بُوْرِکَ لَہٗ فِیْہِ وَمَنْ اَخَذَہٗ بِاِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ یُبَارَکْ لَہٗ فِیْہِ وَکَانَ کَالَّذِیْ یَأْکُلُ وَلَا یَشْبَعُ، اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی قَالَ حَکِیْمٌ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ لَا اَرْزَأُ اَحَدًا بَعْدَکَ شَیْئًا حَتّٰی اُفَارِقَ الدُّنْیَا فَکَانَ اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَدْعُوْ حَکِیْمًا اِلَی الْعَطَآءِ فَیَأْبٰی اَنْ یَّقْبَلَہٗ مِنْہُ ثُمَّ اِنَّ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ دَعَاہُ لِیُعْطِیَہٗ فَأَبٰی اَنْ یَّقْبَلَ مِنْہُ شَیْئًا فَقَالَ عُمَرُ اِنِّیْ اُشْھِدُکُمْ یَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ عَلٰی حَکِیْمٍ اِنِّیْ اَعْرِضُ عَلَیْہِ حَقَّہٗ مِنْ ھٰذَا الْفَیْءِ فَیَأْبٰی اَنْ یَّأْخُذَہٗ فَلَمْ یَرْزَأْ حَکِیْمٌ اَحَدًا مِّنَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حَتّٰی تُوُفِّیَ ۔ (بخاری کتاب الزکوٰۃ۔ کتاب الوصایا۔ کتاب الرقاق۔ مسلم کتاب الزکوٰۃ۔ ترمذی ابواب القیامۃ)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ـــــ مالِ غنیمت سے ـــــ مجھے کچھ عنایت فرمائیے آپ نے عطا فرمایا پھر میں نے (دوبارہ یہی) درخواست کی آپ نے قبول فرمائی پھر میں نے (تیسری بار) یہی سوال کیا تو آپ نے کچھ عنایت فرماتے ہی ارشاد فرمایا حکیم! یہ مال بڑا لذیذ اور رنگین ہے جو شخص اسے کشادہ ظرفی اور فیاضی سے لے گا وہ اس میں برکت محسوس کرے گا اور جو شخص اس کے حاصل کرنے میں حرص اور بے تابی کا مظاہرہ کرے گا اس کے مال میں برکت نہ ہوگی اور یہ اس پیٹو کی طرح ہے جو کھاتا تو کھاتا ہے لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے حضرت حکیم رضی اللہ عنہ (جو اس واقعہ کے راوی ہیں) کہتے ہیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس خدا کی قسم، جس نے آپ کو دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے میں آخری دم تک آپ کے بعد کسی سے کچھ نہیں لوں گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (اپنے دورِ خلافت میں) مالِ غنیمت کا حصہ دینے کے لیے انہیں بلاتے لیکن وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے (اپنے دورِ خلافت میں) انہیں حصہ دینے کے لیے بلایا تو وہ نہ مانے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مسلمانو! میں اس سے کہتا ہوں کہ تم مجھ سے اپنا وہ حق وصول کرو، جو اللہ نے مالِ غنیمت سے تمہارے لیے مقرر کیا ہے لیکن یہ نہیں مانتا غرضیکہ حکیم رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی سے کچھ نہیں مانگا یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی۔

تشریح:۔ مال کی محبت انسان کو حریص بنا دیتی ہے وہ زیادہ سے زیادہ مال جمع

کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اسے بار بار گنتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ ہمیشہ اس کے پاس رہے گا اگر وہ سونے کی ایک وادی کا مالک ہو تو رات دن سونے کی دوسری وادی کے لیے سرگردان رہے گا اور اگر وہ سونے کی دو وادیوں کا مالک بن جائے تو آتش حرص اس کو سونے کی تیسری وادی کے حصول کیلئے بے چین کر دے گی۔ یہ حریص اس شخص کی مانند ہے جو جھوٹی بھوک کے مرض میں مبتلا ہوتا ہے بہت سا کھانا کھانے کے باوجود اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور اس کی بھوک ختم نہیں ہوتی۔ لالچ اور بخل، مال و دولت کے پجاری کو زیادہ سے زیادہ جائداد بنانے پر اُکساتا رہتا ہے اس کے حرص و طمع کی کوئی ایسی حد مقرر نہیں ہے جہاں پہنچ کر وہ کہہ دے جی، اب یہ کافی ہے اِلَّا یہ کہ موت کا فرشتہ اسے قبر کی آغوش میں پہنچا دے۔

اس کے برعکس جس کے دل میں مال کی محبت نہ ہو اللہ تعالیٰ اسے سکون اور اطمینان کی نعمت عطا فرماتا ہے اور اس کے مال میں حیرت انگیز برکت دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی کو سننے کے بعد حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے نہ تو پھر کبھی آپؐ سے سوال کیا اور نہ کبھی خلفاء راشدینؓ سے (ان کی پیشکش اور اصرار کے باوجود) مالِ غنیمت میں سے اپنا حصہ لینا پسند کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مال میں ایسی برکت دی کہ وہ اپنی وفات کے وقت قریش کے سب سے زیادہ مالدار آدمی تھے۔

دُنیا کا غم

۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتِ الْاٰخِرَةُ هَمَّهُ جَعَلَ اللّٰهُ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهٖ وَجَمَعَ لَهُ شَمْلَهُ وَاَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ وَمَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ جَعَلَ اللّٰهُ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَفَرَّقَ عَلَيْهِ شَمْلَهُ وَلَمْ يَأْتِهٖ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا مَا قُدِّرَ لَهُ۔

(ترمذی عن انس بن مالک ابواب صفۃ القیامۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (۱) جسے سب سے زیادہ فکر آخرت کی ہو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے اور اس کے اُلجھے ہوئے کاموں کو سُلجھا کر اس کے دل کو تسکین دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل و خوار ہو کر آتی ہے (یعنی دنیا کا مال و متاع جو اس کی قسمت میں لکھا ہے بغیر کسی شدید مشقت کے آسانی سے اس کے پاس پہنچ جاتا ہے) (۲) اور جو شخص دنیا کے عیش پر مر مٹنے کا فیصلہ کر چکا ہو اللہ تعالیٰ اس پر محتاجی کو مسلط کر دیتا ہے (یعنی وہ محسوس کرتا ہے کہ میں لوگوں کا محتاج ہوں) اور اللہ تعالیٰ اس کے سلجھے ہوئے معاملات کو پراگندہ کر کے اُلجھا دیتا ہے) اس لیے وہ سکونِ قلب کی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے) اور دُنیا کا رزق (زیادہ نہیں بلکہ) اسے صرف اتنا ہی ملتا ہے جتنا اس کے مقدر میں ہوتا ہے۔

تشریح: "اللہ تعالیٰ اس پر محتاجی کو مسلط کر دیتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ دولتمند ہونے کے باوجود ہر وقت اپنی غریبی اور مفلسی کا رونا روتا رہتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس کے معاشی حالات سخت ناسازگار ہیں اور وہ بے زری کے دوزخ میں جل رہا ہے دنیا کا حرص اس سے سکونِ قلب کی نعمت چھین لیتا ہے۔

اپنے سے زیادہ مالدار لوگوں کو دیکھ کر تنگدستی کا تصور اس کے دل کو گھٹن میں مبتلا کر دیتا ہے۔

دولتمندی کا معیار

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْغِنٰی عَنْ کَثْرَۃِ الْعَرَضِ وَلٰکِنَّ الْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ۔

(بخاری عن ابی ہریرۃ کتاب الرقاق مسلم کتاب الزکوٰۃ ترمذی ابواب الزھد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کے اسباب اور ساماں زیست کی کثرت کا نام دولت مندی نہیں ہے اصل دولت مندی تو دل کی بے نیازی اور غنا ہے۔

تشریح :- ایسے صاحب جائداد اور امیر کبیر کو "غنی" نہیں کہنا چاہیے جو بے چارہ اس مال کے باوجود ھَلْ مِنْ مَّزِیْد کا نعرہ لگا رہا ہے وہ "غنی" نہیں دنیا کا "فقیر" ہے۔ فی الواقع غنی تو وہ ہے جس کے دل میں دنیا کی محبت اور حرص نہ ہو جس کے پہلو میں۔

دلے از ہر دو عالم بے نیاز ے

ہو، دنیا کا کوئی لالچ اور خوف اسے راہ حق سے نہ ہٹا سکتا ہو۔ "غنا" کی نشانی یہ ہے کہ "دل کا غنی" اسباب حیات پر نہ تو اتراتا ہے اور نہ اس کے فقدان پر ملول ہوتا ہے مال و دولت کے ڈھیروں پر نگاہِ غلط انداز بھی نہیں ڈالتا۔ تنگدستوں اور غریبوں کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا اور نہ انہیں دھتکارتا ہے بلکہ اُن سے ہمدردی اور محبت کرتا ہے۔ بڑی بڑی سلطنتوں اور باجبروت حکمرانوں کی کوئی وقعت اس کی نگاہ میں نہیں ہوتی اپنی بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ خاقانِ چین کے تخت کو مجھے اپنے غسل خانہ کی چوکی بنانے میں بھی تامل ہے۔

دُنیا میں عقلمند کا کردار

(۲۳) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ وَمَعْنٰى قَوْلِهٖ "دَانَ نَفْسَهٗ" يَقُوْلُ يُحَاسِبُ نَفْسَهٗ فِي الدُّنْيَا قَبْلَ اَنْ يُّحَاسَبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيُرْوٰى عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ حَاسِبُوْا اَنْفُسَكُمْ

قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا وَتَزَيَّنُوْا لِلْعَرْضِ الْاَكْبَرِ وَاِنَّمَا يَخِفُّ الْحِسَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى مَنْ حَاسَبَ نَفْسَهٗ فِي الدُّنْيَا۔ (ترمذی عن شداد بن اوس ابواب صفۃ القیامۃ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دانا وہ ہے جو اپنے نفس کو اللہ کی فرمانبرداری پر مجبور کر دے (اسے برے کاموں سے روکتا رہے اور اس کی نگرانی کرے) اور اپنی آخرت کی فلاح کے لیے کام کرے (ایسے کام کرے جو مرنے کے بعد اس کے کام آئیں) کمزور وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہشوں کا غلام بن جائے اور اللہ سے یہ توقع رکھے کہ وہ اس سے احتساب نہ کرے گا۔ اپنے نفس کو اللہ کی فرمانبرداری پر مجبور کر دے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنے نفس کا احتساب کرتا رہے قبل اس کے کہ قیامت کے دن اس کا محاسبہ کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

تم آخرت کے احتساب سے پہلے اپنا محاسبہ کر لو اور (اللہ کی عدالت میں) سب سے بڑی پیشی کے لیے تیاری کر لو جس نے دنیا میں اپنے نفس کا احتساب کیا قیامت کے دن اس سے محاسبہ میں نرمی برتی جائے گی۔

تشریح:۔ (۱) "اللہ سے یہ توقع رکھے کہ وہ اس سے احتساب نہ کرے گا" اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کی بغاوت اور مسلسل نافرمانی کے باوجود اپنے آپ کو جنت کا مستحق سمجھے، وہ نہ تو اللہ سے اپنی مغفرت کے لیے درخواست کرے اور نہ اس کی طرف رجوع کرے اور نہ اپنے طرز عمل کی اصلاح کرے لیکن اس کے باوجود وہ اس زعم میں مبتلا ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے گا۔

(۲) اس سے بڑھ کر ہشیار اور دانا کون ہو سکتا ہے جو دنیا کی چند روزہ زندگی میں اللہ تعالیٰ کے قانون کی پیروی کر کے آخرت کی ابدی زندگی کی نعمتوں

اور راحتوں سے اپنا دامن بھر لے اور اس آدمی کے ناسمجھ اور ضعیف العقل ہونے میں کیا شبہ ہے جو خواہشاتِ نفس کی غلامی کا طوق پہن کر طرح طرح کی خوش فہمیوں میں مبتلا ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ چند ٹکوں کی خیرات یا کسی بزرگ کے دامن سے وابستگی یا خاندانی نسبت اسے آخرت کی سزا سے بچا لے گی یا وہ چند چھوٹی چھوٹی نیکیاں کر کے زندگی بھر کے سیاہ کارناموں کے نتیجہ سے بچ نکلے گا۔

(۳) جو لوگ آخرت کو فراموش کر کے دنیا میں اپنے نفس کی بندگی میں مستغرق ہو جاتے ہیں وہ حضرت عُتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کی تقریر کے اس اقتباس پر غور کریں۔ "دُنیا نے اپنے خاتمے کا اعلان کر دیا ہے (اس کا آخری وقت قریب آگیا ہے) اور بڑی تیزی سے پیٹھ پھیر لی ہے اب دنیا کا بس اتنا ہی حصہ باقی رہ گیا ہے جتنا برتن میں کچھ پانی نیچے رہ جاتا ہے اور اس کا مالک اس بچے کھچے پانی کو پی لیتا ہے۔

(اللہ کے بندو!) تم اس "جہانِ بے وفا" کو چھوڑ کر ایک ایسے مکان (آخرت) کی طرف جانے والے ہو جو زوال سے آشنا نہیں (غفلت کا پردہ چاک کر دو اور) وہاں اچھا سرمایہ لے کر پہنچو" (مسلم کتاب الزھد) اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی عمر کا بیشتر حصہ ختم ہو چکا ہے اب یہ اپنی عمر کے آخری دور سے گزر رہی ہے پوری نسلِ انسانی، آخرت کے لافانی جہان میں منتقل ہونے والی ہے وہاں صرف نیکیوں کا سرمایہ کام آئیگا۔

آخرت کی کامیابی کا انحصار

(۲۴) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّھَوَاتِ وَحُجِبَتِ الْجَنَّۃُ بِالْمَکَارِہِ۔

(بخاری عن ابی ہریرۃ کتاب الرقاق مسلم کتاب الجنۃ۔ ترمذی ابواب الجنۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم کو مرغوباتِ نفس سے ڈھانپ دیا گیا ہے اور بہشت کو ناگوار امور سے۔

تشریح:- دنیا میں زندگی بسر کرنے کے صرف دو ہی طریقے پائے جاتے ہیں۔

(۱) اللہ اور اس کے رسولؐ کی شریعت سے بے نیاز ہو کر زندگی بسر کرنا، انسانی نفس یہی کچھ چاہتا ہے جو لوگ بے لگام ہو کر زندگی بسر کرتے ہیں وہ خدا اور رسولؐ کی اطاعت کا قلادہ اپنی گردن میں نہیں ڈالتے اس چیز کو "شہوات" (مرغوبات نفس) سے تعبیر کیا گیا ہے مثلاً شراب پینا، زنا کرنا، غیبت کرنا، جھوٹ بولنا، بہتان باندھنا وعدہ خلافی کرنا، رشوت خوری، سود کا لین دین ظلم اور خیانت کرنا نفس کی یہ خواہشیں قیامت کے دن، آگ کا روپ دھار لیں گی۔

(۲) زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرنا، اس پابندی کو نفس بہت ہی ناگوار محسوس کرتا ہے جو لوگ اللہ کی بندگی اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، وہ نفس کے کسی فتنہ کا شکار نہیں ہوتے مثلاً وہ غصہ کو پی جاتے ہیں۔ خطا معاف کر دیتے ہیں گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں اللہ کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں پانچ وقتوں کی نماز پابندی سے ادا کرتے ہیں روزہ رکھتے ہیں، حج کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ صدقہ، خیرات کرتے ہیں یہ چیزیں نفس پر بہت بوجھ ہوتی ہیں چنانچہ اس کو "مکارہ" (ناگوار امور) سے تعبیر کیا گیا ہے قیامت کے دن یہ نیکیاں بہشت کی شکل میں نمودار ہوں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ مرغوباتِ نفس میں غرق ہو کر دوزخ میں جانے کی کوشش نہ کرو۔ اور نیکی کی راہ پر (اگرچہ اس راہ پر چلنا نفس کو بہت ہی ناگوار محسوس ہوتا ہے) چل کر بہشت کے وارث بنو۔

دین میں بگاڑ کے دو اسباب

(۲۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِي غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَ الشَّرَفِ لِدِيْنِهٖ (مشکوٰۃ عن کعب بن مالک کتاب الرقاق بحوالہ ترمذی والدارمی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دو بھوکے بھیڑیئے جنہیں بکریوں کو پھاڑ کھانے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہو (اپنا پیٹ بھرنے کے لیے اگرچہ وہ بکریوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں لیکن) اس شخص کی طرح تباہی نہیں مچاتے جو (۱) مال جمع کرنے اور (۲) جاہ و مرتبہ حاصل کرنے کی حرص میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اپنے دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیتا ہے۔

تشریح:۔ اگر دو بھوکے بھیڑیوں کو بکریوں کے ریوڑ میں کھلا چھوڑ دیا جائے تو وہ انہیں پھاڑ کھانے میں کوئی کسر اٹھا کر نہ رکھیں گے لیکن اخلاق کے دو خطرناک بھیڑیوں۔

(۱) مال جمع کرنے کی حرص اور

(۲) جاہ و مرتبہ حاصل کرنے کے جنون

کی تباہ کاریاں اُن سے زیادہ نقصان دہ ہیں۔ جس شخص کی زندگی کا مقصد یہ ہو کہ وہ زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھی کرے اور دنیا میں عزت و برتری حاصل کرے وہ نہ صرف یہ کہ دین کی حقیقت سے واقف نہیں ہے بلکہ وہ اپنے رویہ سے دین کا تیا پانچہ کر رہا ہے کیونکہ وہ دولت حاصل کرنے کے لیے حرام و حلال کی تمیز کا قائل نہیں ہوتا وہ کمزور اور بے نوا لوگوں کی جائداد کو ہڑپ کرنے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہیں کرتا غرضیکہ دولتمند بننے کے شوق میں وہ اپنی صلاحیت اور استطاعت کے مطابق بہت سے انسانوں کے حقوق پامال کرتا ہے اور ان کو افلاس سے دوچار کر کے اپنے "قارونی ذوق" کی تسکین کرتا رہتا ہے اسی طرح معزز بننے، "شریف" کہلوانے اور اپنی جاہ و برتری کا سکّہ منوانے کے لیے جہاں تک اس کے بس میں ہو لوگوں کی تذلیل کرتا ہے ان کی جان و مال اور عزت و آبرو سے کھیلتا ہے اور اپنے جھُوٹے وقار کو برقرار رکھنے کے لیے خلقِ خدا کو تنگ اور پریشان کرتا ہے جس شخص میں یہ دونوں اخلاقی بیماریاں پائی جائیں وہ اور تو سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن حقیقی دیندار نہیں ہو سکتا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنے دین میں بگاڑ پیدا کرنا نہیں چاہتے تو ان دو اخلاقی خرابیوں سے بچ کر رہو جو دو بھوکے بھیڑیوں سے زیادہ نقصان رساں اور خطرناک ہیں

دنیا میں غرق نہ ہو جاؤ

(۲۶) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَتَّخِذُوا الضَّیْعَۃَ فَتَرْغَبُوْا فِی الدُّنْیَا۔ (ترمذی عن ابن مسعود ابواب الزھد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دنیا کو اس طرح حاصل نہ کرو کہ اس میں منہمک ہو جاؤ۔

تشریح:۔ عربی میں "ضَیْعَۃ" حسب ذیل معنوں میں آتا ہے۔

۱۔ غیر منقولہ جائداد مثلاً باغ، زمین، مکان

۲۔ تجارت

۳۔ فن اور پیشہ

شریعت نے باغبانی اور زمینداری، تجارت، صنعت، مکان بنانے اور حلال پیشے سے منع نہیں کیا ہے۔ البتہ ان میں منہمک ہونے اور بے حد مشغول ہونے سے روکا ہے کیونکہ ان چیزوں کی محبت میں گرفتار ہو کر آدمی اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے اور دنیا کی دلفریب بہاروں میں کھو جاتا ہے دنیا کے ان دھندوں کو اس طرح انجام دینا چاہیئے کہ عاقبت سنورے۔ حسب ضرورت سامانِ زیست مہیا کرنا، اس سے فائدہ اٹھانا ممنوع نہیں ہے بلکہ جائز ذرائع سے رزق کمانا تاکہ انسان باعزت طریقہ سے اپنی ضروریات کا کفیل ہو سکے "عبادت" ہے یہاں جس طرز عمل سے روکا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ انسان "امیر کبیر" بننے کے جنون میں زیادہ سے زیادہ دنیا کے ساز و سامان — فرنیچر، برتن، کپڑے وغیرہ — اور کاروبار کے منصوبے بنائے سامان تعیش پر بے دریغ روپیہ لگا دے عالیشان کوٹھیاں اور بلڈنگیں بناتا

چلا جائے۔ دولت مند بننے کے شوق میں انسان دنیا کی رنگین بہاروں میں غرق ہو جاتا ہے پھر اسے اس حقیقت کا تو شعور ہی نہیں رہتا کہ

"وہ اللہ کا بندہ ہے اور مرنے کے بعد اسے اللہ کی بارگاہ عدل میں جوابدہی کے لیے حاضر ہونا ہے" عام مشاہدہ ہے کہ دنیا سے محبت کرنے والا تعلق باللہ سے محروم ہوتا ہے ان دونوں میں سے صرف ایک کا انتخاب کرنا پڑتا ہے اور یہی حقیقی آزمائش ہے۔

سب سے بُرا آدمی

(۲۷) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْزِلَۃً عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَبْدٌ اَذْھَبَ اٰخِرَتَہٗ بِدُنْیَا غَیْرِہٖ (مشکوٰۃ عن ابی امامہ کتاب الآداب باب الظلم بحوالہ ابن ماجہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ برا آدمی وہ ہے جو دوسرے کی دنیا بنانے کے لیے اپنی آخرت برباد کر دے۔

تشریح:۔ بعض لوگ دوستی، رشتہ داری یا دنیاوی مفاد کے لالچ میں کسی ظالم کی حمایت کر کے اسے دنیا میں فائدہ پہنچاتے ہیں لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ اس سے ان کی اپنی عاقبت خراب ہو گی جو شخص ظالم کی اعانت کرتا ہے اور اس کے ہاتھ مضبوط کرتا ہے وہ اپنی خوشامدانہ پالیسی سے چاہے اس بدکردار کی دنیا سنوار دے لیکن آخرت میں یہ روسیاہ، بہت رسوا ہو گا اور اس کا شمار بدترین انسانوں میں ہو گا۔

زندگی کے پانچ اُصول

(۲۸) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

مَنْ يَأْخُذُ عَنِّيْ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فَيَعْمَلُ بِهِنَّ اَوْ يُعَلِّمُ مَنْ يَّعْمَلُ بِهِنَّ؟ فَقُلْتُ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ فَأَخَذَ بِيَدِيْ فَعَدَّ خَمْسًا فَقَالَ: اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ، وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ اَغْنَى النَّاسِ، وَاَحْسِنْ اِلٰى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا، وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا، وَلَا تُكْثِرِ الضِّحْكَ فَاِنَّ كَثْرَةَ الضِّحْكِ تُمِيْتُ الْقَلْبَ۔ (مشکوٰۃ کتاب الرقاق بحوالہ احمد و ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ کون ہے جو مجھ سے یہ باتیں لے کر ان پر عمل کرے یا ایسے آدمی کو بتائے جو اس پر عمل کرے میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم میں تیار ہوں آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور پانچ باتوں کو گنا۔ آپؐ نے فرمایا:-

۱- حرام سے پرہیز کر تُو سب سے زیادہ عابد ہوگا۔

۲- اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تیری قسمت میں لکھا ہے، اس پر راضی اور مطمئن ہو تُو سب سے زیادہ غنی ہوگا۔

۳- اپنے پڑوسی سے نیک سلوک کر تُو مؤمن ہوگا۔

۴- تُو لوگوں کے لیے وہ روبہ پسند کر جو تجھے اپنی ذات کے لیے پسند ہے تُو مسلمان ہوگا۔

۵- زیادہ نہ ہنس، اس سے دل مُردہ ہوتا ہے۔

تشریح:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بسر کرنے کے پانچ نہایت اہم اور جامع اصول بتا کر ان پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے والے اگر ان پر عمل کریں تو معاشرہ ہر طرح کی خرابیوں سے پاک ہو سکتا ہے۔

۱- حرام سے بچتے رہو تو سب سے زیادہ عابد ہوگے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ (۱) شرک (۲) ماں باپ کی نافرمانی (۳) قتل (۴) شراب (۵) جوا (۶) زنا (۷) یتیم کا مال کھانا (۸) کھلی اور چھپی بے حیائی (۹) سود (۱۰) ظلم (۱۱) ماپ تول میں خیانت سے اجتناب کرنا بہت بڑی عبادت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حرام قرار دیا ہے اس سے "عبادت" کے وسیع تصور پر روشنی پڑتی ہے جو شخص ان حرام کاموں سے اجتناب کرتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ عابد ہے بلکہ سب سے زیادہ عابد ہے + آدمی ان مرغوبات نفس سے پرہیز نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ اپنے نفس سے جہاد کر کے اسے مغلوب نہ کر لے۔ اور یہ خاصا مشقت طلب کام ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ ہر انسان کا خالق ہے اور رازق بھی ہے وہ اپنے علم اور حکمت کی رو سے ہر شخص کو جتنا رزق دینا ہوتا ہے دیتا ہے اور یہ رزق اسے لازماً مل کر رہتا ہے کوئی مائی کا لال نہ تو اسے اس سے محروم کر سکتا ہے اور نہ اس میں اضافہ کر سکتا ہے جو شخص اس عقیدے کو مان کر اس پر مطمئن ہو جائے اس کے دل میں غنا پیدا ہو جاتا ہے وہ اپنی صلاحیت اور وسائل کے مطابق معاش کے لیے کوشش تو کرتا ہے لیکن حرص اور حسد کی آگ میں نہیں جلتا۔ اس کی زندگی بڑی پرسکون ہوتی ہے۔

۳۔ اپنے پڑوسی سے نیک سلوک کر تو مؤمن ہو گا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو وہ مؤمن ہی نہیں ہے یعنی اگر مؤمن بن کر رہنا ہو تو پھر اپنے پڑوسی سے نیک سلوک کرو۔

۴۔ کسی شخص کی جان، مال اور آبرو پر ہاتھ اور زبان سے حملہ نہ کرو جیسے تم چاہتے ہو کہ کوئی شخص تمہاری جان، مال اور آبرو پر ہاتھ اور زبان سے حملہ نہ کرے۔

۵۔ دل اللہ کی یاد سے زندہ ہوتا ہے۔ زیادہ ہنسنے سے غفلت طاری ہو جاتی ہے اور اسی کا نام موت ہے۔

پانچ حالتوں کو غنیمت جانیے

(۲۹) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ وَھُوَ یَعِظُہٗ اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ ھَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سُقْمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَیَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ۔

(مشکوٰۃ عن عمرو بن میمون بحوالہ ترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، پانچ حالتوں سے پہلے تُو ان پانچ نعمتوں کو غنیمت جان (اور ان سے فائدہ اٹھا)

۱۔ بڑھاپے سے پہلے اپنی جوانی کو

۲۔ بیماری سے پہلے اپنی صحت کو

۳۔ تنگدستی سے پہلے خوشحالی کو

۴۔ مشغول ہونے سے پہلے فرصت کو

۵۔ موت سے پہلے زندگی کو

تشریح:۔ دنیا کی زندگی اور نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور امتحان کی غرض سے عنایت فرمائی گئی ہیں۔ اگر انسان اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو اپنے آقا اور مالک کی مرضی کے مطابق عمل میں لائے اور ہر معاملہ میں اپنے مالک کی رضا کو مقدم رکھے تو اس کارگاہ امتحان میں سرخرو ہو سکتا ہے "غنیمت جان" کا مطلب یہ ہے کہ انہیں ضائع نہ کر، ان کی قدر پہچان، بڑھاپے کا انتظار نہ کر بلکہ جوانی کی بہاروں میں خدا کا بندہ بن کر رہ، اس کی اطاعت کر، غلط راہ پر نہ بھٹکتا پھر، تندرستی ہزار نعمت ہے اور آخرت کا زادِ راہ جمع کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بیماری کا بے رحم ہاتھ تیری قوت عمل کو مفلوج کر کے رکھ دے اور جب تُو خدا کے ہاں پہنچے تو کفِ افسوس

ملتا رہے، اس کوتاہی پر کہ صحت اور طاقت کے لمحات میں اپنے رب کو راضی نہ کر سکا، جوانی اور صحت بخشنے والے خدا کی زمین پر رہ کر اس کی نافرمانی اور بغاوت پر کمر بستہ ہو جانا نمک حرامی نہیں تو کیا ہے ؟ اگر اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے تجھے نوازے تو اس کو یاد کر، غفلت کا پردہ چاک کر دے تاکہ تیرا دل خدا کے نور سے روشن ہو جائے، ہو سکتا ہے کہ زندگی کی بے پناہ مصروفیت تیرا دامن پکڑ لے، ہاں، دیکھ! اگر تو غنی اور دولتمند ہے تو اللہ تعالیٰ کی اس بخشی ہوئی نعمت پر تُو اس کا شکر ادا کر، غریب رشتہ داروں، نادار پڑوسیوں اور تنگدستوں کی مدد کر، اقامتِ دین کے لیے مال خرچ کرنا تیری خوش بختی ہے، زندگی بذاتِ خود "امتحان" کا ایک پرچہ ہے نہایت ہوشیاری اور احتیاط سے اسے حل کرنے کی کوشش کر، اس کے ہر سوال کا جواب تجھے قرآنی تعلیمات اور نبوی تشریحات کی روشنی میں لکھنا ہوگا۔ غلط کاری اور کھیل کود میں زندگی برباد نہ کر، جب موت کی گھنٹی بجے گی تو اس امتحان کے کمرے ـــــ دنیا ـــــ سے نکلنا ہی پڑے گا خواہ تُو نے کسی سوال کا جواب لکھا ہو یا نہ لکھا ہو۔

اللہ کا محبوب کون ہے

(۳۰) جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ اِذَا اَنَا عَمِلْتُهٗ اَحَبَّنِیَ اللّٰهُ وَاَحَبَّنِیَ النَّاسُ ؟ قَالَ اِزْهَدْ فِی الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِيْمَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبَّكَ النَّاسُ (مشکوٰۃ عن سہل بن سعد کتاب الرقاق بحوالہ ابن ماجہ)

ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے ایسا کام بتائیے جب میں اسے کر ڈالوں تو اللہ مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں آپؐ نے فرمایا تو دنیا میں رغبت نہ کر اللہ تجھ سے محبت کرے گا لوگوں کے مال و متاع سے بے نیاز ہو جا، ان سے طمع نہ

رکھ، وہ تجھ سے پیار کریں گے۔

تشریح:۔ "دنیا سے رغبت نہ کر" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی ضروریاتِ زندگی کی فراہمی اور رزقِ حلال کمانے کے لیے عالمِ اسباب کے تحت جدوجہد نہ کرے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ دولت جمع نہ کرنے اور عیش وتنعم کی زندگی کو نصب العین نہ بنائے۔ اپنے معیارِ زندگی کو اونچا کرنے سے زیادہ اپنا معیارِ اخلاق بلند کرنے کے لیے زور لگائے۔

جو شخص ہر وقت اللہ کی اطاعت کرے، اس کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے جان کھپائے اس کے دین کو غالب کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دے حصولِ معاش کے لیے کوشش کرے مگر دنیا کمانے کو اپنا نصب العین نہ بنائے وہ اللہ کا محبوب ہے اللہ اس سے محبت کرتا ہے۔ اس بات کو قرآن کریم نے اس اسلوب میں بیان کیا ہے "زندگی کے ہر شعبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے سے تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے"، جو شخص زندگی کے ہر معاملہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلتا ہے وہ دنیا کے عشق میں مبتلا نہیں ہوسکتا اور نہ اس کے دل میں مال و دولت کی محبت ہوسکتی ہے۔

لوگوں کے مال ومتاع سے بے نیاز ہونے اور ان سے طمع نہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کسی شخص سے عطیہ اور اعانت کی توقع رکھے نہ کسی سے حسد کرے بلکہ اپنے سے زیادہ خوشحال آدمی پر رشک بھی نہ کرے صرف اپنے وسائل اور ذرائع پر انحصار اور قناعت کرے، لوگوں کو اپنی دولت اور جائداد کے متعلق اس طرح کے انسان سے کسی خطرہ کا امکان نظر نہیں آتا اس لیے وہ اس سے محبت اور احترام کا برتاؤ کرتے ہیں۔

یہ مال کس کا ہے

(۳۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْعَبْدُ مَالِیْ

مَالِیْ وَاِنَّ مَالَہٗ مِنْ مَالِہٖ مَا اَکَلَ فَاَفْنٰی اَوْ لَبِسَ فَاَبْلٰی اَوْ اَعْطٰی فَاقْتَنٰی وَمَا سِوٰی ـــ ذٰلِکَ فَھُوَ ذَاھِبٌ وَتَارِکُہٗ لِلنَّاسِ۔ (مسلم عن ابی ہریرۃ، کتاب الزہد، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ کہتا ہے میرا مال اتنا ہے ایسا ہے حالانکہ وہ اپنے مال سے صرف تین فائدے حاصل کرتا ہے۔ (۱) اسے کھا کر ختم کر دیا۔ (۲) پہن کر پرانا کر دیا (۳) اللہ کی راہ میں دے کر آگے بھیج دیا۔ اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ (مرنے کے بعد) اسے لوگوں کے لیے چھوڑ کر چلا جائے گا۔

تشریح:۔ اے غافل انسان! تو جس دنیا کے عشق میں پیچ و تاب کھا رہا ہے اس کی حقیقت پر ذرا غور کر! اور جسے حاصل کرنے کے لیے تو اپنی جان پر کھیل جانے سے بھی نہیں چوکتا، اس کی بے وفائی اور زوال پذیری بھی دیکھ! ہاں تو نے خوب کمائی کی، دنیا سمیٹی، مال و دولت کا انبار تیرے قبضہ میں ہے اس کا ایک حصہ تو تیری خوراک، لباس اور ضروریات کی نذر ہو گیا۔ مرنے کے بعد تیری ساری جائداد سے وارث ہی فائدہ اٹھائیں گے کیونکہ متوفی کی جائداد اس کے وارثوں میں تقسیم کر دی جاتی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ تیرے پاس جو مال ہے اس کا مالک اللہ ہے اس نے عارضی طور پر یہ مال تیرے تصرف میں دے کر تجھے آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ یہ مال نہ ہمیشہ کسی کے پاس رہا ہے اور نہ کبھی رہے گا تو جس مال کا مالک بنا پھرتا ہے یہ تجھ سے پہلے کسی اور کے تصرف میں تھا اب یہ تیرے قبضہ میں ہے ایک وقت آنے والا ہے جب یہ تیرے پاس نہ رہے گا بلکہ کسی دوسرے کے تصرف میں آجائے گا۔

ہاں، خدا کی راہ میں جو کچھ تو نے دیا وہ تیرے کھاتے میں جمع ہو رہا ہے۔ غریب رشتہ داروں، یتیموں، محتاجوں، معذوروں اور بیواؤں کی مدد کر کے تو نے ایک بہت بڑا خزانہ اپنے قبضہ میں کر لیا جو آخرت کی زندگی میں تیرا استقبال کرے گا۔ دین کی سربلندی، اسلام کے غلبہ اور راہِ حق کے سپاہیوں پر خرچ ہونے والی دولت پر

تجھے مطمئن ہونا چاہیے کہ رائیگاں نہیں گئی بلکہ قابل صد رشک ہے تیرا یہ رویہ کہ تو نے اپنی یہ دولت ایک ایسے خدائی بینک میں جمع کرادی ہے جس کا نفع سات سو گنا تک ہوسکتا ہے۔ یہ روایت صاف طور پر بتاتی ہے کہ انسان کی اصل جائداد وہی ہے جو اس نے اللہ کی راہ میں دی۔

باب دوم

ایک دن مرنا ہے

موت کی تمنا کرنا

(۳۲) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَتَمَنّٰی اَحَدُکُمُ الْمَوْتَ اِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّہٗ یَزْدَادُ وَاِمَّا مُسِیْئًا فَلَعَلَّہٗ یَسْتَعْتِبُ (بخاری عن ابی ہریرۃ - کتاب المرضیٰ - کتاب التمنی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے (کیونکہ) اگر وہ نیکوکار ہے تو نیکی کے میدان میں اس کے بڑھنے کی توقع ہے اور اگر بدکار ہے تو شاید توبہ کرکے اللہ کو راضی کرلے۔

تشریح:۔ خدا کا وفادار بندہ اپنے آقا اور مالک کی محبت اور اطاعت سے غافل نہیں ہوتا۔ اس لیے دنیا میں زیادہ عرصہ تک اس کا بقید حیات رہنا اس کی اخروی جائداد میں اضافہ اور ترقی کا موجب ہے علاوہ ازیں وہ معاشرے میں برائیوں کو روکنے اور نیکیوں کو رواج دینے کی کوشش کرکے بھلائی اور اطمینان کی دولت کمائے گا۔ گناہوں کے سایہ میں زندگی بسر کرنے والے انسان سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ شاید اس کے دل کا نازک آبگینہ کسی وقت گناہوں کے پتھر سے ٹکرا کر اللہ کی طرف رجوع کرلے اور اسے بارگاہِ خداوندی میں اشک ندامت بہانے کی توفیق مل جائے اور وہ اپنی غلط کاریوں کو چھوڑ کر روٹھے ہوئے مالک کو منانے میں کامیاب ہوجائے اس لیے موت کی آرزو کرنے سے روک دیا گیا ہے کیونکہ مرنے کے بعد کسی صالح آدمی کو نیکی کرنے کی توفیق ملتی ہے نہ کسی مجرم اور گناہ گار کی توبہ کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

(۳۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَتَمَنَّیَنَّ اَحَدُکُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ نَزَلَ بِہٖ فَاِنْ کَانَ لَابُدَّ مُتَمَنِّیًا لِلْمَوْتِ فَلْیَقُلْ: اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مَا کَانَتِ الْحَیٰوۃُ

خَيْرًا لِّي وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّي۔

(بخاری عن انس، کتاب الدعوات، کتاب المرضیٰ، مسلم: کتاب الذکر والدعاء۔ ترمذی، ابواب الجنائز، ابوداؤد: کتاب الجنائز)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مصیبت سے گھبرا کر کسی کو موت کی آرزو نہ کرنی چاہیے۔ اگر یہ بالکل ناگزیر ہو تو پھر یوں کہے اے اللہ! جب تک جینا میرے لیے فائدہ مند ہو تو مجھے زندہ رکھ اور جب مرنے میں میری بھلائی ہو تو پھر مجھے موت کی آغوش میں پناہ دے۔

تشریح:۔ "اسلام" نے مرنے کی آرزو کو پسند نہیں کیا۔ دنیا کی ہر مصیبت اور تکلیف کا نہایت پامردی سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ اسلام کی حدود میں رہتے ہوئے تنگدستی، فقر و فاقہ، بیماری اور اس طرح کی کسی مصیبت کو دور کرنے کے لیے کوشش کرنا ایمان کے منافی نہیں ہے لیکن اپنی حد تک کوشش کے باوجود اگر کسی بلا سے نجات مل رہی ہو تو پھر صبر اور حوصلہ سے کام لینا ایمان کا تقاضا ہے۔ ہاں اگر کوئی ایسی خطرناک مصیبت دامنگیر ہو جس کا برداشت کرنا طاقت سے باہر ہو تو اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ کے ساتھ درخواست کر سکتا ہے جس کی تلقین اس حدیث میں کی گئی ہے۔ مذکورہ بالا دعا میں اللہ تعالیٰ سے بھلائی کی استدعاء ہے۔ اضطراب اور بے چینی کے تاریک صحرا میں رحمان کی نگاہِ خیر ہی اپنے عاجز بندوں کی مشکل کشائی کر سکتی ہے۔ پریشان حال بندہ یہ فیصلہ ہی نہیں کر سکتا کہ بلائے جان آفت سے گلو خلاصی کی سبیل کیا ہے؟ اس لیے خیر کی درخواست کرتا ہے کہ وہ مرنے میں ہے یا زندگی کے سایہ میں؟ یہ معاملہ اس کے سپرد کرنا چاہیے جو خیر کا تنہا مالک ہے۔

موت کو یاد کرو

(۳۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْثِرُوْا ذِکْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ

(ترمذی عن ابی ہریرۃ، ابواب الزھد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ـــــ لذتوں کو کاٹنے والی کو بہت یاد کرو۔

تشریح:۔ یہ بات تمہارے ذہن سے اوجھل نہ ہو جائے کہ ایک دن مرنا ہے بیوی، بچوں، مال، جائداد اور کاروبار کو چھوڑ کر جانا ہے دنیا کی رنگینیوں اور دلفریب بہاروں کو خیرباد کہہ کر قبر کی آغوش میں پہنچنا ہے موت کی بے رحم اور ان دیکھی تلوار بہت جلد تمہیں اس سارے سروسامان سے جدا کر کے رکھ دے گی جسے تم اپنے آرام، لذت اور آسائش کے لیے مہیا کرتے رہے ہو۔

تنہائی میں تمہارے شعور کو "موت" کا احساس ہونا چاہیے اور ملنے جلنے والوں سے بھی اس کا تذکرہ کیا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آدمی مر کر دنیا کی مادی اور جسمانی راحتوں اور لذتوں سے دستبردار ہو جاتا ہے "موت" کو بار بار اور کثرت سے یاد کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان بے لگام نہیں ہوتا ـــــ اس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوتا ہے اور اس کے لیے راہِ راست پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔

مرنے کے بعد صرف عمل ساتھ رہتا ہے

(۳۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلٰثَةٌ فَيَرْجِعُ اِثْنَانِ وَيَبْقٰى وَاحِدٌ۔ يَتْبَعُهٗ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ وَعَمَلُهٗ فَيَرْجِعُ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ وَيَبْقٰى عَمَلُهٗ۔

(مسلم عن انس کتاب الزھد۔ بخاری کتاب الرقاق ترمذی ابواب الزھد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مرنے کے بعد قبر تک) میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں:

(۱) اس کے رشتہ دار اور

(۲) اس کا مال اور

(۳) اس کا عمل

(دفن کے بعد) پہلی دو چیزیں پلٹ جاتی ہیں اور اس کا عمل اس کے ساتھ باقی رہتا ہے۔

تشریح:- موت کے بعد تجہیز و تکفین ہوتی ہے۔ جنازہ بڑی دھوم دھام سے نکلتا ہے، پھر اس کی تدفین کا مرحلہ آتا ہے۔ لحد تیار ہوتی ہے۔ قرابتداروں کی ٹولی اشکبار آنکھوں سے اسے سپرد خاک کرتی ہے۔ اس کی چھوڑی ہوئی جائداد پر وارث قبضہ کر لیتے ہیں یہاں تک کہ کلائی میں بندھی ہوئی گھڑی اور انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی بھی اس سے لے لی جاتی ہے یہ اس کی ذاتی ملکیت کا حال ہے سمیٹی ہوئی دولت کا ایک پیسہ بھی اپنے مالک کے ہمراہ نہیں جا سکتا۔

پھر ذرا ان خون کے رشتوں کا بھی حال معلوم کیجیے کیا کوئی ماں اپنے مردہ لخت جگر کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہے؟ جانے والے کی بیوی، بیٹا اور بھائی کوئی بھی یہ حوصلہ نہیں باندھتا، اس کا باپ جو اسے دیکھ کر جیتا تھا اب اپنے نور نظر کے پہلو میں سونے کا نام تک نہیں لیتا۔ اے اُدھر جانے والے، ! سوائے تیرے اپنے عمل کے (وہ برا ہے یا بھلا) اور کوئی چیز تیرے ساتھ نہیں جائے گی بس وہی تیرا رفیق اور وفا شعار دوست ہے جو کسی حال میں بھی تیرا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ زندگی میں تو جس قسم کا سرمایۂ عمل جمع کرتا رہا ہے اس کے نتائج اور طبعی اثرات برزخی اور آخری زندگی میں تیرا تعاقب کرتے رہیں گے، دوست بن کر یا دشمن بن کر۔

میّت کو دفن کرنے میں تاخیر نہ کرو

(۳۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَةِ فَاِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَرَّبْتُمُوْهَا اِلَی الْخَیْرِ وَاِنْ كَانَتْ غَیْرَ ذٰلِكَ كَانَ شَرًّا تَضَعُوْنَهٗ عَنْ رِقَابِكُمْ۔

(مسلم عن ابی ہریرۃ: کتاب الجنائز۔ بخاری کتاب الجنائز۔ ترمذی ابواب الجنائز۔ ابو داؤد کتاب الجنائز)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنازہ جلدی لے جاؤ اگر وہ نیک ہے تو تم (دفن کر کے) اسے بھلائی سے قریب کر دیتے ہو اور اگر وہ برا ہے تو (جلد دفن کر کے) گویا تم نے ایک شر کو اپنی گردنوں سے اتار پھینکا ہے (اور ایک بڑی مصیبت سے چھٹکارا پا لیا ہے۔)

تشریح:۔ مطلب یہ ہے کہ میت کو دفن کرنے میں بالکل تاخیر نہ کرنی چاہیے۔ نیک اور وفادار بندے کا قبر میں خوش آمدید سے استقبال ہوگا وہ اپنی نیکیوں کی بہترین جزا کا عکس دیکھ لے گا، اس لیے اس کا اپنا مفاد تقاضا کرتا ہے کہ اسے بہت جلد برزخ کے احاطہ میں داخل کر دیا جائے البتہ خدا کا باغی اور سرکش بندہ جس نے زندگی میں اپنے آقا کی نافرمانی کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا، خدا کی زمین پر خدا کا بخشا ہوا رزق کھا کر اس کے احکام کا مذاق اڑاتا تھا۔ وہ ایک ایسا شر ہے جس کا جوا تمہاری گردنوں سے جس قدر جلد اتر جائے بہتر ہے تاکہ نمک حرامی کی سزا کا عکس چکھنے کے لیے اسے دوزخ کے دروازہ (قبر) میں دھکیل دیا جائے اور زمین والوں سے اس کی ہستی کا وبال کم ہو جائے۔

"جنازہ جلدی لے جاؤ" کے معنی ہیں ذرا تیز رفتاری سے لے جانا چاہیے عام رفتار سے کچھ تیز ہو اور دوگام چال سے ذرا کم ہو تاکہ تدفین میں تاخیر نہ ہو اور کمزور افراد بھی جنازہ کے قافلہ سے جدا نہ ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ دور دراز کے رشتہ داروں کے انتظار میں جنازہ کی تدفین میں تاخیر کرنا جائز نہیں ہے جب جنازہ تیار ہو جائے تو پھر اسے دفن کرنے کی فکر ہی کرنی چاہیے۔

(۳۷) كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ وَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلٰى اَعْنَاقِهِمْ فَاِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ

قَدِّمُوْنِیْ وَاِنْ کَانَتْ غَیْرَ صَالِحَۃٍ قَالَتْ لِاَھْلِھَا یَا وَیْلَھَا اَیْنَ تَذْھَبُوْنَ بِھَا یَسْمَعُ صَوْتَھَا کُلُّ شَیْءٍ اِلَّا الْاِنْسَانَ وَلَوْ سَمِعَ الْاِنْسَانُ لَصَعِقَ (بخاری عن ابی سعید کتاب الجنائز)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جب ـــ غسل اور تکفین کے بعد ـــ میت کو رکھ دیا جاتا ہے اور لوگ اسے اپنی گردنوں پر اٹھاتے ہیں، اگر وہ نیک ہے تو کہتا ہے "مجھے جلدی آگے بڑھاؤ"، اور اگر وہ نیک نہیں ہے تو اپنے گھر والوں سے کہتا ہے۔ وائے افسوس! تم مجھے کہاں لیے جا رہے ہو؟ اس کی آواز کو ہر چیز سن لیتی ہے ہاں، انسان اسے نہیں سن سکتا اگر وہ سن لے تو بے ہوش ہو جائے۔

تشریح:- موت کے فوراً بعد "برزخی زندگی" کا آغاز اور لاش سے روح کے تعلق کی نوعیت ہمارے ادراک سے باہر ہے یہ حدیث صاف طور پر بتا رہی ہے کہ میت بے شعور نہیں ہوتی وہ برزخی زبان میں ایسی باتیں کہتی ہے جو انسانی کانوں کی گرفت میں نہیں آسکتیں۔

مرنے والوں کی دو قسمیں

(۳۸) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُرَّ عَلَیْہِ بِجَنَازَۃٍ قَالَ مُسْتَرِیْحٌ وَمُسْتَرَاحٌ مِنْہُ، قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا الْمُسْتَرِیْحُ وَالْمُسْتَرَاحُ مِنْہُ؟ قَالَ، اَلْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ یَسْتَرِیْحُ مِنْ نَصَبِ الدُّنْیَا وَاَذَاھَا اِلٰی رَحْمَۃِ اللّٰہِ وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ یَسْتَرِیْحُ مِنْہُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ

(بخاری عن ابی قتادۃ کتاب الرقاق مسلم کتاب الجنائز)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک جنازہ کا گزر ہوا تو آپؐ نے فرمایا: یہ آرام پانے والا ہے یا لوگوں کو اس کے شر سے نجات اور راحت

ملے گی؟ صحابہؓ نے عرض کیا! اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا مومن بندہ (مرنے کے بعد) دنیا کی مشقتوں اور تکلیفوں سے راحت اور آرام محسوس کرتا ہے اور اللہ کی رحمت اسے اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور نافرمان بندے کی موت سے انسانوں، شہروں درختوں اور جانوروں تک کو سکون اور آرام ملتا ہے۔

تشریح:۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مرنے والوں کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) دنیا کی زندگی میں "مومن" کو بہت سی ناگفتہ بہ کلفتوں اور اندوہناکیوں سے دوچار رہونا پڑتا ہے۔ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے والے صرف یہی نہیں کہ بسا اوقات اپنے ذاتی مفاد سے دستبردار ہوجاتے ہیں بلکہ باطل کے طوفان اور علمبرداران معصیت کی دست درازیاں ان پر ظلم وستم کے نئے نئے تجربے کرتی رہتی ہیں جب وہ لوگ دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں تو رنج وغم کی سب آندھیاں چھٹ جاتی ہیں۔ رحمان کی کرم نوازی انہیں اپنی رحمت کی آغوش میں لے کر مسرت، خوشی اور اطمینان کے جنت میں پہنچا دیتی ہے۔

(۲) خدا کے باغی اور نافرمان آدمیوں کے طرزِ عمل سے خلق خدا کی عزت وآبرو پامال ہوتی ہے۔ ان کے حقوق پر ڈاکہ پڑتا ہے۔ ان کی جائدادیں ضبط کرلی جاتی ہیں، بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلی جاتی ہے۔ بڑے بڑے ظالموں کی چیرہ دستیوں سے تو ملکوں اور قوموں کی زندگی بھی اجیرن ہوجاتی ہے خدا کی زمین ان کی بے اعتدالیوں سے لرز اٹھتی ہے بعض اوقات ان کی نافرمانیوں کا سیلاب بارانِ رحمت سے محرومی کا سبب بھی بنتا ہے ایسے لوگوں کی موت سے خلقِ خدا کو آرام اور سکون ملتا ہے۔

قبر، آخرت کی پہلی منزل

(۳۹) كَانَ عُثْمَانُ إِذَا وَقَفَ عَلَى قَبْرٍ بَكَى حَتَّى يَبُلَّ لِحْيَتَهُ، فَقِيلَ

لَہٗ: تُذْکَرُ الْجَنَّۃُ وَالنَّارُ فَلَا تَبْکِیْ وَتَبْکِیْ مِنْ ھٰذَا فَقَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنَازِلِ مِنْ مَنَازِلِ الْاٰخِرَۃِ فَاِنْ نَجَا مِنْہُ فَمَا بَعْدَہٗ اَیْسَرُ مِنْہُ، وَاِنْ لَمْ یَنْجُ مِنْہُ فَمَا بَعْدَہٗ اَشَدُّ مِنْہُ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا رَأَیْتُ مَنْظَرًا قَطُّ اِلَّا وَالْقَبْرُ اَفْظَعُ مِنْہُ۔ (ترمذی، ابواب الزہد، مسند احمد نمبر ۴۵۴)

امیرالمومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کسی قبر پر ٹھہرتے تو بے تحاشا روتے یہاں تک کہ آپ اپنی داڑھی مبارک کو آنسوؤں سے تر کر دیتے، آپؓ کی اس کیفیت کو دیکھ کر پوچھا گیا! حضرت! جنت اور دوزخ کا تذکرہ تو آپ کو اشکبار نہیں کرتا لیکن قبر کو دیکھتے ہی آپ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتے ہیں؛ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں آپؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں نے قبر سے زیادہ بھیانک اور خوفناک منظر اور کہیں نہیں دیکھا۔ یہ آخرت کی سب سے پہلی منزل ہے، اگر یہ آسانی سے طے ہو جائے، تو اس کے بعد آنے والے دوسرے مراحل اس سے زیادہ آسان ہوں گے اور اگر (آدمی) اس سے چھٹکارا نہ پا سکے (اور پھسل جائے) تو ہر آنے والی منزل زیادہ دشوار اور پریشان کن ثابت ہوگی۔

تشریح:۔ سیدنا عثمانؓ جیسا خلیفہ راشد — جس کے جنتی اور شہید ہونے کی بشارت دربارِ نبوی سے عنایت ہوئی تھی — قبر کی وحشت، تاریکی اور زہرہ گداز ویرانی کے تصور سے تھر تھر کانپ رہا ہے، آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں ہے داڑھی مبارک تر ہے کیوں؟ قبر، آخرت کا دروازہ ہے بلکہ اس کی پہلی منزل ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ قدم ڈگمگا جائیں اور خوفناک صورت فرشتوں کو دیکھ کر پڑھا لکھا غائب ہو جائے۔

قبر کی پکار

(٤٠) دَخَلَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُصَلَّاہُ فَرَأٰی نَاسًا کَأَنَّھُمْ یَکْتَشِرُوْنَ، قَالَ أَمَا إِنَّکُمْ لَوْ أَکْثَرْتُمْ ذِکْرَ ھَاذِمِ اللَّذَّاتِ لَشَغَلَکُمْ عَمَّا أَرٰی، فَأَکْثِرُوْا مِنْ ذِکْرِ ھَاذِمِ اللَّذَّاتِ، "اَلْمَوْتِ" فَإِنَّہٗ لَمْ یَأْتِ عَلَی الْقَبْرِ یَوْمٌ إِلَّا تَکَلَّمَ فَیَقُوْلُ:-

أَنَا بَیْتُ الْغُرْبَۃِ

أَنَا بَیْتُ الْوَحْدَۃِ

أَنَا بَیْتُ التُّرَابِ

وَأَنَا بَیْتُ الدُّوْدِ

فَإِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ قَالَ لَہُ الْقَبْرُ مَرْحَبًا وَأَھْلًا، أَمَا إِنْ کُنْتَ لَأَحَبَّ مَنْ یَمْشِیْ عَلٰی ظَھْرِیْ إِلَیَّ فَإِذْ وُلِّیْتُکَ الْیَوْمَ وَصِرْتَ إِلَیَّ فَسَتَرٰی صَنِیْعِیْ بِکَ فَیَتَّسِعُ لَہٗ مَدَّ بَصَرِہٖ وَیُفْتَحُ لَہٗ بَابٌ إِلَی الْجَنَّۃِ،

وَإِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْفَاجِرُ أَوِ الْکَافِرُ قَالَ لَہُ الْقَبْرُ لَا مَرْحَبًا وَلَا أَھْلًا أَمَا إِنْ کُنْتَ لَأَبْغَضَ مَنْ یَمْشِیْ عَلٰی ظَھْرِیْ إِلَیَّ فَإِذْ وُلِّیْتُکَ الْیَوْمَ وَصِرْتَ إِلَیَّ فَسَتَرٰی صَنِیْعِیْ بِکَ قَالَ فَیَلْتَئِمُ عَلَیْہِ حَتّٰی یَلْتَقِیَ عَلَیْہِ وَتَخْتَلِفَ أَضْلَاعُہٗ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، بِأَصَابِعِہٖ فَأَدْخَلَ بَعْضَھَا فِیْ جَوْفِ بَعْضٍ قَالَ وَیُقَیَّضُ لَہٗ سَبْعُوْنَ تِنِّیْنًا لَوْ أَنَّ وَاحِدًا مِنْھَا نَفَخَ فِی الْأَرْضِ مَا أَنْبَتَتْ شَیْئًا مَا بَقِیَتِ الدُّنْیَا، فَیَنْھَشْنَہٗ وَیَخْدِشْنَہٗ حَتّٰی یُفْضٰی بِہٖ إِلٰی

الْحِسَابِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَۃٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ، اَوْ حُفْرَۃٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ

(ترمذی عن ابی سعیدؓ ابواب القیامۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جائے نماز (نماز پڑھنے کی جگہ) میں داخل ہوئے تو لوگوں کو ہنستے دیکھ کر فرمایا اگر تم لذتوں کو منقطع کرنے والی کو زیادہ یاد کرتے تو اس ہنسی مذاق کو بھول جاتے لوگو! تم "لذتوں کو منقطع کرنے والی کو زیادہ سے زیادہ یاد کرو"

(جانتے ہو وہ لذتوں کو منقطع کرنے والی کون ہے؟ سنو کہ) وہ "موت" ہے "قبر" روزانہ پکارتی ہے:

- میں ان مسافروں کی قیام گاہ ہوں جو وطن کو چھوڑ کر یہاں آ بستے ہیں۔
- میں تنہائی کا گھر ہوں جس میں تجھے اکیلا رہنا پڑے گا۔
- میں مٹی کا گھر ہوں۔
- میں کیڑوں کا گھر ہوں۔

جب مومن بندے کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو وہ اسے خوش آمدید کہتی ہے اور کہتی ہے تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میری پیٹھ پر چلنے والوں میں تو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اس وقت جب مجھے تیرا ولی بنایا گیا ہے اور تو میرے قبضہ میں ہے، تو عنقریب دیکھ لے گا کہ میں تیرے ساتھ کیسا اچھا رویہ اختیار کرتی ہوں پھر قبر اس کی حد نگاہ تک کشادہ ہو جاتی ہے اور اس میں ایک ایسا دروازہ کھل جاتا ہے جو سیدھا بہشت تک جاتا ہے اور جب کوئی کافر یا نافرمان بندہ قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو قبر اسے خوش آمدید نہیں کہتی، پھر وہ اس سے خطاب کرتی ہے کہ مجھے روندنے والوں میں میرے لیے سب سے زیادہ قابل نفرت تم تھے آج جبکہ مجھے تیرا حاکم بنا دیا گیا ہے، اور تو میرے قبضہ میں ہے تو دیکھ لے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا سلوک کرتی ہوں پھر قبر

اس پر لوٹ پڑتی ہے اور اسے دبوچ لیتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں الٹ پلٹ ہو جاتی ہیں اور ایک دوسرے میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ آپؐ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کیا اور انہیں ایک دوسرے میں داخل کرتے ہوئے یہ بات فرمائی ــــ اور اس پر ستر (۷۰) سانپ مسلط ہو جاتے ہیں اگر ان میں سے ایک سانپ زمین پر پھونک مار دے تو کرۂ ارضی قیامت تک روئیدگی سے محروم ہو جائے یہ سانپ قیامت تک اسے کاٹتے اور نوچتے رہیں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں فرمایا "قبر باغِ بہشت کا ایک قطعہ ہے یا آگ کا ایک گڑھا ہے"۔

تشریح :۔ موت کے معنی ہیں "جسم سے روح کا الگ ہو جانا" اسے کثرت سے یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے "ہاذم" جلدی کاٹنے والی چیز کو کہتے ہیں موت کا بے رحم ہاتھ لذت کی بہاروں کو غمکدہ بنا دیتا ہے اور اس کے ایک ہی حملہ سے عیش و مسرت کی گل افشانیاں راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو جاتی ہیں کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اس کے ایک تھپڑ نے بڑے بڑے عشرت کدوں، سر بفلک عمارتوں اور عالیشان کوٹھیوں کو ویران کھنڈروں میں تبدیل کر دیا؟ قبر کی تنگ اور تاریک کوٹھڑی کا وحشت ناک ماحول کتنا بھیانک اور ناخوشگوار ہے اس روایت میں اسے بڑی وضاحت اور تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔

عذابِ قبر

(۴۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِذَا قُبِرَ الْمَیِّتُ (أَوْ قَالَ اَحَدُکُمْ) أَتَاہُ مَلَکَانِ أَسْوَدَانِ أَزْرَقَانِ یُقَالُ لِاَحَدِہِمَا الْمُنْکَرُ وَالْاٰخَرُ النَّکِیْرُ فَیَقُوْلَانِ: مَاکُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ؟ فَیَقُوْلُ مَا کَانَ یَقُوْلُ ھُوَ عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ اَشْھَدُ أَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ

وَرَسُوْلُهٗ۔ فَيَقُوْلَانِ: قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُوْلُ هٰذَا ثُمَّ يُفْسَحُ لَهٗ قَبْرُهٗ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فِيْ سَبْعِيْنَ۔ ثُمَّ يُنَوَّرُ لَهٗ فِيْهِ ثُمَّ يُقَالُ لَهٗ: نَمْ۔ فَيَقُوْلُ أَرْجِعُ إِلٰى أَهْلِيْ فَأُخْبِرُهُمْ فَيَقُوْلَانِ: نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ الَّذِيْ لَا يُوْقِظُهٗ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهٖ إِلَيْهِ، حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِكَ وَإِنْ كَانَ مُنَافِقًا قَالَ: سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ فَقُلْتُ مِثْلَهٗ لَا أَدْرِيْ۔ فَيَقُوْلَانِ: قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُوْلُ ذٰلِكَ، فَيُقَالُ لِلْأَرْضِ: الْتَئِمِيْ عَلَيْهِ فَتَلْتَئِمُ عَلَيْهِ، فَتَخْتَلِفُ أَضْلَاعُهٗ، فَلَا يَزَالُ فِيْهَا مُعَذَّبًا حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِكَ۔

(ترمذی عن ابی ہریرۃ ابواب الجنائز مشکوٰۃ د باب اثبات عذاب القبر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر میں دفن ہونے کے بعد میت کے پاس دو سیاہ فام فرشتے آتے ہیں جن کی آنکھیں نیلگوں ہوتی ہیں ایک کو "منکر" دوسرے کو "نکیر" کہتے ہیں وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں: اس آدمی کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ وہی بات کہتا ہے جو پہلے سے کہتا رہا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (یہ جواب سن کر) وہ کہتے ہیں آپ کے اس جواب کا ہمیں پہلے سے علم تھا (پھر کیا ہوتا ہے)؟ پھر قبر اس (کی راحت اور آرام) کے لیے ستر ہاتھ مربع کے برابر کشادہ اور وسیع ہو جاتی ہے اور اس کا احاطہ بقعۂ نور بن جاتا ہے (تاریکی) اور وحشت کا نام و نشان نہیں رہتا) پھر اس سے کہا جاتا ہے "سو جاؤ"، (لیکن) صاحب قبر کہتا ہے میں اپنے بال بچوں کو خوشخبری سنانے کے لیے واپس جاتا ہوں

وہ کہتے ہیں اب تم اس دلہن کی طرح محوِ خواب ہو جاؤ جسے اس کا محبوب ترین شخص ہی بیدار کرتا ہے (وہ بڑے سکون اور اطمینان کے ساتھ سو جاتا ہے) یہاں تک کہ اللہ (قیامت کے دن) اسے اس کی خواب گاہ سے بیدار کرے گا۔

اگر (قبر میں دفن ہونے والا) منافق ہے تو وہ (فرشتوں کے اس سوال کے جواب میں) کہتا ہے میں خود تو نہیں جانتا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ البتہ لوگوں کی دیکھا دیکھی ایک بات زبان سے کہتا رہا ہوں۔ یہ جواب سن کر فرشتے کہتے ہیں ہم جانتے تھے کہ تو یہی جواب دے گا پھر زمین سے کہا جاتا ہے "تو اس پر حملہ کردے اور دبوچ لے" زمین اس پر ٹوٹ پڑتی ہے اور اس کی پسلیاں الٹ پلٹ ہو جاتی ہیں یہ منافق ہمیشہ قبر کے عذاب میں گرفتار رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے قبر سے اٹھا کھڑا کرے گا۔

تشریح:- "منکر" اسے کہتے ہیں جو پہچانا نہ جائے اور "نکیر" وہ ہے جو خود کسی کو نہ پہچانے۔ قبر میں سوال کرنے والے فرشتوں کو "منکر" اور "نکیر" اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی شکل و صورت اور حلیہ سے صاحبِ قبر کو وحشت ہوگی اور وہ صاحبِ قبر کے لیے اجنبی اور غیر مانوس ہوں گے کیونکہ اسے زندگی بھر نہ تو کبھی ان سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا اور نہ انہیں دیکھنے کی نوبت آئی تھی۔

برزخ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے یا نہ لانے کے متعلق "منکر اور نکیر" کا استفسار ایک حقیقت ہے بعض روایات میں "دین" اور "رب" کے بارے میں سوالات کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ بہرحال مرنے کے بعد فوراً حساب کا آغاز ہو جاتا ہے چاہے میت، قبر میں دفن کی جائے یا اس کی لاش تلف اور ضائع ہو جائے، آخر اس میں اچنبھے کی کونسی بات ہے کہ میت میں روح واپس آجائے یا میت کے بکھرے ہوئے اجزا کو یکجا کر کے اس میں روح ڈال دی جائے اور یہ

بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس کے مثالی پیکر سے استفسار کیا جائے۔

"قبر اس کے لیے ستّر ہاتھ مربع کے برابر کشادہ اور وسیع ہو جاتی ہے"

عربی میں ستّر کا لفظ وسعت اور کثرت کے مفہوم کو ادا کرتا ہے اس سے عدد مراد نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عالم برزخ میں مؤمن کے لیے بہت کشادہ اور کھلی جگہ کا انتظام کر دیا جاتا ہے۔

(۴۲) اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَا اَنْ لَّا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰہَ اَنْ یُّسْمِعَکُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔

(مسلم عن انس کتاب التوبۃ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم (اپنے مُردوں کو) دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں قبر کا عذاب سُنوائے۔

تشریح:- اللہ تعالیٰ کی حکمت کا فیصلہ یہ ہے کہ قبر کے عذاب سے پیدا ہونے والی چیخ و پکار اور کرخت دبے ہنگم آواز انسانی کانوں کی گرفت میں نہ آئے ورنہ زمین میں مردوں کو دفن کرنے کا سلسلہ رُک جاتا اور لوگ خوف کے مارے مردے کے پاس نہ جاتے۔

عالم برزخ

(۴۳) قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا مَاتَ الرَّجُلُ عُرِضَ عَلَیْہِ مَقْعَدُہٗ بِالْغَدَاۃِ وَالْعَشِیِّ اِنْ کَانَ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فَالْجَنَّۃُ وَاِنْ کَانَ مِنْ اَھْلِ النَّارِ فَالنَّارُ قَالَ ثُمَّ یُقَالُ ھٰذَا مَقْعَدُکَ الَّذِیْ تُبْعَثُ اِلَیْہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

(مسلم عن ابن عمر کتاب الجنۃ، بخاری کتاب الجنائز- ترمذی ابواب الجنائز)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی مر جاتا ہے تو صبح اور شام

اس کا ٹھکانا اس پر پیش کیا جاتا ہے اگر وہ جنتی ہے تو اس پر بہشت کا عکس پیش ہوتا ہے اور اگر وہ جہنمی ہے تو دوزخ کی آگ اس پر پَرتو ڈالتی ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا وہ ٹھکانا جو قبر سے اُٹھنے کے بعد قیامت کے دن تجھے ملنے والا ہے۔

تشریح:۔ آدمی کو برزخ میں اس کے آخری ٹھکانہ —— خواہ وہ بہشت ہو یا دوزخ —— کا ہر وقت مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ تُو نے دنیا میں جس طرزِ عمل کا مظاہرہ کیا تھا اس کے نتیجہ میں یہ ہے تیری قیامگاہ۔

اخروی زندگی کی یہ پہلی منزل واقعی خطرناک ہے، اگر صاحبِ قبر (اپنے ایمان اور عمل کے اعتبار سے) بہشت کا مستحق ہے تو وہ روزانہ اپنے ٹھکانے کا دیدار کرتا رہتا ہے اور اگر وہ (اپنے کفر، بغاوت اور سرکشی کی بدولت) سزا کا مستحق ہے تو قیامت کے جیل خانہ (دوزخ) کا وہ حصہ اس پر پیش کیا جاتا ہے جس کا وہ سزاوار ہے۔

بعض علماء نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ مرنے کے بعد آدمی کو صرف دو بار اپنے آخری ٹھکانے کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے اور وہ اندازہ لگا لیتا ہے کہ مجھے قیامت کے دن کہاں جانا ہے۔

اس حدیث میں صبح و شام کا لفظ ہمارے ذہنی معیار کو سامنے رکھ کر فرمایا گیا ہے ورنہ عالمِ برزخ میں زمان و مکان کا یہ تصور نہیں ہے جس سے ہمیں واسطہ پڑتا ہے برزخ کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبریں دی ہیں ان کے تفصیلی تعارف کا دنیا میں کوئی امکان نہیں ہے کیونکہ ہمارے ظاہری حواس اس جہان کی حقیقتوں کا ادراک کرنے سے عاجز ہیں۔

اہلِ میّت کے ہاں کھانا بھجوانا

(۴۴) لَمَّا جَاءَ نَعْيُ جَعْفَرٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِصْنَعُوْا

لِآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَقَدْ أَتَاهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ۔

(ترمذی عن عبداللہ بن جعفر ابواب الجنائز۔ ابوداؤد کتاب الجنائز۔ مشکوٰۃ کتاب الجنائز)

جب (جنگ موتہ ۸ھ میں) حضرت جعفر بن ابی طالب کے شہید ہونے کی خبر پہنچی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو۔ کیونکہ انہیں ایک ایسے صدمہ کی اطلاع ملی ہے جس نے انہیں مشغول کر دیا ہے۔

تشریح:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کو کھانا تیار کر کے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر بھجوانے کا حکم دیا۔ کیونکہ اس تازہ حادثہ کی وجہ سے انہیں کھانا پکانے کی فرصت نہیں ہے۔ یہ بات اخلاق اور شرافت سے گری ہوئی ہے کہ کسی رشتہ دار یا ہمسائے کے گھر سے جنازہ اُٹھے اور اس کے گھر میں دو وقت کھانا پکا کر نہ بھیجا جائے۔

مرنے والوں کا تذکرہ

(۴۵) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اُذْکُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاکُمْ وَکُفُّوْا عَنْ مَسَاوِیْھِمْ۔

(ترمذی عن ابن عمر ابواب الجنائز۔ ابوداؤد کتاب الادب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے مُردوں کی خوبیوں کا ذکر کرو۔ اور ان کی برائیاں بیان کرنے سے رک جاؤ۔

(۴۶) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا مَاتَ صَاحِبُکُمْ فَدَعُوْہُ وَلَا تَقَعُوْا فِیْہِ۔ (ابوداؤد عن عائشہ کتاب الادب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تمہارا ساتھی مرجائے تو اس پر نکتہ چینی نہ کرو۔

تشریح:۔ مطلب یہ ہے کہ مُردوں کی خطاؤں اور بے اعتدالیوں کو زیر بحث

لانا ممنوع ہے جو شخص مرکر اپنے رب سے جاملا ہو۔ اس کی غلطیوں کی تشہیر کرنا کوئی اچھا مشغلہ نہیں ہے، اس کی کمزوریوں اور گناہوں کے اظہار سے پرہیز کیا جائے۔ بلکہ اس کے حق میں کلمۂ خیر کہا جائے اور اس کی خوبیوں کا اعتراف کیا جائے۔ کیونکہ وہ اپنے امتحان کا پرچہ مکمل کر کے دنیا سے رخصت ہو چکا ہے اور جو کچھ اس نے دنیا میں کیا تھا اس کی جزا یا سزا کا انتظار کر رہا ہے

اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ کسی متوفی پر نکتہ چینی کرنے اور اس کے عیب بیان کرنے سے انسان غیبت کے گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے زندہ انسان سے تو یہ گناہ معاف کرایا جا سکتا ہے لیکن مردہ سے معافی مانگنے اور اس کے معاف کرنے کا کوئی امکان نہیں ہے اور نہ ہی مردہ انسان اس دنیا میں آکر اپنی صفائی بیان کر سکتا ہے اور نہ اپنا دفاع کر سکتا ہے۔

نوحہ کرنا سخت گناہ ہے

(۴۷) وَجِعَ اَبُوْمُوْسٰی وَجَعًا فَغُشِیَ عَلَیْہِ وَرَاْسُہٗ فِیْ حِجْرِ اِمْرَاَۃٍ مِنْ اَھْلِہٖ فَصَاحَتْ اِمْرَاَۃٌ مِنْ اَھْلِہٖ فَلَمْ یَسْتَطِعْ اَنْ یَّرُدَّ عَلَیْھَا شَیْئًا فَلَمَّا اَفَاقَ قَالَ اَنَا بَرِیْءٌ مِمَّا بَرِیَٔ مِنْہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَرِیْءٌ مِنَ الصَّالِقَۃِ وَالْحَالِقَۃِ وَالشَّاقَّۃِ۔

(مسلم عن ابی بردہ بن ابی موسیٰ کتاب الایمان۔ بخاری کتاب الجنائز ابوداؤد کتاب الجنائز)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے (جب کہ عہد فاروقی میں وہ بصرہ کے گورنر تھے) وہ اپنی اہلیہ کی گود میں سر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے کہ بے ہوش ہو گئے ان کی اہلیہ (وہ غالباً ان کی بیوی صفیہ تھی) چیخنے لگی۔ ابوموسیٰ رضی غشی کی وجہ سے اسے روک نہیں سکتے تھے لیکن جب وہ ہوش میں آئے تو کہنے لگے جس کام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے زاری کا اظہار

کیا ہے میں اس سے بیزار ہوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے بیزاری کا اظہار فرمایا ہے جو صدمہ کے وقت چیختی چلاتی اور منہ نوچتی ہے اور مصیبت کے وقت اپنے سر کے بال (نوچتی اور) مونڈ لیتی ہے اور کپڑے پھاڑ ڈالتی ہے۔

تشریح:۔ کسی مصیبت پر یا عزیز و رشتہ دار کی وفات پر منہ نوچنے، چیخنے چلانے، سر مونڈنے اور کپڑے پھاڑنے سے بے صبری، کم حوصلگی اور چھچھورے پن کا اظہار ہوتا ہے اس لیے اسلام میں نوحہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

ماتم کرنا

(۴۸) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ۔

(بخاری عن عبداللہ بن مسعود کتاب الجنائز مسلم کتاب الایمان ترمذی ابواب الجنائز)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اپنے منہ پر تھپڑ مارے۔ گریبان چاک کرے اور جاہلوں کی طرح شور مچائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(۴۹) لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّائِحَةَ وَالْمُسْتَمِعَةَ

(ابو داؤد عن ابی سعید الخدری کتاب الجنائز)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماتم کرنے والی اور سننے والی پر لعنت کی ہے۔

تشریح:۔ "نائحہ" نیاحت سے ماخوذ ہے نیاحت کے معنی ہیں "میت پر زور سے رونا اور چیخ چیخ کر اس کی خوبیوں کا پرچار کرنا" علاوہ ازیں منہ نوچنا، گریبان پھاڑنا، سینہ کوبی، منہ پر طمانچے مارنا بھی اس کے مفہوم میں شامل ہیں اردو زبان میں "ماتم" کا لفظ ان سب معنوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔

موت ایک ناگزیر حقیقت ہے جس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہے۔ اس اعتراف کے باوجود "اُدھر جانے والے" کے غم میں بے چین اور پریشان ہونا فطری امر ہے۔ جدائی کا احساس اور دل کا اضطراب انسان کو آنسو بہانے پر مجبور کرتا ہے۔ شریعت میں اس حد تک تو اظہارِ غم کی اجازت ہے لیکن کسی مرحوم کی جدائی کا صدمہ یہ شکل اختیار نہ کرے کہ دوست، احباب اور رشتہ دار مارے غم کے اپنے کپڑوں کو پھاڑنا شروع کردیں۔ گریبانوں کو چاک کرتے پھریں اپنے رخساروں پر طمانچے ماریں یا دھاڑیں مار مار کر اس کی طرف ایسی خوبیاں منسوب کریں جن کی اسے ہوا بھی نہ لگی ہو۔ ان لوگوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ "ہم میں سے نہیں ہیں" ان کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گروہ سے الگ ہونے کا تصور نہیں کرسکتا۔

ہمارے ان نادان بھائیوں کو بھی اس حدیث پر غور کرنا چاہیے جو ہر سال محرم کے مہینہ میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا ماتم کرنا عبادت سمجھتے ہیں، کیا اس شہیدِ اعظم کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا یہی طریقہ باقی رہ گیا ہے؟ حضورؐ نے تو ماتم کرنے والوں اور اسے دلچسپی سے سننے والوں کو برابر کا مجرم قرار دیا گیا ہے۔

(۵۰) عَنِ امْرَأَةٍ مِنَ الْمُبَايِعَاتِ قَالَتْ كَانَ فِيمَا أَخَذَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَعْرُوفِ الَّذِي أَخَذَ عَلَيْنَا أَنْ لَا نَعْصِيَهُ فِيهِ أَنْ لَا نَخْمِشَ وَجْهًا وَلَا نَدْعُوَ وَيْلًا وَلَا نَشُقَّ جَيْبًا وَلَا نَنْشُرَ شَعْرًا۔

(ابوداؤد عن اسید بن ابی اسید کتاب الجنائز)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہونے والی ایک خاتون کا بیان ہے کہ آپؐ نے ہم سے جو عہد لیا تھا "کہ ہم معروف میں آپؐ کی نافرمانی نہ کریں گی" اس میں یہ عہد بھی شامل تھا کہ ہم صدمہ اور مصیبت

کے وقت) چہرہ نہ نوچیں گی، ہلاکت اور سختی کو نہ پکاریں گی، گریبان پھاڑنے اور بالوں کو پراگندہ کرنے سے پرہیز کریں گی۔

تشریح:۔ "ہلاکت کو پکارنے" کا مطلب یہ ہے کہ خواتین جب کسی ناقابل برداشت صدمہ سے دوچار ہوتی ہیں بین تو وہ بہت بے صبری کا مظاہرہ کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اُس مصیبت میں مبتلا ہونے سے تو مر جانا ہی بہتر ہے" عموماً عورتوں میں یہ کمزوری پائی جاتی ہے کہ وہ پریشانی اور مصیبت کے وقت گریبان پھاڑتی ہیں۔ بالوں کو پراگندہ کرتی ہیں، چہرہ نوچتی ہیں اور ہلاک ہونے کی خواہش کا اظہار کرتی ہیں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ عہد لیا کہ وہ جاہلیت کے ان طریقوں سے اجتناب کریں۔

میّت کے غم میں آنسو بہانے کی اجازت

(۵۱) عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ إِحْدَى بَنَاتِهِ تَدْعُوهُ وَتُخْبِرُهُ أَنَّ صَبِيًّا لَهَا أَوِ ابْنًا لَهَا فِي الْمَوْتِ فَقَالَ لِلرَّسُولِ إِرْجِعْ إِلَيْهَا فَأَخْبِرْهَا إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى فَمُرْهَا فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ فَعَادَ الرَّسُولُ فَقَالَ إِنَّهَا قَدْ أَقْسَمَتْ لَتَأْتِيَنَّهَا قَالَ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَامَ مَعَهُ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَمُعَاذُ ابْنُ جَبَلٍ وَانْطَلَقْتُ مَعَهُمْ فَرُفِعَ إِلَيْهِ الصَّبِيُّ وَنَفْسُهُ تَقَعْقَعُ كَأَنَّهَا فِي شَنَّةٍ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ لَهُ سَعْدٌ مَا هٰذَا يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ هٰذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللهُ فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ وَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ۔

(مسلم کتاب الجنائز۔ بخاری کتاب الجنائز۔ کتاب الایمان والنذور۔ ابوداؤد کتاب الجنائز)

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے آنحضرت کی ایک صاحبزادی (ابوالعاص کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا) نے آپؐ کی خدمت میں یہ درخواست بھجوائی کہ میرا لختِ جگر قریب المرگ ہے آپ تشریف لائیں۔ آپؐ نے قاصد سے فرمایا (اس سے میرا سلام کہو اور) جاکر اسے بتادو کہ اللہ ہی مالک ہے اس چیز کا جو اس نے عطا کی اور اس چیز کا بھی جو اس نے لے لی، اس کے علم میں ہر چیز کا ایک وقت متعین ہے پس تم میری طرف سے اسے یہ حکم دو کہ وہ اس صدمہ کو برداشت کرے (گھبراہٹ اور بے چینی کا اظہار نہ کرے) اور اللہ سے اس پر اجر و ثواب کی امید رکھے لیکن پیامبر یہ پیغام لایا کہ ابّا حضورؐ! آپؐ کو اپنے رب کی قسم، میرے ہاں ضرور آیئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم، سعد بن عبادہ رضؓ، معاذ بن جبل رضؓ اور اسامہ بن زید رضؓ کے ہمراہ پہنچے تو بچہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا (آپؐ نے اسے اپنی گود میں لے لیا) اس کا دم نکل رہا تھا اور اس سے خرخراہٹ کی آواز آرہی تھی گویا کہ پُرانی اور خشک مشک میں کنکر یا پانی ڈالنے سے آواز پیدا ہو رہی ہے یہ حالت دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ سعد بن عبادہ رضؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ رحمت (کا جذبہ) ہے اللہ اپنے بندوں کے دلوں میں یہ جذبہ رکھ دیتا ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ بے پایاں رحمت اور کرم نوازی کے مستحق صرف وہ لوگ ہوتے ہیں جو رحم دل ہیں۔

تشریح:۔ میت کے غم میں آنسو بہانا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ شخص سنگ دل اور بے رحم نہیں ہے، آنحضورؐ نے بارہا مُردوں

پر زور زور سے رونے اور نوحہ کرنے سے روکا تھا، اس وجہ سے آنجنابؐ کی آنکھوں کو اشکبار دیکھ کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ "میت کے غم میں آنسو بہانا بھی شاید نوحہ کرنے کی طرح ممنوع ہے" آپؐ نے میت کے غم میں آنسو بہانے کو فطرت کا تقاضا قرار دے کر اس کی اجازت دی، نوحہ کرنے، ماتم کرنے کی نہ صرف یہ کہ حوصلہ افزائی نہیں فرمائی بلکہ اسے ملعون قرار دیا ہے۔

برزخ اور تین نیکیاں

(۵۲۱) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ وَعِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ وَوَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهٗ۔

(ترمذی عن ابی ہریرۃ کتاب الوقف۔ ابوداؤد کتاب الوصایا: مسلم کتاب الوصیۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ کٹ جاتا ہے مگر تین قسم کے اعمال ایسے ہیں کہ ان کا ثواب مرنے کے بعد بھی نامۂ اعمال میں درج ہوتا رہتا ہے۔ ان میں سے ایک تو صدقہ جاریہ ہے دوسرے وہ علم ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں تیسرے نیک بیٹا جو اس کے لیے دعا کرتا رہے۔

تشریح:۔(۱) "صدقہ جاریہ" سے مراد وہ خیرات ہے جو ہنگامی نہ ہو، مثلاً ایسا وقف جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں جیسے دینی درسگاہ، پُل، مسجد اور مسافرخانہ کی تعمیر، کنوئیں کی کھدائی اور رفاہِ عامہ کے کام، یہ بھی صدقہ جاریہ ہے کہ تعلیمی ادارے تعمیر کئے جائیں یا ایسے مفید اور جائز ادارے قائم کیے جائیں جن سے مستقل طور پر غریبوں اور ناداروں کی کفالت کا انتظام ہوتا رہے۔ یا اپنی جائداد کا کچھ حصہ ایسے کاموں کے لیے وقف کر دیا جائے۔

(۲) جس علم سے لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں وہ ہے قرآن و سنت کی تعلیم و تدریس اور دینی کتابوں کی تصنیف و تعلیم، مرنے کے بعد اس کا اجر صاحب علم کو ملتا رہتا ہے۔

(۳) جو لڑکا اپنے ماں باپ کی نگرانی اور تربیت سے پرہیزگار اور نیک بنتا ہے وہ جب تک زندہ رہتا ہے اس کی نیکیوں کا ثواب اس کے ماں باپ کو ملتا رہتا ہے علاوہ ازیں وہ لڑکا اپنے والدین کے لیے دعا کرتا رہے گا ماں باپ کو اس سے بھی نفع ملتا ہے۔

موت کے اٹل اور امسٹ قانون کو آج تک کوئی انسان نہیں توڑ سکا زندگی میں جو کام بھی کیا جاتا ہے وہ اعمال نامہ میں درج کر دیا جاتا ہے موت کے آتے ہی اعمال نامہ لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے کام کرنے کی مہلت کہاں؟ اب تو موت کے کارکنوں نے چل چلاؤ کا اعلان کر دیا لیکن زندگی میں بعض ایسے کام بھی انجام پاتے ہیں جن کا اجر و ثواب مرنے کے بعد بھی برابر انسان کے کھاتہ میں جمع ہوتا رہتا ہے اِلّا یہ کہ وہ کام ہی ختم ہو جائیں۔

ایصالِ ثواب

(۵۳) اِنَّ رَجُلاً قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُمَّهٗ تُوُفِّيَتْ اَيَنْفَعُهَا اِنْ تَصَدَّقْتُ بِهٖ عَنْهَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنَّ لِيْ مِخْرَافًا فَاَنَا اُشْهِدُكَ اَنِّيْ قَدْ تَصَدَّقْتُ بِهٖ عَنْهَا (بخاری عن ابن عباس کتاب الوصایا۔ ترمذی ابواب الزکوٰۃ۔ ابوداؤد کتاب الوصایا)

ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اسے اس کا ثواب ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا "ہاں" بولا حضور! میں آپ کو گواہ بناتا

ہوں کہ میں اپنے کھجور کے باغ کو اس کی طرف سے صدقہ کرتا ہوں۔

تشریح:- ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میرا باپ وفات پا گیا ہے اور اس نے اپنے پیچھے کچھ مال بھی چھوڑا ہے اور اس نے کوئی وصیت نہیں کی اگر اس کی طرف سے خیرات کی جائے تو اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے؟ آپ نے فرمایا، ہاں"

(مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب الوصیہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ام سعد وفات پا گئی ہیں (ان کے ایصال ثواب کے لیے) کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا" پانی" چنانچہ حضرت سعدؓ نے ایک کنواں کھدوا کر کہا یہ ام سعدؓ کے لیے ہے (اس کنویں کا ثواب ام سعد کی روح کو ملتا رہے) (ابو داؤد کتاب الزکوٰۃ)

میت کی روح کو ثواب پہنچانے کی غرض سے صدقہ، خیرات کرنا مستحب ہے اس کی بخشش کے لیے دعا کرنا بھی مفید ہے، میت پر اگر حج فرض ہو یا زکوٰۃ کا ادا کرنا اس کے ذمّہ ہو تو اس کی متروکہ جائداد سے یہ مصارف ادا کیے جائیں اس طرح اس کی طرف سے حج ادا ہو جائے گا وہ زکوٰۃ اور قرض سے بھی سبکدوش ہو جائے گا نفلی حج کا ثواب بھی مردے کی طرف منتقل ہو سکتا ہے بلکہ ان کی طرف سے قربانی بھی کی جا سکتی ہے البتہ تلاوتِ قرآن اور نوافل سے ایصال ثواب میں اختلاف ہے حضرت امام شافعیؒ اس کے قائل نہیں ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک جائز ہے۔

لیکن ہمارے ہاں ایصالِ ثواب کے معاملہ میں ایسی بہت سی بے اعتدالیوں اور رسموں نے شریعت کا لبادہ اوڑھ لیا ہے جس کا قرآن اور سنت میں کوئی سُراغ نہیں ملتا آج کل ایصال ثواب کی غرض سے کچھ کھلا پلا کر اور دے دلا کر جو "قرآن خوانی" کا اہتمام کرایا جاتا ہے صحابۂ کرام کے دور میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس طرح کی قرآن خوانی سے ثواب اور اجر تو کیا ملے گا ہو سکتا ہے کہ قرآن کی خرید و فروخت

پر اللہ کی بارگاہ میں ہر فریق سے مؤاخذہ ہو۔

زیارتِ قبور

(۵۴) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُكُمُ الْمَوْتَ۔ (مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب الجنائز۔ ابوداؤد کتاب الجنائز۔ ترمذی ابواب الجنائز)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبروں کی زیارت کرو۔ کیونکہ وہ تمہیں موت یاد دلاتی ہیں۔

تشریح:۔ بڑے سے بڑا سنگدل بھی قبروں کو دیکھ کر اپنی موت کو یاد کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اسے سوچنا پڑتا ہے کہ "ایک دن مجھے موت کا استقبال کرنا ہے اور مٹی میں دفن ہونا ہے" یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو پاگل خانہ میں ہو اس حدیث میں قبروں کی زیارت کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے دیکھنے سے موت یاد آتی ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ قبور کو سلام کیا جائے اور اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت اور عفو کے لیے دُعا کی جائے۔

ہمارے دَور کے بگڑے ہوئے مسلمانوں نے زیارت قبور کے مقصد اور مسنون طریقے کو چھوڑ کر قبروں پر میلے ٹھیلے رچانے، عرس کرنے اور چڑھاوے چڑھانے کا کاروبار شروع کر دیا ہے قبروں میں مدفون بزرگوں اور خدا کے صالح بندوں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا جاتا ہے۔ ایسے مزارات پر لوگ موت کو یاد کرنے یا اللہ سے اپنی اور ان کی بخشش کے لیے دعا کرنے کی غرض سے نہیں جاتے بلکہ اپنی اغراض اور حاجات لے کر مزاروں کا چکّر لگاتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دَور میں ان خرافات کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

قبروں کا احترام

(۵۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَجْلِسُوْا عَلَی الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَیْہَا۔

(مسلم عن ابی مرثد الغنوی کتاب الجنائز ابوداؤد کتاب الجنائز۔ ترمذی ابواب الجنائز)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبروں پر نہ بیٹھو اور ان کی طرف منہ کرکے نماز نہ پڑھو۔

تشریح:۔ قبرستان میں کوڑا کرکٹ ڈالنا، قضاء حاجت کرنا، قبروں پر بیٹھنا اور انہیں روندنا جائز نہیں ہے، یہ مرنے والے بھائیوں کے احترام کے خلاف ہے دنیا سے گزر جانے والے کی آخری نشانی، قبر کی صورت میں زندگی کے فانی اور موت کے حقیقی ہونے کی خبر دیتی ہے، یہ آخرت کی یاد دلانے والی سب سے اہم چیز ہے اسلام میں قبروں کو سجدہ کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پیغمبر کی غیرت توحید نے قبر کی طرف منہ کرکے خدا کو سجدہ کرنے کی اجازت بھی نہیں دی تاکہ آنے والی نسلیں شرک میں مبتلا نہ ہوں افسوس ہے ان نادانوں پر جو بزرگوں اور ولیوں کی قبروں پر سجدے کرتے پھرتے ہیں۔

قبروں پر عمارات کی تعمیر

(۵۶) نَہٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَ اَنْ یُّقْعَدَ عَلَیْہِ وَاَنْ یُّبْنٰی عَلَیْہِ۔

(مسلم عن جابر کتاب الجنائز۔ ابوداؤد کتاب الجنائز۔ ترمذی ابواب الجنائز)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو چونے سے پختہ کرنے، اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت تعمیر کرنے سے روک دیا ہے۔

تشریح: معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ اور مشاہیر کی قبروں پر بلند و بالا اور نہایت

خوبصورت عمارتیں بنانا، قومی اور سیاسی لیڈروں کے مرقد کی تعمیر پر لاکھوں روپے ضائع کرنا جائز نہیں ہے سچی بات تو یہ ہے کہ اسلام میں ایسی لغو فضول خرچی کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے قبر پر سفیدی کرنا اور مکان بنانا اور اسے پختہ بنانا خلاف سنت ہے قبر نہایت سادہ اور زمین سے زیادہ سے زیادہ ایک فٹ اونچی ہونی چاہیئے۔ ترمذی میں اس روایت پر یہ اضافہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر لکھنے سے روکا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ قبر کے کتبہ اور عمارت پر صاحب قبر کا نام، پتہ، سن وفات، اور قرآنی آیات کا لکھنا ممنوع ہے۔

قبروں پر چراغ جلانا

(۵۷) لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْھَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ۔

(ابو داؤد عن ابن عباس کتاب الجنائز۔ مسند احمد ۳۰۳-۲۰۶-۳۱۱۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کرتی ہیں اور ان لوگوں پر جو قبروں پر چراغ جلاتے اور مسجدیں بناتے ہیں۔

تشریح:۔ ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضؓ کی طرف یہ الفاظ منسوب کیے ہیں کہ

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ۔

(ترمذی ابواب الجنائز)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے، جو قبروں کی زیارت بہت کرتی رہتی ہیں۔

"لعنت"۔ کے معنی ہیں خدا کی رحمت سے دور ہونا۔ مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر جانے والی عورتوں کو خدا کی رحمت سے محروم قرار

دیا ہے جو بار بار قبروں پر جاتی ہیں اور کثرت سے جاتی ہیں۔ اگرچہ بعض علماء نے یہ رائے دی ہے کہ اب یہ ممانعت منسوخ ہو چکی ہے عورتیں بھی قبر پر جا سکتی ہیں لیکن موجودہ پُرفتن دَور میں اس حدیث کی روشنی میں اگر مزارات پر عورتوں کی حاضری ممنوع قرار دی جائے اور کوئی عورت کبھی کسی مزار پر نہ جائے تو قبروں پر رونما ہونے والی غلط کاریوں میں (۸۰) اَسّی فی صد کمی آ سکتی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اولیاء اللہ کے مزاروں پر صنفِ نازک کی حاضری نے کیا گُل کھلائے اور کتنے فتنوں کو جنم دیا ہے؟ ناچنے اور گانے والی عورتیں برکت حاصل کرنے کے نام سے عرسوں میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتی ہیں حالانکہ خود ناچنا گانا منع ہے اور بزرگ اسے پسند نہیں کرتے آنحضرت ﷺ نے چراغ جلانے والے کو بھی ملعون قرار دیا تھا لیکن ہم نے اولیاء اور صلحاء کی قبروں کو بقعۂ نور بنا دیا ہے اور ارشاد نبوی کی خلاف ورزی اختیار کر لی ہے۔

باب سوم

آخرت

قیامت کی نشانیاں

(۵۸) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ اَنْ یَّظْھَرَ الْجَھْلُ وَیَقِلَّ الْعِلْمُ وَیَظْھَرَ الزِّنَا وَتُشْرَبَ الْخَمْرُ وَیَقِلَّ الرِّجَالُ وَتَکْثُرَ النِّسَاءُ حَتّٰی یَکُوْنَ لِخَمْسِیْنَ اِمْرَأَۃً قَیِّمُھُنَّ رَجُلٌ وَّاحِدٌ۔

(بخاری عن انس کتاب الاشربہ۔ کتاب المحاربین۔ مسلم کتاب العلم ترمذی ابواب الفتن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کی کچھ نشانیاں یہ ہیں۔

(۱) جہل کا غلبہ ہوگا (اور لوگ عموماً نادانی کا مظاہرہ کریں گے)

(۲) شراب بڑی کثرت سے پی جائے گی۔

(۳) زنا کا کاروبار کھلے بندوں چلے گا (یہ وبا عام ہو جائے گی بہت کم لوگ اس سے بچ سکیں گے)

(۴) (دین کا) علم بہت تھوڑا ہو جائے گا (قرآن و سنت کے علماء آہستہ آہستہ دنیا سے اٹھتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ لوگ ایسے جاہلوں سے دینی مسائل دریافت کریں گے جو خود گمراہ ہوں گے اور غلط فتوے دے کر خلقِ خدا کو بھی گمراہ کرتے رہیں گے)

(۵) مرد تھوڑے ہوں گے اور عورتوں کی کثرت ہو گی یہاں تک پچاس عورتوں کا منتظم ایک مرد ہو گا۔

تشریح: ۔ عورتوں کی تعداد مردوں سے بہت زیادہ ہو گی کیونکہ قوموں اور ملکوں کی باہمی کشیدگی اور چپقلش کی وجہ سے ان کے درمیان جنگیں برپا ہوں گی اور اس کے نتیجہ میں مردوں کی بہت بڑی تعداد قتل ہو جائے گی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے لڑکوں کے مقابلہ میں لڑکیوں کی پیدائش بہت زیادہ ہو جائے پچاس عورتوں کا منتظم ایک مرد ہو گا اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی بہت سی عورتوں کا

کفیل ہو گا۔

مغرب میں شراب نے پانی کی جگہ لے لی ہے امت مسلمہ بھی بڑی تیزی سے اسے منہ لگا رہی ہے زنا اور شراب کا چولی دامن کا ساتھ ہے فلم، ریڈیو، فحش لٹریچر، عریاں تصاویر، شبینہ کلبوں، مخلوط تعلیم اور خاندانی منصوبہ بندی کی تیر بہدف گولیوں اور آلات نے عصمت اور عفت کا دامن تار تار کر دیا ہے شہوت پرستی اور بے حیائی ایک فیشن بنتی جا رہی ہے ہمارا معاشرہ بدکاری اور بے حیائی کے جہنم کی طرف بڑی برق رفتاری سے رواں دواں ہے۔

نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

مزید چھ نشانیاں

(۵۹) رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْفُحْشَ وَالتَّفَحُّشَ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُخَوَّنَ الْاَمِيْنُ وَيُؤْتَمَنَ الْخَائِنُ، حَتّٰى يَظْهَرَ الْفُحْشُ وَالتَّفَحُّشُ وَقَطِيْعَةُ الْاَرْحَامِ وَسُوْءُ الْجِوَارِ۔

(مسند احمد۔ مرویات عبداللہ بن عمرو نمبر ۶۸۷۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ بے حیائی کی باتیں کرنے اور انہیں پھیلانے سے سخت نفرت کرتا ہے اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے قیامت قائم نہ ہو گی مگر اس وقت جب کہ

(۱) دیانتدار آدمی کو خائن قرار دیا جائے۔

(۲) خیانت کرنے والے پر اعتماد کیا جائے۔

(۳) بے حیائی کی باتیں کھلے بندوں کی جائیں۔

(۴) اور پھیلائی جائیں۔

(۵) رشتہ داروں سے قطع رحمی کی جائے۔

(۶) اور ہمسایوں سے بُرا سلوک کیا جائے

تشریح:۔ ہماری بدبختی سے آج کے اس دور میں یہ علامات ہر صاحب بصیرت کو صاف دکھائی دیتی ہیں۔

قیامت سے پہلے قتلِ عام ہوگا

(۶۰) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكْثُرَ الْهَرْجُ قَالُوْا وَمَا الْهَرْجُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ الْقَتْلُ، اَلْقَتْلُ۔ (مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب الفتن و اشراط الساعۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ "ھرج" کی کثرت نہ ہو جائے حاضرین نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) "ھرج" کسے کہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا قتل، قتل

تشریح:۔ اس حدیث میں غالباً ہمارے اس الحاد و مادیت کے پرفتن دور کی طرف اشارہ ہے جس میں انسانی جان کا ذرہ بھر احترام باقی نہیں رہا۔ بڑی بڑی سامراجی حکومتوں اور عہد حاضر کے آمروں اور ڈکٹیٹروں نے محض اپنی کرسی اور وقار کی خاطر لاکھوں اور ہزاروں انسانوں کو تہ تیغ کیا ہے۔ اشتراکی نظام کے سرخ محافظوں نے جس بے رحمی اور درندگی کے ساتھ خون کی ندیاں بہائی ہیں پوری انسانی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی مغربی لیڈروں اور سرخ ڈاکوؤں کے رحم و کرم پر جینے والے ایشیائی حکمرانوں نے اپنے اپنے ملکوں اور خود اپنی قوموں کے ساتھ جو حسن سلوک کیا ہے اس نے انسانیت کی عزت و آبرو خاک میں ملا دی ہے۔ بے خدا تہذیب کے غلبہ کی وجہ سے مسلمان معاشروں میں بھی معمولی معمولی باتوں پہ مشتعل ہو جانا اور قتل کر دینا عام ہو گیا ہے یہ سب اس بات کی علامت ہے کہ دنیا کا نظام اپنی عمر کے آخری دور میں ہے اور قیامت کا نظام بہت جلد نمودار ہونے والا ہے۔

قیامت کی ایک علامت، نالائق حکمران

(۶۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا ضُیِّعَتِ الْاَمَانَۃُ فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ قَالَ کَیْفَ اِضَاعَتُھَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ اِذَا اُسْنِدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ۔

(بخاری عن ابی ہریرۃ کتاب الرقاق۔ کتاب العلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا "جب امانت ضائع کردی جائے تو پھر قیامت کا انتظار کرنا" سائل نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کیسے ضائع کردی جائیگی؟ آپؐ نے فرمایا، جب حکومت کی باگ ڈور نااہلوں کے سپرد کردی جائے تو پھر قیامت کا انتظار کرنا۔

تشریح:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت اور اقتدار اللہ کی طرف سے بندوں کے پاس ایک امانت ہے امانت کا تقاضا یہ ہے کہ جو افراد یا گروہ اس کے اہل اور حقدار ہوں اسے ان کی تحویل میں دیا جائے۔ لہذا ظالم، فاسق و فاجر اور بے دین افراد کو حکومت پر مسلط کرنا، امانت میں خیانت کرنا ہے اور یہ بہت بڑا گناہ ہے بین الاقوامی معاملات سے لے کر بلدیہ کی سطح تک حکومت اور اختیارات کی باگ ڈور ایسے نالائق افراد کے ہاتھ میں ہے جن کی سیاسی لغت میں دیانتداری، انصاف خدا کا خوف، خلق کی شرم اور انسانیت کا سراغ تک نہیں ملتا۔ بس اسے ایک بہت بڑے حادثہ کا انتظار ہے جسے قیامت کہتے ہیں۔

یہ روایت صاف طور پر بتاتی ہے کہ قیامت سے پہلے عوام نالائق افراد کو منتخب کریں گے اور صالحین کو مسترد کردیں گے اور اس علامت کے آثار بھی نمایاں ہیں۔

قیامت کی نشانی، ہر شخص کی پریشانی

(۶۲) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَمُرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ الرَّجُلِ فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي مَكَانَهُ۔

(بخاری عن ابی ہریرہ کتاب الفتن مسلم کتاب الفتن مسند احمد نمبر ۷۲۲۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت اس وقت برپا ہوگی جب آدمی قبر سے گزرتے ہوئے یہ تمنا کرے گا کہ کاش میں اس قبر میں ہوتا۔

تشریح:۔ حالات اس حد تک خراب۔ اور ناقابل برداشت ہو جائیں گے کہ ہر شخص موت کو زندگی پر ترجیح دے گا کیونکہ بدامنی، اضطراب اور افراتفری کا دور دورہ ہوگا سیاست، حکومت اور معاشرت بلکہ زندگی کا ہر شعبہ بگاڑ اور طوائف الملوکی کا شکار ہو جائے گا عوام اپنی جان، مال اور آبرو کو ہر وقت غیر محفوظ پائیں گے۔

قیامت سے پہلے حرام و حلال کی تمیز اُٹھ جائے گی

(۶۳) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ أَمِنَ الْحَلَالِ أَمِنَ الْحَرَامِ

(بخاری عن ابی ہریرۃ کتاب البیوع)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا جس میں انسان اپنی کمائی کے معاملہ میں اس بات کی پروا نہیں کرے گا کہ وہ حلال ہے یا حرام۔

تشریح: یعنی قیامت سے پہلے ایک ایسا دور بھی آنے والا ہے کہ انسان رزق کے معاملہ میں حرام اور حلال کی تمیز نہیں کرے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی ہمارے دور پر منطبق ہو رہی ہے۔

میدانِ حشر کی کیفیت

(۶۴) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى أَرْضٍ بَيْضَاءَ عَفْرَاءَ كَقُرْصَةِ النَّقِيِّ لَيْسَ فِيْهَا مَعْلَمٌ لِأَحَدٍ۔

(بخاری کتاب الرقاق، مسلم باب صفۃ القیامۃ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ایک ایسی خاکستری رنگ کی سفید زمین پر جمع کیا جائے گا جو میدے کی روٹی کی طرح ہو گی اس میں کسی کے لیے نشانِ راہ نہ ہو گا۔

تشریح: تخلیقِ آدم سے قیامت برپا ہونے تک جو نسلِ انسانی مختلف براعظموں اور ملکوں میں پیدا ہوئی ہے وہ سب کی سب حشر کے میدان میں جمع کر دی جائے گی قیامت کا یہ حادثہ زمین پر ہو گا لیکن زمین کی موجودہ شکل و صورت کو بدل کر ایک ایسے قالب میں ڈھال دیا جائے گا جس میں کسی پہاڑ، ٹیلے، عمارت، شہر اور سڑک کا نام و نشان نہ ہو گا نشیب و فراز سے ماوراء بالکل صاف اور چٹیل میدان ہو گا۔

قیامت کی ہولناکی

(۶۵) إِنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحْشَرُوْنَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ فَقَالَ الْأَمْرُ أَشَدُّ مِنْ أَنْ يُهِمَّهُمْ ذَاكِ (بخاری کتاب الرقاق، مسلم کتاب الجنۃ۔ ترمذی ابواب التفسیر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا (قیامت کے دن) سب انسانوں کو (ایک میدان میں) جمع کر دیا جائے گا اس حال میں کہ وہ بالکل عریاں، ننگے پاؤں اور بغیر ختنہ کے ہوں گے حضرت عائشہ رضہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس صورت میں تو مرد اور عورتیں ایک دوسرے کو (برہنہ حالت میں) دیکھیں گے حضورؐ نے فرمایا قیامت کی ہولناکی کی وجہ سے کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش نہ ہوگا۔

تشریح :۔ دوسری زندگی کے آغاز میں بالکل وہی کیفیت ہوگی جو ایک بچے کی ماں کے پیٹ سے باہر آنے کے وقت ہوتی ہے، کپڑوں سے بے نیاز بغیر ختنہ کے ننگے پاؤں اپنی اپنی قبروں سے اُٹھ کھڑے ہوں گے پوری نسلِ انسانی کو ایک میدان میں جمع کر دیا جائے گا جواب دہی کے احساس، حساب و کتاب کے خوف اور اللہ تعالیٰ کے جلال کا غیر معمولی رعب کسی دوسرے کے متعلق کچھ سوچنے، کہنے اور کسی کی طرف دیکھنے کی مہلت ہی نہ دے گا انسان اپنی ذات کی فکر کے سوا خارجی ہر فکر سے بے نیاز ہوگا۔

قیامت کے دن اللہ کا جلال

(۶۶) قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطْوِي اللهُ عَزَّ وَجَلَّ السَّمٰوٰاتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَأْخُذُ هُنَّ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى ثُمَّ يَقُوْلُ أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ ؟ ثُمَّ يَطْوِي الْأَرْضَ بِشِمَالِهِ ثُمَّ يَقُوْلُ أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ ؟ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ ؟ (مسلم عن عبداللہ بن عمر باب صفۃ القیامۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑے گا اور فرمائے گا میں بادشاہ ہوں کہاں ہیں وہ ظالم حکمران جو خلق خدا پر اپنی مرضی کو مسلط کرتے

تھے ؟ اور وہ بادشاہ کہاں ہیں جو میری زمین پر اپنی کبریائی کا تخت بچھاتے تھے
پھر وہ زمین کو اپنے بائیں ہاتھ میں لپیٹ کر اعلان فرمائے گا میں بادشاہ ہوں
وہ جابر حکمران کہاں ہیں جو طاقت کے بل بوتے پر عوام کی گردنوں پر مسلّط تھے
اور وہ "متکبر" کہاں ہیں جو مال و دولت پر گھمنڈ کرتے تھے اور اپنے جاہ و
دبدبہ پر اکڑتے تھے۔

تشریح :۔ لیکن دنیا کا کوئی جابر اور ظالم حکمران وہاں سر نہ اٹھا سکے گا رب ذوالجلال کے اس اعلان کا کون بدبخت جواب دے سکتا ہے ؟

زمین اور آسمان کو لپیٹ کر ہاتھوں میں رکھنے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ساری کائنات اس کے قبضۂ قدرت میں ہے، یہ بات اب بھی مسلمہ حقیقت ہے لیکن عالمِ آخرت میں جب سارے حقائق بے نقاب ہوں گے تو یہ بات بھی واضح اور عیاں ہو جائے گی کہ ساری کائنات اس کی حکومت اور قوت کے سامنے سر بسجود ہے اور وہی تنہا اس کا مالک اور بادشاہ ہے۔

قیامت اور سورج

(۶۷) رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ تُدْنَی الشَّمْسُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِنَ الْخَلْقِ حَتّٰی تَکُوْنَ کَمِقْدَارِ مِیْلٍ فَیَکُوْنُ النَّاسُ عَلٰی قَدْرِ اَعْمَالِھِمْ فِی الْعَرَقِ فَمِنْھُمْ مَنْ یَّکُوْنُ اِلٰی کَعْبَیْہِ وَ مِنْھُمْ مَنْ یَّکُوْنُ اِلٰی رُکْبَتَیْہِ وَمِنْھُمْ مَنْ یَّکُوْنُ اِلٰی حَقْوَیْہِ وَمِنْھُمْ مَنْ یُّلْجِمُہُ الْعَرَقُ اِلْجَامًا قَالَ وَاَشَارَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی فِیْہِ۔

(مسلم عن المقداد بن الاسود باب صفۃ القیامۃ۔ ترمذی ابواب القیامۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے قیامت کے دن سورج کو لوگوں کے قریب کر دیا جائے گا یہاں تک کہ ان کے اور سورج کے

درمیان ایک میل کا فاصلہ رہ جائے گا (اس کی تمازت کی وجہ سے) وہ اپنے اعمال کے مطابق پسینہ میں غرق ہوں گے کسی کو پسینہ ٹخنوں تک آئے گا۔ کچھ لوگ گھٹنوں تک پسینہ میں شرابور ہوں گے بعض لوگوں کو کمر تک پسینہ آئیگا (اس حدیث کے راوی حضرت مقداد رضؓ فرماتے ہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کچھ لوگ منہ تک پسینہ میں مستغرق ہوں گے (اور گفتگو نہ کر سکیں گے)

تشریح:۔ سورج کی تمازت اور شدت گرمی کی تاب جون، جولائی کے مہینہ میں بھی نہیں ہوتی جبکہ سورج کرۂ ارض سے کروڑوں میل دور ہے قیامت کے دن تو وہ انسانوں سے ایک میل کے فاصلہ پر اپنی بے پناہ گرمی اور ہوشربا حرارت کے شعلے برسا رہا ہو گا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ "قیامت کے دن (انسانوں سے بہنے والا پسینہ) زمین میں ستر گز نیچے تک چلا جائے گا وہ ان کو لگام دے گا یہاں تک کہ ان کے کانوں تک پہنچ جائے گا" (بخاری کتاب الرقاق مسلم کتاب الجنۃ باب صفۃ القیامۃ)

مطلب یہ ہے کہ حشر کے میدان میں سورج کے قرب اور خلق خدا کے بے پناہ ہجوم کے علاوہ خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے انسانوں اور جنوں کے جسم سے بہت زیادہ پسینہ نکلے گا اپنے اپنے اعمال کے لحاظ سے ان کے پسینہ میں کمی اور زیادتی ہو گی۔ ہر شخص اپنے گناہوں کے مطابق پسینہ کی تکلیف سے دوچار ہو گا۔ عالم آخرت کے معاملات کا ادراک ہمارے حواس کی گرفت میں نہیں آسکتا اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو باتیں بتائی ہیں اور جو خبریں دی ہیں ہم ان پر یقین رکھتے ہیں اور اعتماد کرتے ہیں قیامت کے دن انشاءاللہ تعالیٰ ہم اپنے سر کی آنکھوں سے ان سب حقائق کا مشاہدہ کر لیں گے جو قرآن اور حدیث میں بیان کیے گئے ہیں۔

اللہ کی عدالت میں جوابدہی کا ہمہ گیر تصوّر

(۶۸) رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ اَلْاِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ وَ الرَّجُلُ رَاعٍ فِیْ اَھْلِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ وَ الْمَرْأَۃُ رَاعِیَۃٌ فِیْ بَیْتِ زَوْجِھَا وَمَسْئُوْلَۃٌ عَنْ رَعِیَّتِھَا وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِیْ مَالِ سَیِّدِہٖ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِیْ مَالِ اَبِیْہِ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ وَکُلُّکُمْ رَاعٍ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ (بخاری عن ابن عمر کتاب الجمعۃ۔ کتاب فی الاستقراض کتاب النکاح۔ کتاب الاحکام مسلم کتاب الامارۃ ترمذی ابواب الجہاد ابوداؤد کتاب الخراج)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تم میں سے ہر ایک نگران اور جوابدہ ہے۔

(۱) اسلامی ریاست کا صدر نگران ہے اس سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔

(۲) ہر شخص اپنے بال بچوں کا حاکم ہے اور اپنی ذمہ داریوں کے لیے خدا کے ہاں جوابدہ ہے۔

(۳) عورت اپنے شوہر کے گھر (اور اس کے بچوں) کی ذمہ دار ہے گھر کے انتظام کے سلسلہ میں اس سے باز پرس ہو گی۔

(۴) نوکر اپنے آقا کی اور (۵) بیٹا اپنے باپ کی جائداد کا امین اور محافظ ہے اللہ کے ہاں اس پر ان سے محاسبہ ہو گا۔

(غور سے سنو! تم میں سے ہر ایک (اپنے اپنے دائرہ میں) حاکم اور نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے ان لوگوں کی بابت پوچھا جائے گا جو اس کی نگرانی میں ہیں۔

تشریح :- ملت اسلامیہ کا ہر فرد ذمہ داریوں کی زنجیر میں جکڑا ہوا ہے ہر وہ چیز جو اس کے قبضہ اور تصرف میں ہے اللہ کی طرف سے بخشی ہوئی ایک امانت ہے "بندہ" ہونے کی حیثیت سے وہ اس بات کا پابند ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سپرد کردہ امانتوں میں خیانت نہ کرے بلکہ احتیاط کے ساتھ ان کی نگرانی اور حفاظت میں کوئی دقیقہ اٹھا کر نہ رکھے کیونکہ مرنے کے بعد اللہ کی عدالت میں اس سے ہر اس نعمت، صلاحیت اور طاقت پر بے لاگ باز پرس ہوگی جس کا وہ نگران اور امین تھا۔ "مسلم" کی حیثیت سے انسان اپنے دائرہ کار، قوت اور صلاحیت میں آزاد اور خود مختار نہیں ہے بلکہ وہ دنیا میں ہر اس چیز کا امین اور نگران ہے جو اس کے قبضہ میں ہے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی عدالت میں اس کی ذمہ داری اور نگرانی کا پورا ریکارڈ احتساب کی زد میں آئے گا۔

اسلامی ریاست کے صدر کو صراحت کے ساتھ اور اسلامی حکومت کی انتظامیہ اور عدلیہ کے ہر چھوٹے بڑے حاکم اور عہدہ دار کو ضمناً انتباہ کیا جا رہا ہے کہ تم جس منصب پر فائز ہو اور جس شعبہ کے انچارج ہو نہایت دیانتداری اور خدا ترسی کے ساتھ اس سے عہدہ برا ہونے کی کوشش کرو۔ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں تم سے باز پرس ہوگی۔ اور سوال کیا جائے گا کہ دنیا میں جو ذمہ داری تم نے قبول کی تھی اور جو امانت تمہاری تحویل میں تھی اس کا تم نے حق ادا کیا یا نہیں؟ یہ حدیث بڑی جامع ہے اس کے ایک ایک فقرے میں معانی اور مطالب کا جہان پوشیدہ ہے۔

ہر شخص اپنے بال بچوں کے دین، اخلاق، اصلاح اور تربیت کا نگران ہے اس سے ان کے حقوق کی بابت باز پرس ہوگی بیوی، اپنی عفت اور پاکدامنی، بچوں کی صحیح تربیت، شوہر کی جائداد کی نگرانی اور گھر کے نظام کو سنبھالنے کی ذمہ دار ہے۔ معاشرے میں بناؤ اور بگاڑ کا سارا دارو مدار گھر بلو نظام پر ہے اس لیے میاں بیوی کو ایک دوسرے کے معاملات کا نگران بنایا گیا ہے۔

شوہر کی ذمہ داری معاشی معاملات تک محدود نہیں ہے بلکہ بیوی کے دین، اخلاق اور تقوی کی دیکھ بھال بھی اس کے ذمہ ہے۔

اولاد اپنے ماں باپ کی جائداد میں ان کی مرضی اور اجازت کے بغیر تصرف نہ کرے کیونکہ اس کے محافظ اور نگران ہونے کی وجہ سے قیامت کے دن اسے جوابدہی کے لیے حاضر کیا جائے گا۔

غرضیکہ قیامت کے دن ہر شخص کو اپنی زندگی کا کارنامہ لے کر احتساب کے لیے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہونا پڑے گا۔

پانچ چیزوں کی جواب طلبی

(۶۹) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ عُمْرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ وَعَنْ عِلْمِهٖ فِيْمَا فَعَلَ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا اَنْفَقَهٗ وَعَنْ جِسْمِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ۔

(ترمذی عن ابی برزۃ الاسلمی ابواب القیامۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ کی عدالت سے کوئی شخص ہٹ نہ سکے گا یہاں تک کہ اس سے یہ نہ پوچھ لیا جائے کہ

(۱) اس نے اپنی عمر کس کام میں کھپائی؟

(۲) دین کے علم پر کہاں تک عمل کیا؟

(۳) مال کہاں سے کمایا اور

(۴) اسے کہاں خرچ کیا؟

(۵) اپنے جسم (اور جوانی) کو کس کام میں گھلایا؟

تشریح:۔ انسان ان پانچ باتوں کا صحیح جواب نہیں دے سکتا جب تک کہ وہ دنیا میں خدا کا بندہ بن کر نہ رہے اور زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ کے احکام کی پیروی نہ

نہ کرے۔

مفلس کون ہے؟

(۷۰) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَنِ الْمُفْلِسُ؟ قَالُوْا اَلْمُفْلِسُ فِیْنَا مَنْ لَا دِرْھَمَ لَہٗ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِصَلٰوۃٍ وَصِیَامٍ وَزَکٰوۃٍ وَیَاْتِیْ قَدْ شَتَمَ ھٰذَا وَقَذَفَ ھٰذَا وَاَکَلَ مَالَ ھٰذَا وَسَفَکَ دَمَ ھٰذَا وَضَرَبَ ھٰذَا فَیُعْطٰی ھٰذَا مِنْ حَسَنَاتِہٖ وَھٰذَا مِنْ حَسَنَاتِہٖ فَاِنْ فَنِیَتْ حَسَنَاتُہٗ قَبْلَ اَنْ یُّقْضٰی مَا عَلَیْہِ اُخِذَ مِنْ خَطَایَاھُمْ فَطُرِحَتْ عَلَیْہِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ۔ (مسلم۔ ابوہریرہ۔ کتاب البر والصلۃ ترمذی ابواب القیامۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہمارے ہاں مفلس اسے کہا جاتا ہے جس کے پاس نہ درہم ہو اور نہ کچھ سامان، آپؐ نے فرمایا میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ (کے اجر کا بہت بڑا سرمایہ) لائے گا اس کے باوجود اس نے دنیا میں کسی کو گالی دی تھی، کسی پر زنا کی تہمت لگائی تھی، کسی کا مال کھایا تھا، کسی کو قتل کیا تھا، کسی کی پٹائی کی تھی۔ اس کی نیکیوں کا ثواب مظلوموں کو دیا جائے گا اگر اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں اور مظلوموں کے حقوق باقی رہے تو پھر اُن کے گناہوں کو اس کے اعمالنامہ میں لکھ لیا جائیگا اور پھر اسے آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

تشریح:۔ دنیا میں افلاس، بعض اوقات زندگی میں بھی ختم ہو جاتا ہے ورنہ موت اس کا خاتمہ کر دیتی ہے لیکن آخرت کا افلاس تو انسان کو دوزخ میں پھینک دیتا ہے افلاس، مال کے نہ ہونے کا نام نہیں بلکہ "حقیقی مفلس" وہ ہے جو وہاں نیکیوں کا سرمایہ

لے کر نہ جا سکے یا یہ سرمایہ لے جائے لیکن خلق خدا پر ظلم کرتے اور ان کا حق مارنے کی وجہ سے اپنی نیکیوں کے سرمایہ سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مفلس کی حالت بیان فرمائی ہے جو دنیا میں صاحب جائداد اور مالدار ہونے کے باوجود قیامت کے دن دیوالیہ اور نادار ثابت ہوگا یہ شخص بڑے اہتمام سے روزانہ پانچ وقت کی نمازیں پڑھتا تھا۔ ہر سال رمضان کے مہینہ میں روزے رکھتا تھا ہمیشہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتا تھا۔ لیکن خلق خدا کے ساتھ اس کا رویہ اچھا نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ ہر مظلوم کو اس کی نیکیوں کا اجر عطا فرمائے گا لیکن اگر اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں اور دامنگیروں کے حقوق باقی رہ گئے تو ان کے گناہوں کا بوجھ اللہ تعالیٰ اس ظالم کی پیٹھ پر لاد دے گا پھر یہ بدبخت اپنے اور ان کے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لیے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

بعض دیندار ——— جو اوراد و وظائف سے بہت زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں اللہ نے انہیں شب بیداری کی توفیق بھی بخشی ہے ——— لین دین اور معاملات میں قابل اعتماد نہیں ہوتے۔ خالق کی عبادت کرنے والوں کو چاہیئے کہ وہ خلق کے حقوق پر دست درازی کر کے اپنی عاقبت کو خراب نہ کریں اللہ تعالیٰ مخلوق پر ظلم کرنے والوں کی عبادت بھی قبول نہیں کرتا۔

صدقہ دوزخ کی آگ سے بچاتا ہے

(۱۷) قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِتَّقُوا النَّارَ ثُمَّ اَعْرَضَ وَ اَشَاحَ ثُمَّ قَالَ اِتَّقُوا النَّارَ ثُمَّ اَعْرَضَ وَ اَشَاحَ ثَلٰثًا حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ یَنْظُرُ اِلَیْہَا ثُمَّ قَالَ اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَۃٍ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَبِکَلِمَۃٍ طَیِّبَۃٍ (بخاری عن عدی بن حاتم کتاب الرقاق)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگ سے بچو (یہ بات کہہ کر آنجناب ؐ نے رُخ مبارک پھیر لیا پھر آپ ؐ نے فرمایا "آگ سے بچو" پھر آپ ؐ نے تین

بار رُخ مبارک پھیر لیا یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپؐ آگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا آگ سے بچو" اللہ کی راہ میں صدقہ کرو خواہ آدھی کھجور رہی سہی۔ ہاں جس کا ہاتھ خالی ہو وہ اچھی بات کہہ کر بھی آگ سے بچنے کی کوشش کرے۔

تشریح:۔ مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کی رضا کے لیے حلال کمائی سے خرچ کرو اپنی بساط کے مطابق راہِ خدا میں خرچ کرنے سے دریغ نہ کرو خواہ تمہیں آدھی کھجور ہی میسر آئے۔ اللہ کے دین کو غالب کرنے، اسلامی حکومت کا دفاع کرنے، غریبوں، یتیموں، محتاجوں اور بیواؤں کی اعانت کے لیے مال خرچ کرنے سے انسان آگ کی سزا سے بچ سکتا ہے آنجنابؐ نے آخر میں فرمایا اگر تمہاری جیب خالی ہو تو اچھی بات کہہ کر بھی آگ سے بچنے کی کوشش کرو۔

اچھی بات کے معنی ہیں نیکی کی دعوت دینا، بُرے کاموں سے روکنا اور خوش اخلاقی سے پیش آنا اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں دینے والے کے جذبہ کی قیمت ہوتی ہے خلوصِ دل کے ساتھ ایک کھجور کا ثواب اس قدر ملتا ہے کہ ریاکار ایک لاکھ روپے کی نمائشی خیرات کر کے بھی اس کا تصور نہیں کر سکتا۔ اسے اجر تو کیا ملے گا جذبۂ نمائش پر اسے سزا بھگتنے کے لیے تیار رہنا چاہیئے۔

جنت اور دوزخ ہر انسان کے ہمراہ ہے

(۴۷) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجَنَّةُ اَقْرَبُ اِلٰى اَحَدِكُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ وَالنَّارُ مِثْلُ ذٰلِكَ۔

(بخاری عن عبداللہ بن مسعود کتاب الرقاق)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بہشت اور دوزخ تمہارے جوتے کے تسمہ سے بھی تم سے زیادہ قریب ہے۔

تشریح:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان خدا کی بغاوت اور نافرمانی کی وجہ سے جہنم

کے قریب ہو جاتا ہے، اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے سے بہشت کا مستحق ہو جاتا ہے یہ دونوں طرز عمل انسان کی دسترس سے باہر نہیں ہیں اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی سُنّت یہ ہے کہ انسان اپنی مرضی سے جس راہ کا انتخاب کرے اس پر اسے چلنے کی توفیق ملے گی۔

دوزخ کا تعارف

(۳۷) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ قَطْرَةً مِّنَ الزَّقُّوْمِ قَطَرَتْ فِيْ دَارِ الدُّنْيَا لَاَفْسَدَتْ عَلٰى اَهْلِ الدُّنْيَا مَعَايِشَهُمْ فَكَيْفَ بِمَنْ يَّكُوْنُ طَعَامُهٗ (ترمذی عن ابن عباس ابواب جہنم مسند احمد نمبر ۲۷۳۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی یہ آیت پڑھی۔

اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔

(آل عمران آیت ۱۰۲)

تم اللہ کی نافرمانی سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم زندگی کے ہر معاملہ میں اس کی اطاعت کرنے والے ہو) اور آپؐ نے فرمایا اگر دوزخ کے تھوہر کا ایک قطرہ بھی دنیا میں ٹپک پڑے تو یہاں کے رہنے والوں کا جینا دوبھر ہو جائے تو ان پر کیا بیتے گی جن کی غذا ہی تھوہر ہو گی

تشریح:۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم اللہ کی نافرمانی کرو گے اور مُسلم بن کر نہیں رہو گے تو قیامت کے دن دوزخ میں جا کر تھوہر کا درخت کھانا پڑے گا یہ درخت بے انتہا کڑوا اور بدبودار ہے حلق سے اترتے ہی پیٹ میں کھولنے لگتا ہے جیسے نہایت گرم پانی ہنڈیا میں کھولتا ہے دوزخ کے اس خوفناک اور زہریلے درخت کا

صرف ایک قطرہ ساری دنیا کو عذاب میں گرفتار کر سکتا ہے دوزخ میں جانے والے گناہ گاروں کو یہ زہریلا کھانا غذا میں دیا جائے گا۔

دوزخ کی گہرائی

(۷۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذْ سَمِعَ وَجْبَةً فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتَدْرُوْنَ مَا هٰذَا؟ قَالَ قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ هٰذَا حَجَرٌ رُمِیَ بِهٖ فِی النَّارِ مُنْذُ سَبْعِیْنَ خَرِیْفًا فَهُوَ یَهْوِیْ فِی النَّارِ الْاٰنَ حَتّٰی انْتَهٰی اِلٰی قَعْرِهَا۔

(مسلم کتاب الجنۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جب آپؐ نے ایک دھماکہ سنا تو فرمایا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو سب سے زیادہ علم ہے آپؐ نے فرمایا یہ ایک پتھر ہے جسے جہنم کی آگ میں پھینکا گیا تھا وہ مسلسل ۷۰ برس تک آگ میں گرتا چلا گیا یہاں تک کہ اب یہ اس کی تہ میں جا کر گرا ہے۔

تشریح :- یعنی جہنم کا احاطہ اس قدر وسیع اور گہرا ہے کہ ایک بڑے پتھر کو اس کی گہرائی اور تہ تک پہنچنے میں ۷۰ برس کا عرصہ لگ گیا۔

جہنم کی آگ

(۷۵) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَارُكُمْ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِیْنَ جُزْءًا مِّنْ نَارِ جَهَنَّمَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ كَانَتْ لَكَافِیَةً قَالَ فُضِّلَتْ عَلَیْهِنَّ بِتِسْعَةٍ وَّسِتِّیْنَ جُزْءًا

كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا۔

(بخاری عن ابی ہریرۃ۔ کتاب بدء الخلق۔ مسلم باب جہنم ترمذی ابواب جہنم۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری آگ، دوزخ کی آگ کا سترواں (۱/۷۰) حصہ ہے عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) (مجرموں کا کس بل نکالنے کے لیے) یہ دنیا کی آگ بھی کافی ہے آپ نے فرمایا جہنم کی آگ، اور گرمی، دنیا کی آگ اور گرمی سے انہتر (۶۹) حصے زیادہ ہے۔

دوزخ کی ۷۰ ہزار باگیں

(۷۶) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتَى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لَهَا سَبْعُوْنَ اَلْفَ زِمَامٍ مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ يَجُرُّوْنَهَا۔ (مسلم عن ابن مسعود باب جہنم۔ ترمذی ابواب جہنم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جہنم لائی جائے گی اس کی ۷۰ ہزار باگیں ہوں گی ہر باگ کو ۷۰ ہزار فرشتے کھینچ رہے ہوں گے۔

تشریح:۔ لوگوں کو خوف زدہ کرنے اور دکھانے کے لیے دوزخ کو اس میدان میں لایا جائے گا جہاں ساری مخلوق ٹھہری ہوئی ہوگی۔ جہنم پر کنٹرول کرنے والے فرشتوں کی تعداد چار ارب نوّے کروڑ ہوگی۔

خدا فراموشی کا انجام

(۷۷) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتَى بِالْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُوْلُ لَهٗ اَلَمْ اَجْعَلْ لَكَ سَمْعًا وَّبَصَرًا وَّوَلَدًا وَسَخَّرْتُ لَكَ الْاَنْعَامَ وَالْحَرْثَ وَتَرَكْتُكَ تَرْأَسُ وَتَرْبَعُ

فَكُنْتَ تَظُنُّ أَنَّكَ مُلَاقِيَّ يَوْمَكَ هٰذَا؟ فَيَقُوْلُ لَا فَيَقُوْلُ لَهُ الْيَوْمَ أَنْسَاكَ كَمَا نَسِيْتَنِيْ۔

(ترمذی عن ابی سعید ابواب القیامۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن ایک آدمی اللہ کی بارگاہ میں حاضر کیا جائے گا اللہ اس سے فرمائے گا کیا میں نے تجھے آنکھ اور کان نہیں بخشے تھے؟ کیا میں نے تجھے مال اور اولاد سے نہیں نوازا تھا؟ میں نے کھیتی باڑی اور مویشی تیرے لیے مسخر کر دیئے تھے تو لوگوں پر حکومت کرتا اور ان سے ٹیکس وصول کرتا تھا کیا تو جانتا تھا کہ آج تو مجھ سے ملاقات کرنے والا ہے؟ وہ کہے گا "نہیں" اللہ اس سے فرمائے گا آج میں تجھے فراموش کرتا ہوں جیسا کہ تو نے دنیا میں مجھے فراموش کر دیا تھا۔

تشریح: میں تجھے فراموش کرتا ہوں یعنی تجھے دوزخ کی آگ میں ڈالتا ہوں۔ یہ شخص اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے باوجود مرنے کے بعد اللہ کی عدالت میں حاضر ہو کر حساب دینے کا قائل نہ تھا بلکہ اس کا نظریہ تھا کہ سب کچھ یہی دنیا کی زندگی ہے۔

زمین کی گواہی

(۷۸) قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا" قَالَ أَتَدْرُوْنَ مَا أَخْبَارُهَا؟ قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّ أَخْبَارَهَا أَنْ تَشْهَدَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ بِمَا عَمِلَ عَلٰى ظَهْرِهَا أَنْ تَقُوْلَ عَمِلَ كَذَا وَكَذَا فِيْ يَوْمِ كَذَا وَكَذَا قَالَ بِهٰذَا أَمْرُهَا۔

(ترمذی ابوہریرہ ابواب القیامۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا (الزلزال آیت ۴)

اس روز وہ اپنے اوپر گزرے ہوئے حالات بیان کرے گی۔
اور صحابہؓ سے پوچھا جانتے ہو "حالات بیان کرنے" کا مطلب کیا ہے؟
انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسولؐ ہی اس کو خوب جانتے ہیں۔
آپؐ نے فرمایا
اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین گواہی دے گی کہ "فلاں مرد یا فلاں عورت نے میری پیٹھ پر فلاں دن برا اچھا یا بُرا کام کیا" وہ اللہ ہی حکم سے یہ گواہی دے گی۔

تشریح:- اس سے ثابت ہوا کہ زمین بے شعور نہیں ہے۔ یہ ایک خاص قسم کی زندگی کی حامل ہے قیامت کے دن ہر انسان کے کارناموں پر اس کی گواہی سے انسان پر کیا گزرے گی؟ اس کا تصور ہی لرزا دینے والا ہے۔

دوزخ کی پولیس

(۷۹) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ عُنُقٌ مِّنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهٗ عَيْنَانِ تُبْصِرَانِ وَأُذُنَانِ تَسْمَعَانِ وَلِسَانٌ يَّنْطِقُ يَقُوْلُ إِنِّيْ وُكِّلْتُ بِثَلَاثَةٍ: بِكُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ وَبِكُلِّ مَنْ دَعَا مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا اٰخَرَ وَبِالْمُصَوِّرِيْنَ۔

(ترمذی عن ابی ہریرہ ابواب صفۃ جہنم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن آگ سے ایک گردن باہر آئے گی وہ دو آنکھوں سے دیکھے گی اور دو کانوں سے سنے گی اور زبان سے بات چیت کرے گی وہ ــــ دوزخ سے باہر آتے ہی ــــ کہے گی اللہ تعالیٰ نے مجھے ان تین قسم کے آدمیوں (کو خلق خدا کے سامنے ذلیل و رسوا کرنے اور انہیں دوزخ میں لے جانے) پر مامور کیا ہے۔

(۱) وہ متکبر اور سرکش جو حق سے عناد رکھتا ہو۔

(۲) وہ شخص جو (مصیبت اور تکلیف کے وقت) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو بھی مدد کے لیے پکارے۔

(۳) مصور — جو ذی روح چیزوں کی تصویریں بناتے ہیں —

تشریح:۔ دوزخ سے آگ کا ایک قطعہ، لمبی گردن کی شکل میں نمودار ہو گا وہ ان تین قسم کے مجرموں کو گرفتار کر کے جیل خانہ میں ڈالے گا اور بے شمار گواہوں کے سامنے انہیں ذلیل اور رسوا کرے گا۔

آگ کا حملہ

(۸۰) اِنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْھُمْ مَنْ تَأْخُذُہُ النَّارُ اِلٰی کَعْبَیْہِ وَمِنْھُمْ مَنْ تَأْخُذُہُ النَّارُ اِلٰی رُکْبَتَیْہِ وَ مِنْھُمْ مَنْ تَأْخُذُہُ النَّارُ اِلٰی حُجْزَتِہٖ وَمِنْھُمْ مَنْ تَأْخُذُہُ اِلٰی تَرْقُوَتِہٖ۔ (مسلم عن سمرہ باب جہنم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (دوزخ کی) آگ (قیامت کے دن) بعض لوگوں کے ٹخنے پکڑ لے گی۔ اور کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کے گھٹنوں تک پہنچ جائے گی بعض بدنصیبوں کی کمر بھی اس کے شعلوں کی لپیٹ میں آجائے گی اور بعض لوگ ہنسلی تک آگ میں غرق ہوں گے۔

کفر کی سزا سے نجات ناممکن ہے

(۸۱) اَنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ یُجَاءُ بِالْکَافِرِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَیُقَالُ لَہٗ اَرَأَیْتَ لَوْ کَانَ لَکَ مِلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا اَکُنْتَ تَفْتَدِیْ بِہٖ فَیَقُوْلُ نَعَمْ فَیُقَالُ لَہٗ قَدْ کُنْتَ سُئِلْتَ مَا ھُوَ اَیْسَرُ مِنْ ذَالِکَ۔ (بخاری عن انس بن مالک کتاب الرقاق)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ قیامت کے دن ایک کافر کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لایا جائے گا اس سے کہا جائے گا یہ بتا اگر تیری ملکیت میں اتنا سونا ہو جس سے ساری زمین بھر جائے تو کیا تو اُسے فدیہ میں دینے کے لیے تیار ہے؟

وہ کہے گا ہاں، اس سے کہا جائے گا دنیا میں تجھ سے جو مطالبہ کیا گیا تھا وہ اس سے بہت آسان تھا۔

تشریح:۔ کفر اور شرک کی سزا یہ ہے کہ مجرم کو ہمیشہ دوزخ میں رہنا پڑے گا۔ دنیا میں اس سے صرف یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ اللہ پر ایمان لائے اس کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ لیکن وہ نہ مانا، قیامت کے دن وہ روئے زمین کے برابر سونا فدیہ میں دے کر ایسی سخت اور طویل سزا سے بچنے کے لیے تیار ہو جائے گا بشرطیکہ اس کے پاس اتنی جائداد ہو ـــ وہاں، اتنی جائداد کہاں؟ کوئی شخص ایک پھوٹی کوڑی کا مالک بھی نہ ہو گا۔

جہنم میں عورتیں بکثرت ہوں گی

(۸۲) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ قَالَ اِطَّلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ وَفِي النَّارِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ۔

(بخاری عن عمران بن حصین کتاب الرقاق۔ مسلم عن ابن عباس کتاب الذکر والدعاء ترمذی ابواب جہنم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے بہشت میں نگاہ ڈالی تو پتہ چلا کہ اس میں غریبوں کی کثرت ہے دوزخ میں جھانکنے پر محسوس ہوا کہ اس میں عورتیں بکثرت ہیں۔

تشریح:۔ عورتوں کو چاہیئے کہ وہ ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کریں جس کی وجہ سے انہیں قیامت کے دن دوزخ کا ایندھن بننا پڑے۔

غریبوں کی اکثریت جنّت میں

(۸۱۳) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قُمْتُ عَلٰی بَابِ الْجَنَّۃِ فَکَانَ عَامَّۃُ مَنْ دَخَلَھَا الْمَسَاکِیْنُ وَاَصْحَابُ الْجَدِّ مَحْبُوْسُوْنَ غَیْرَ اَنَّ اَصْحَابَ النَّارِ قَدْ اُمِرَ بِھِمْ اِلَی النَّارِ وَقُمْتُ عَلٰی بَابِ النَّارِ فَاِذَا عَامَّۃُ مَنْ دَخَلَھَا النِّسَاءُ۔

(بخاری عن اسامہ کتاب الرقاق، مسلم کتاب الذکر والدعاء)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں (معراج کی رات) جنت کے دروازہ پر کھڑا ہؤا تو دیکھا کہ اس میں زیادہ تر غریب جا رہے ہیں اور دولت مندوں کو (حساب کے لیے) روک لیا گیا ہے ان میں سے جن کے لیے آگ کی سزا تجویز ہوئی۔ حکم دیا گیا کہ انہیں فوراً جہنم میں لے جاؤ۔ دوزخ کے دروازہ پر میں نے دیکھا کہ اس میں عموماً عورتیں جا رہی ہیں۔

تشریح: ۔معراج کی رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اعمال کی جزا اور سزا کے نظام کا مشاہدہ بھی کرایا گیا بہشت اور دوزخ کے دروازوں پر آپ کی تشریف آوری اس سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔ آپؐ نے دیکھا کہ بہشت میں نادار، کمزور اور غریب لوگ بڑی کثرت سے جا رہے ہیں اللہ کی عدالت میں بڑے بڑے سرمایہ داروں، حکمرانوں اور معززین کی زندگی بھر کے ریکارڈ کی جانچ پڑتال ہو رہی ہے۔

(جانچ پڑتال اور احتساب کا یہ سلسلہ پانچ سو برس تک جاری رہے گا)

ان میں سے بغاوت یا نافرمانی کے جرم میں جنہیں جہنم کی سزا کا فیصلہ سنا دیا گیا وہ فوراً جہنم کی وادی میں پہنچ گئے پھر آپؐ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ دوزخ میں مردوں کے مقابلہ میں عورتیں بڑی کثرت سے جا رہی ہیں۔

اس روئداد سے معلوم ہؤا کہ حکومت، سرمایہ داری، خوشحالی اور وجاہت کے حامل افراد کا اللہ کی عدالت میں بڑا شدید محاسبہ ہو گا ان میں سے جو لوگ احتساب کی

بھٹی میں کھرے ثابت ہوں گے انہیں بہشت میں داخل کیا جائے گا لیکن غریب طبقہ کے صالح افراد ان سے پانچ سو سال پہلے بہشت میں قیام پذیر ہو چکے ہوں گے۔

یہ بات مانی ہوئی ہے کہ غریبوں کو دین پر عمل کرنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق ملتی ہے اگر دین کو غالب کرنے اور حق کی گواہی دینے والا کوئی گروہ ہے تو اس کی اکثریت میں آپ کو نانِ جویں کھانے والے ہی نظر آئیں گے مال و دولت کی کثرت، عیاشی تو سکھاتی ہے لیکن دین کی خدمت کی توفیق کسی کسی کو ہی ملتی ہے زیادہ تر مالدار لوگ لہو و لعب میں ہی مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ایک بہشتی اور ایک دوزخی کے تأثرات

(۸۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتَى بِاَنْعَمِ اَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صَبْغَةً ثُمَّ يُقَالُ يَا ابْنَ اٰدَمَ! هَلْ رَأَيْتَ خَيْرًا قَطُّ؟ هَلْ مَرَّبِكَ نَعِيْمٌ قَطُّ؟ فَيَقُوْلُ لَا وَاللّٰهِ يَارَبِّ وَيُؤْتَى بِاَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِي الدُّنْيَا مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُصْبَغُ صَبْغَةً فِي الْجَنَّةِ فَيُقَالُ لَهٗ يَا ابْنَ اٰدَمَ! هَلْ رَأَيْتَ بُؤْسًا قَطُّ؟ هَلْ مَرَّبِكَ شِدَّةٌ قَطُّ فَيَقُوْلُ لَا وَاللّٰهِ يَارَبِّ مَا مَرَّبِيْ بُؤْسٌ قَطُّ وَلَا رَأَيْتُ شِدَّةً۔ (مسلم عن انس بن مالک باب فی الکفار)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن ایک ایسے جہنمی کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ عیش و راحت میں تھا، اسے دوزخ کی آگ میں غوطہ دیا جائے گا پھر اس سے پوچھا جائیگا کہ اے آدم کے بیٹے! یہ بتا تُو نے کبھی اچھا دور بھی دیکھا ہے؟ تجھ پر کبھی عیش و آرام کا زمانہ آیا ہے؟

وہ جواب دے گا آقا! تیری ذات کی قسم، میں تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا

پھر ایک ایسا "بہشتی" لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ بدحال اور مصیبت زدہ تھا جب اس پر بہشت کی نعمتوں کا رنگ چڑھ جائیگا تو اس سے کہا جائے گا۔

اے فرزند آدم! کیا تو نے کبھی افلاس اور تنگی کا دور دیکھا ہے؟ کیا تو نے مصیبت اور سختی دیکھی ہے؟ وہ کہے گا پروردگار! تیری قسم، میں کبھی محتاج اور تنگدستی میں گرفتار نہیں ہوا میں کسی مصیبت میں مبتلا ہوا ہی نہیں۔

عرش کے سایہ میں کون؟

(۸۵) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ،

إِمَامٌ عَادِلٌ،

وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللّٰهِ،

وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ فِي خَلَاءٍ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ،

وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسْجِدِ،

وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ،

وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ إِلَى نَفْسِهَا قَالَ إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ،

وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا صَنَعَتْ يَمِيْنُهُ

(بخاری عن ابی ہریرہ کتاب الحدود۔ کتاب الزکوٰۃ کتاب الاذان مسلم کتاب الزکوٰۃ۔

ترمذی ابواب الزھد)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سات قسم کے آدمیوں کو اپنے سایہ میں جگہ دے گا اس دن جس دن سوائے اس کے سایہ کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

(۱) منصف حکمران، مثلاً بادشاہ، صدر یا وزیر اعظم (جو عدل کے مطابق حکومت کرتا ہے)

(۲) وہ نوجوان جس کی زندگی اللہ کی عبادت میں گزری۔

(۳) وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا (اس کی محبت یا اس کے ڈر سے) اس کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔

(۴) وہ آدمی جس کا دل مسجد سے لٹکا ہوا ہے (یعنی وہ ہمیشہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے نماز کے بعد جب وہ مسجد سے باہر آتا ہے تو دوسری بار نماز کے لیے مسجد میں جانے کا انتظار کرتا رہتا ہے)

(۵) وہ دو آدمی جو صرف اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں یہی جذبہ ان کو اکٹھا کرتا ہے اور یہی جذبہ لیے ہوئے وہ الگ ہوتے ہیں (وہ کسی دنیوی مفاد کی غرض سے نہیں بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لیے ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں)

(۶) وہ مرد جو کسی اونچے گھرانے کی حسین اور خوبصورت عورت کی دعوتِ عیش کو یہ کہہ کر ٹھکرا دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔

(۷) وہ آدمی جو اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے میں اس حد تک رازداری سے کام لے کہ اس کا بایاں ہاتھ بھی نہ جانتا ہوں کہ دایاں ہاتھ کیا دے رہا ہے۔

"اللہ تعالیٰ سات قسم کے آدمیوں کو اپنے سایہ میں جگہ دے گا"

اس کا مطلب یہ ہے کہ رحمان کریم اپنے ان خاص بندوں کو اپنی

حفاظت اور حمایت میں لے کر ان کی عزت افزائی فرمائے گا۔ اس لیے وہ میدانِ حشر کی گھبراہٹ، بے چینی اور حرارت سے محفوظ رہیں گے۔ اس کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ حشر کے میدان میں جب سورج ایک میل کے فاصلہ سے سخت گرمی برسا کر لوگوں کو پسینہ اور حبس میں مبتلا کر دے گا اس وقت اللہ کے عرش کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہو گا۔ عرش الہٰی کے سایہ میں ان سات قسم کے آدمیوں کو جگہ ملے گی جن کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے۔

جنت کی اہمیت

(۸۶) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْضِعُ سَوْطٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا

(بخاری کتاب الرقاق)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے بہشت میں ایک کوڑے کے برابر جگہ، دنیا اور اس کی ساری دلفریبیوں سے بہتر ہے۔

تشریح:- آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بہشت میں داخل فرمائے گا۔ دنیا کے عیش و آرام مال و دولت اور مسرت و شادمانی کو اخروی زندگی کی نعمتوں سے وہی نسبت ہے جو ذرہ کو آفتاب سے ہے اگر کسی کو دنیا کی دلفریبیوں کے ساتھ ساتھ جنت کا بھی مشاہدہ کرا دیا جائے تو وہ لازماً یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گا کہ بہشت کا گز بھر ٹکڑا پوری دنیا سے بہتر ہے اصل واقعہ یہ ہے کہ "جنت" درحقیقت مالک کا مقامِ رضا ہے۔ ظاہر ہے کہ بندے کو جس جگہ اپنے مالک کی رضا ہر وقت حاصل رہے اس مقام سے بہتر اور کونسا مقام ہو سکتا ہے؟

۷۰ ہزار افراد کا بغیر حساب کے جنت میں داخلہ

(۸۷) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مِنْ اُمَّتِیْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا بِغَیْرِ حِسَابٍ، ھُمُ الَّذِیْنَ لَا یَسْتَرْقُوْنَ، وَلَا یَتَطَیَّرُوْنَ وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ۔

(بخاری عن ابن عباس کتاب الرقاق)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری اُمّت کے ستّر ہزار آدمی بغیر حساب و کتاب کے بہشت میں جائیں گے۔

(اُن کے اوصاف یہ ہیں)

(۱) وہ کسی سے تعویذ لیتے ہیں نہ منتر پڑھوا کر دم کراتے ہیں۔

(۲) اور نہ وہ بدشگونی لیتے ہیں۔

(۳) اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

تشریح:۔ سیدنا "محمد" عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو اللہ تعالیٰ نے اس خاص شرف سے نوازا ہے کہ (۷۰) ہزار امتی اللہ کی عدالت میں احتساب کی غرض سے حاضر ہوئے بغیر بہشت میں داخل ہوں گے۔ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے۔

وہ کون لوگ ہیں؟ اس کا یقینی علم تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ان کی چند ظاہری علامات بتا دی ہیں۔

جنت کی نعمتیں

(۸۸) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰہُ اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ۔

(بخاری عن ابی ہریرۃ کتاب التوحید۔ مسلم فی صفۃ الجنۃ۔ ترمذی ابواب التفسیر)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور کسی کان نے نہیں سنا اور کسی انسان کے دل میں اس کا خیال نہیں گزرا۔

تشریح:۔ بہشت میں اپنے نیک بندوں کو اللہ تعالیٰ ایسی اعلیٰ درجہ کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا کہ دنیا کے رہنے والے اس کا تصور نہیں کر سکتے۔ آج تک کسی انسان نے ان عمارتوں، باغوں اور لذیذ کھانوں، نفیس مشروبات اور خوبصورت بیویوں کا منظر نہیں دیکھا جو بہشت کے احاطہ میں صرف "اہل ایمان" کا منتظر ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ جنت کی روحانی اور جسمانی نعمتوں کا دنیا کے ذہن میں تصور بھی نہیں آسکتا۔

(۸۹) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ زُمْرَةٍ تَلِجُ الْجَنَّةَ صُوَرُهُمْ عَلٰى صُوْرَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَا يَبْصُقُوْنَ فِيْهَا وَلَا يَمْتَخِطُوْنَ. وَلَا يَتَغَوَّطُوْنَ فِيْهَا اٰنِيَتُهُمْ وَاَمْشَاطُهُمْ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَمَجَامِرُهُمْ مِنَ الْاَلُوَّةِ وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ زَوْجَتَانِ يُرٰى مُخُّ سُوْقِهِمَا مِنْ وَّرَاءِ اللَّحْمِ مِنَ الْحُسْنِ، لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَبَاغُضَ قُلُوْبُهُمْ قَلْبٌ وَاحِدٌ يُسَبِّحُوْنَ اللّٰهَ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا۔ (مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب الجنۃ۔ بخاری کتاب بدء الخلق)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو گروہ بہشت میں سب سے پہلے داخل ہوگا اس کے افراد (سر سے پاؤں تک روشنی، سفیدی اور خوبصورتی میں) چودھویں کے چاند کی طرح ہوں گے، انہیں تھوک نہیں آئیگی۔ ان کی ناک سے غلیظ پانی (رینٹ) نہ بہے گا۔ جنت میں قضاء حاجت کی

نوبت نہ آئے گی۔ ان کے برتن اور کنگھیاں سونے چاندی کی ہوں گی۔ ان میں سے ہر ایک کی دو ایسی خوبصورت بیویاں ہوں گی جن کی پنڈلیوں کا گودا (ہڈی، جلد اور) گوشت سے باہر نظر آئے گا۔ ان (جنتیوں) میں نہ تو کسی قسم کا اختلاف ہو گا اور نہ وہ ایک دوسرے سے نفرت اور دشمنی کریں گے ان کے باہمی تعلقات کو دیکھ کر کہنا پڑے گا کہ ان کے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہیں وہ لوگ صبح شام اللہ کی تسبیح کریں گے۔

تشریح:۔ جو جماعت سب سے پہلے جنت میں جائے گی اس کے افراد چودھویں رات کے چاند کی طرح خوبصورت اور روشن ہوں گے اور ان کے بعد جو لوگ بہشت میں جائیں گے وہ آسمان میں چمکتے ہوئے خوبصورت ستارے کی مانند روشن ہوں گے"

بہشت کی نہایت صاف ستھری اور پاکیزہ فضا میں کوڑا کرکٹ، غلاظت اور میل کچیل کا نام و نشان بھی نہ ہو گا کسی سے بول و براز نکلے گا نہ کسی کی ناک سے غلیظ پانی بہے گا۔ بہشت کے پاکیزہ ماحول میں کسی قسم کا اختلاف اور جھگڑا نہ ہو گا۔ ان کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار ہوں گے۔ وہاں ایک دوسرے کے خلاف حسد، دشمنی اور عداوت کا تصور بھی نہ کیا جا سکے گا۔ غرضیکہ وہ سوسائٹی نفرت، بغض، کینہ اور اس طرح کے گندے اخلاق سے پاک ہو گی۔

دنیا میں جو عورت، مؤمن کی بیوی ہے وہ بہشت میں بھی اس کی بیوی کی حیثیت سے رہے گی۔ اس کے علاوہ وہ دو خوبصورت اور نہایت حسین کنواری لڑکیوں سے شادی کرے گا۔

اہلِ جنت کی معاشرت

(۹۰) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ يَأْكُلُوْنَ فِيْهَا وَيَشْرَبُوْنَ وَلَا يَتْفِلُوْنَ وَلَا

يَبُوْلُوْنَ۔ وَلَا يَتَغَوَّطُوْنَ وَلَا يَمْتَخِطُوْنَ قَالُوْا فَمَا بَالُ الطَّعَامِ؟ قَالَ جُشَاءٌ وَ رَشْحٌ كَرَشْحِ الْمِسْكِ يُلْهَمُوْنَ التَّسْبِيْحَ وَالتَّحْمِيْدَ كَمَا يُلْهَمُوْنَ النَّفَسَ۔

(مسلم کتاب الجنۃ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ بہشت میں کھانے پینے کا سلسلہ جاری رہے گا وہ نہ تھوکیں گے اور نہ پیشاب پاخانہ کریں گے ان کی ناک سے غلیظ پانی بھی نہ بہے گا۔ صحابہؓ نے پوچھا، کھانے پینے کا فُضلہ کہاں جائے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک ڈکار اور مشک کی طرح خوشبودار پسینہ (سے سب کچھ ہضم ہو جائے گا) سانس لینے کی طرح ان کے دلوں میں "تسبیح اور تحمید" القاء کی جائے گی۔

تشریح:۔ باغ بہشت کی نہایت شستہ اور مہذب سوسائٹی غلاظت، بدبو سڑاند اور گندگی سے پاک ہو گی۔ ایک ڈکار سارے کھانے کو ہضم کر دے گا اور سارے مشروبات کا فُضلہ پسینہ کی راہ سے نکل جائے گا۔ عربی زبان میں "تسبیح" کے معنی ہیں سبحان اللہ کہنا۔ اللہ تعالیٰ کو ہر عیب اور کمزوری سے پاک قرار دینا، یہ سمجھنا اور کہنا کہ وہ ہر نقص اور برائی سے منزہ ہے۔ ہر وقت اور ہر معاملہ میں اس کی اطاعت اور تابعداری میں تیز گام ہونا۔

"تحمید" کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی ہر نعمت پر شکر کا اظہار کرنا، اس کی صفات اور اقتدار کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی تعریف میں رطب اللسان ہونا۔

اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ اہل بہشت بغیر کسی خارجی دباؤ اور تبلیغ کے طبعاً اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں نہایت تیز رفتار ہوں گے خدا کے ذکر اور حمد و ثناء میں ان کی زبانیں زمزمہ سنج ہوں گی۔ سبحان اللہ کی صدا سے سارا بہشت

گونج اُٹھے گا اور وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور مہربانیوں کا شکریہ ادا کرتے رہیں گے۔

سانس لینا ہر جاندار کی ضرورت ہے اگر ہوا نہ ہو اور سانس کی آمد و رفت کا سلسلہ منقطع ہو جائے تو وہ ایک منٹ کے لیے بھی زندہ نہ رہ سکے۔ اسی طرح "تسبیح اور تحمید" اہل جنت کی طبعی اور فطری ضرورت بن جائے گی۔ اس کے بغیر وہ زندہ ہی نہ رہ سکیں گے اصل واقعہ یہ ہے کہ روح اللہ تعالیٰ پر عاشق ہے اس کا محبوب حقیقی صرف "اللہ" ہے مادی زندگی میں گناہوں کی کثافت اور عفونت سے ہم نے روح کے تقاضوں کو دبا رکھا ہے جنت میں ہر طرح کی کثافتوں اور غلاظتوں سے روح پاک ہو گی۔ پھر وہ کھل کر اپنے محبوب حقیقی سے اظہار الفت کرے گی، اس کی تسبیح اور تحمید اللہ تعالیٰ سے اظہار محبت کی ایک صورت ہے۔

بہشت میں افلاس اور بڑھاپا نہ ہو گا

(۹۱) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُنَادِي مُنَادٍ اِنَّ لَكُمْ اَنْ تَصِحُّوْا فَلَا تَسْقَمُوْا اَبَدًا وَاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَحْيَوْا فَلَا تَمُوْتُوْا اَبَدًا وَاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَشِبُّوْا فَلَا تَهْرَمُوْا اَبَدًا وَاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَنْعَمُوْا فَلَا تَبْاَسُوْا اَبَدًا فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ عَزَّ وَجَلَّ وَنُوْدُوْا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ (مسلم عن ابی سعید الخدری کتاب الجنۃ)

نبی صلی اللہ علیہ نے فرمایا منادی کرنے والا (بہشت میں) اعلان کرے گا کہ (اے جنتیو!) اب تم ہمیشہ زندہ رہو گے تم پر موت کبھی نہ آئے گی اب تم ہمیشہ تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ پڑو گے۔ تمہارے شباب اور جوانی کی بہاروں پر کبھی بڑھاپے کی خزاں نہ آئے گی ہمیشہ عیش و آرام کے سایہ میں خدا کی نعمتوں سے بہرہ ور رہو گے اب ناداری اور

مصیبت کا دور تم پر کبھی نہ آئے گا۔ یہ وہی بات ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے۔

وَنُوْدُوْا اَنْ تِلْکُمُ الْجَنَّۃُ اُوْرِثْتُمُوْھَا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔

(اعراف آیت ۴۳)

اس وقت ندا آئے گی کہ یہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو تمہیں ان اعمال کے بدلے میں ملی ہے جو تم کرتے رہے تھے۔

تشریح:۔ بہشت کی زندگی قابل صد رشک ہے۔ بیماری آئے نہ بڑھاپے کا حملہ ہو موت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہمیشہ جوانی کی مسرتوں سے لطف اندوزی اور عیش و آرام کا رہن سہن میسر آئے گا ایک اور حدیث میں ہے۔

جو شخص جنت میں آئے گا وہ خوش حال ہو گا۔ افلاس اور مصیبت سے کبھی دوچار نہ ہو گا۔ اس کا لباس کبھی بوسیدہ نہ ہو گا۔ اور اس کی جوانی کبھی زائل نہ ہو گی۔

(مسلم کتاب الجنۃ)

اہلِ جنت کا حُلیہ

(۹۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَھْلُ الْجَنَّۃِ جُرْدٌ مُرْدٌ کَحْلٰی لَا یَفْنٰی شَبَابُھُمْ وَلَا تَبْلٰی ثِیَابُھُمْ

(ترمذی عن ابی ہریرہ ابواب الجنۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہشت والوں کے بدن پر نہ بال ہوں گے اور نہ داڑھی مونچھ ہو گی۔ ان کی آنکھیں سرمگیں ہوں گی ان کی جوانی کبھی ختم نہ ہو گی۔ ان کے کپڑے کبھی پرانے اور بوسیدہ نہ ہوں گے۔

تشریح:۔ بہشت کی زندگی بڑی پُر بہار اور فرحت بخش ہو گی بدن کے کسی حصہ پر ایک بال بھی نہ ہو گا۔ مردوں کے چہرے پر داڑھی ہو گی نہ مونچھ۔

جوانی سدا بہار ہو گی۔ بیماری، کمزوری اور بڑھاپے کا وہاں کوئی وجود نہیں ہے البتہ مردوں اور عورتوں کے سروں پر خوبصورت بال ضرور ہوں گے کیونکہ حدیث (نمبر ۸۹) میں سونے چاندی کی کنگھیوں کا بہشت میں پایا جانا ثابت کرتا ہے کہ سر پر بال ضرور ہوں گے۔

دیدارِ الٰہی

(۹۳) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ اٰنِيَتُهُمَا وَمَا فِيْهِمَا وَجَنَّتَانِ مِنْ ذَهَبٍ اٰنِيَتُهُمَا وَمَا فِيْهِمَا وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ اَنْ يَّنْظُرُوْا اِلٰى رَبِّهِمْ اِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِيَاءِ عَلٰى وَجْهِهٖ فِيْ جَنَّةِ عَدْنٍ۔

(مسلم عن عبداللہ بن قیس کتاب الایمان۔ بخاری کتاب التفسیر)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بہشت کے دو باغ ایسے ہیں کہ ان کی ہر چیز چاندی کی ہے یہاں تک کہ ان کے برتن بھی چاندی کے ہیں اور دو باغ ایسے ہیں کہ ان کی ہر چیز سونے کی ہے یہاں تک کہ ان کے برتن بھی سونے کے ہیں بہشت عدن میں لوگوں کو اللہ کے دیدار سے کوئی چیز روکنے والی نہ ہو گی سوائے اس کے کہ اللہ رب العالمین کے "چہرے" پر "بڑائی کی چادر" کا نقاب ہو گا۔

تشریح:۔ یہ بات مسلّم ہے کہ قیامت کے دن بہشت میں اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ کے دیدار سے یقیناً شادکام ہوں گے۔ یہ ایک ایسی عظیم الشان اور فرحت بخش نعمت ہو گی کہ عالم آخرت کی ساری نعمتیں اس کے مقابلہ میں معمولی اور ہیچ نظر آئیں گی اس حدیث میں "چہرے" سے ذات اور "بڑائی کی چادر" سے عظمت مراد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کو اپنے رب کے دیدار سے روکنے والی اگر کوئی چیز ہو گی تو وہ ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا رعب لیکن اللہ کریم عدن میں اس حجاب کو اٹھا کر بے تاب نگاہوں

کو اپنے دیدار سے شاد کام فرمائیں گے۔

بہشت میں اللہ کا دیدار

(۹۴) خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا لَا تُضَامُّوْنَ فِيْ رُؤْيَتِهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْهُ مَرْفُوْعًا إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عِيَانًا۔ (بخاری عن جریر بن عبداللہ کتاب التوحید)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چودھویں کی رات کو باہر تشریف لائے اور فرمایا تم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھو گے جیسے اب چاند کو دیکھ رہے ہو تم اس کے دیدار میں ایک دوسرے سے نہیں الجھو گے (ہر شخص اطمینان سے اللہ کے دیدار سے شاد کام ہوگا) ایک دوسری روایت میں ہے کہ تم اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔

تشریح:۔ بہشت میں اللہ جل شانہ کی بے پایاں رحمت کا دریا بڑے جوش میں ہوگا۔ ہر خواہش پوری ہوگی۔ وہاں کسی انسان کو یہ شکایت نہ ہوگی کہ اس کی فلاں آرزو کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکا۔ منہ مانگیں مرادیں بر آئیں گی لیکن ان سب نعمتوں سے بڑھ کر دو اور نعمتیں ایسی ہیں کہ جنہیں اپنے دامن میں پاکر اہل ایمان انتہائی مسرور ہوں گے۔

(۱) رحمان کی رضامندی اور خوشنودی کا مستقل پروانہ

(۲) اللہ رب العالمین کا دیدار

(۹۵) عَنْ صُهَيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى:

تُرِيدُونَ شَيْئًا أَزِيدُكُمْ؟ فَيَقُولُونَ أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوهَنَا؟ أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ؟ وَتُنَجِّيْنَا مِنَ النَّارِ قَالَ فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ فَمَا أُعْطُوا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَى رَبِّهِمْ۔

(مسلم کتاب الایمان)

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اہل جنت، بہشت کے اندر آئیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا بتاؤ اور کیا چاہتے ہو؟ تمہیں عطا کروں وہ عرض کریں گے مالک! کیا آپ نے ہمیں سرخرو نہیں کیا؟
مزید کرم نوازی یہ ہے کہ آپ نے ہمیں آگ کی سزا سے نجات دے کر بہشت میں داخل فرمایا ہے پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ پردہ اٹھائیں گے (اور اپنے دیدار سے مشرف فرمائیں گے) ان کی نگاہ میں اپنے رب کا دیدار (جنت کی سب نعمتوں سے بڑھ کر) محبوب ہو گا۔

موت کے خاتمہ کا اعلان

(۹۶) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَارَ أَهْلُ الْجَنَّةِ إِلَى الْجَنَّةِ وَأَهْلُ النَّارِ إِلَى النَّارِ جِيءَ بِالْمَوْتِ حَتّٰى يُجْعَلَ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ ثُمَّ يُذْبَحُ ثُمَّ يُنَادِيْ مُنَادٍ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ لَا مَوْتَ وَيَا أَهْلَ النَّارِ لَا مَوْتَ فَيَزْدَادُ أَهْلُ الْجَنَّةِ فَرَحًا إِلَى فَرَحِهِمْ وَيَزْدَادُ أَهْلُ النَّارِ حُزْنًا إِلَى حُزْنِهِمْ

(بخاری عن ابن عمر کتاب الرقاق مسلم باب جہنم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب "اہل جنت" بہشت میں اور "اہل جہنم" دوزخ میں اپنے اپنے ٹھکانوں پہنچ جائیں گے تو موت کو دوزخ اور بہشت کے درمیان ایک مقام پر لا کر ذبح کر دیا جائے گا پھر

منادی کرنے والا یہ اعلان کرے گا "بہشت میں رہنے والے خوش بختو! اب تم میں سے کسی پر موت حملہ آور نہ ہوگی (کیونکہ اسے ذبح کر دیا گیا ہے) یہ اعلان سنتے ہی ان کی خوشیاں اور مسرتیں بام عروج تک پہنچ جائیں گی (پھر یہ اعلان کرے گا کہ) دوزخیو تم پر موت کبھی نہ آئے گی (ہمیشہ جہنم کی وادی میں دھکے کھاتے رہو) اس اعلان سے اہل جہنم پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے۔

تشریح:۔ موت کے معنی ہیں روح کا جسم سے الگ ہونا۔ دوزخ اور بہشت میں ہمیشہ کے لیے رہنا ہے موت کا قانون ختم کر دیا جائے گا۔ پھر اس کے بعد کسی جاندار پر موت نہ آئے گی۔

رضامندی کا تمغہ

(۷۰) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ یَقُوْلُ لِاَھْلِ الْجَنَّۃِ یَا اَھْلَ الْجَنَّۃِ! یَقُوْلُوْنَ لَبَّیْکَ رَبَّنَا وَسَعْدَیْکَ فَیَقُوْلُ ھَلْ رَضِیْتُمْ؟ فَیَقُوْلُوْنَ وَمَا لَنَا لَا نَرْضٰی وَقَدْ اَعْطَیْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِکَ فَیَقُوْلُ اَنَا اُعْطِیْکُمْ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِکَ قَالُوْا یَا رَبِّ، وَاَیُّ شَیْءٍ اَفْضَلُ مِنْ ذٰلِکَ؟ فَیَقُوْلُ اُحِلُّ عَلَیْکُمْ رِضْوَانِیْ فَلَا اَسْخَطُ عَلَیْکُمْ بَعْدَہٗ اَبَدًا۔ (بخاری عن ابی سعید الخدری کتاب الرقاق مسلم کتاب الجنۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا بہشت والو! وہ عرض کریں گے پروردگار! ہم حاضر ہیں اور آپ کے ہر فرمان کی تعمیل کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اللہ فرمائے گا کیا تم خوش اور مطمئن ہو؟ وہ عرض کریں گے کیا ہم اب بھی راضی نہ ہوں آپ نے تو ہمیں ایسی نعمتوں سے نوازا ہے جو آپ کی خلق میں سے کسی کے

حصہ میں نہیں آئیں۔ اللہ فرمائے گا میں تمہیں اس سے بہتر انعام دینا چاہتا ہوں۔ وہ عرض کریں گے آقا! اس سے بہتر انعام اور کیا ہو سکتا ہے؟ اللہ فرمائے گا میں تمہیں اپنی "رضامندی" کا تمغہ دینا چاہتا ہوں میں اب کبھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔

تشریح:۔ جنت میں اعلیٰ درجہ کی بے شمار نعمتوں پر اظہار اطمینان کے بعد اہل جنت کو رضائے الٰہی کا تمغہ بارگاہ رب العزت سے عنایت فرمایا جائے گا۔

آخرت میں اللہ کی رحمت

(۹۸) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ فَمِنْهَا رَحْمَةٌ بِهَا يَتَرَاحَمُ الْخَلْقُ بَيْنَهُمْ وَ تِسْعَةٌ وَّتِسْعِيْنَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

(مسلم عن سلمان الفارسی کتاب التوبہ۔ بخاری عن ابی ہریرہ کتاب الادب و کتاب الرقاق)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی رحمت کے ایک سو حصے ہیں اس کی رحمت کے صرف ایک حصہ کا کرشمہ ہے کہ خلق خدا ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے (اور اللہ کی رحمت کے) ننانوے حصوں کا ظہور قیامت کے دن ہو گا۔

تشریح:۔ جنوں، انسانوں، چوپایوں، پرندوں اور جنگلی جانوروں کی زندگی پر ذرا غور کرو، ماں کو اپنی اولاد سے کتنا پیار ہے؟ چڑیا اپنے نوزائیدہ بچے کے منہ میں خوراک کیوں ڈالتی ہے؟ مصیبت زدہ اور مظلوم کی ہمدردی پر انسان کیوں مجبور ہے؟ دوستوں اور رشتہ داروں کی موت پر آنکھیں اشکبار کیوں ہو جاتی ہیں؟ بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں ہمدردی، غم گساری، احسان اور محبت کی کارسازیاں رحمان کی رحمت کا سایہ ہیں یہ اللہ کی رحمت کا پرتو اور اس کا

صرف ایک حصہ ہے اس کی رحمت کے ننانوے حصوں کو قیامت کے دن ظاہر ہونا ہے۔

جنت کی عمارت

(۹۹) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مِمَّ خُلِقَ الْخَلْقُ؟ قَالَ مِنَ الْمَاءِ قُلْنَا اَلْجَنَّۃُ مَا بِنَاءُھَا؟ قَالَ لَبِنَۃٌ مِنْ ذَھَبٍ وَلَبِنَۃٌ مِنْ فِضَّۃٍ وَمِلَاطُھَا الْمِسْکُ الْاَذْفَرُ وَحَصْبَاؤُھَا اللُّؤْلُؤُ وَالْیَاقُوْتُ وَتُرْبَتُھَا الزَّعْفَرَانُ مَنْ یَدْخُلُھَا یَنْعَمُ وَلَا یَبْأَسُ وَیَخْلُدُ وَلَا یَمُوْتُ وَلَا تَبْلٰی ثِیَابُھُمْ، وَلَا یَفْنٰی شَبَابُھُمْ۔ (مشکوۃ کتاب الفتن باب صفۃ الجنۃ واھلھا)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) مخلوق کو کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ فرمایا، پانی سے ہم نے عرض کیا جنت کی عمارت کس چیز کی ہے؟ آپؐ نے فرمایا سونے، چاندی کی اینٹوں سے تیار کی گئی ہے اس کی تعمیر میں مہکتی ہوئی خالص مشک کا گارا استعمال کیا گیا ہے۔ اس کی کنکریاں (جو نہروں میں، سڑکوں پر اور دوسری جگہوں میں پائی جاتی ہیں وہ) موتی اور یاقوت ہیں اور اس کی مٹی زعفران (کی طرح نرم و نازک، خوشبودار اور زرد) ہے جو شخص اس میں جائے گا وہ عیش و آرام سے رہے گا سختی اور مصیبت سے دوچار نہ ہوگا وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اس پر کبھی موت نہ آئے گی، ان کے کپڑے پرانے نہ ہوں گے اور ان کی جوانی کبھی ختم نہ ہو گی۔

تشریح: جنت کی عمارت لکڑی، پتھر اور مٹی کی اینٹوں سے نہیں بنی بلکہ بعض جنتیں تو صرف سونے کی اینٹوں سے تیار کی گئی ہیں اور بعض جنتوں کی عمارت میں صرف چاندی کی اینٹیں لگائی گئی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ حسن اور تنوع پیدا

کرنے کے لیے بعض جنتوں کی تعمیر میں سونے اور چاندی کی ملی جُلی اینٹیں استعمال کی گئی ہوں۔

"اُن کی جوانی کبھی ختم نہ ہو گی" اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ جوان رہیں گے، ان پر کبھی بڑھاپا نہ آئے گا۔ ایک اور حدیث میں بتایا گیا ہے کہ وہ تیس سال کے پیٹے میں ہوں گے۔

دیدارِ الٰہی کا اجتماعی پروگرام

(۱۰۰) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَسُوْقًا يَأْتُوْنَهَا كُلَّ جُمُعَةٍ فَتَهُبُّ رِيْحُ الشِّمَالِ فَتَحْثُوْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ وَثِيَابِهِمْ فَيَزْدَادُوْنَ حُسْنًا وَجَمَالًا فَيَرْجِعُوْنَ اِلٰى اَهْلِيْهِمْ وَقَدْ اِزْدَادُوْا حُسْنًا وَجَمَالًا فَيَقُوْلُ لَهُمْ اَهْلُوْهُمْ وَاللّٰهِ لَقَدْ اِزْدَدْتُمْ بَعْدَنَا حُسْنًا وَجَمَالًا فَيَقُوْلُوْنَ وَاللّٰهِ لَقَدْ اِزْدَدْتُمْ بَعْدَنَا حُسْنًا وَجَمَالًا۔ (مسلم عن انس کتاب الجنۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہشت میں لوگ ہر جمعہ کو ایک بازار (یعنی اجتماع گاہ) میں آئیں گے تو شمال سے ایک ایسی ہوا چلے گی جو ان کے چہرے (یعنی سارے بدن) اور لباس پر مشک اور دوسری خوشبوئیں بکھیر دے گی اس سے ان کا حسن و جمال بڑھ جائے گا (اجتماع گاہ سے فارغ ہو کر جب) وہ گھر لوٹیں گے تو اپنے گھر والوں کو پہلے سے زیادہ حسین و جمیل پائیں گے، گھر والے ان سے کہیں گے:

"اللہ کی قسم! اب تو تم پہلے سے زیادہ حسین اور خوبصورت لگتے ہو"

وہ ان سے کہیں گے، اللہ کی قسم! ہمارے جانے کے بعد تمہارے حسن و جمال نے بھی تو بہت ترقی کی ہے۔

تشریح:- بازار سے ایسا بازار مراد نہیں ہے جس میں خرید و فروخت کا سلسلہ ہوتا

ہے بلکہ یہ ایک ایسی "اجتماع گاہ" کے معنی میں ہے جس میں اہل جنت اللہ تعالیٰ (محبوب حقیقی) کے دیدار کے لیے ہر جمعہ کو حاضر ہوتے رہیں گے۔

"جمعہ" کے معنی ہیں ہفتہ کے اوقات کی مقدار، کیونکہ وہاں سورج نہ ہونے کی وجہ سے دن، رات اور ایام کا یہ نظام نہ ہوگا جس سے دنیا میں ہمیں واسطہ پڑتا ہے۔

جنت میں اوقات اور دنوں کی تعیین کا نظام کیا ہوگا؟

یہ پردۂ غیب میں ہے ان حقائق کا انکشاف آخرت میں ہوگا۔

باب چہارم

اللہ پر ایمان

اللہ پر ایمان کے معنی

(۱۰۱) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْ لِيْ فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ؟ قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔ (مسلم کتاب الایمان)

حضرت سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اسلام کے سلسلہ میں ایک ایسی بات کی تلقین فرمائیے کہ میں آپؐ کے بعد کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کروں؟ آپؐ نے فرمایا کہو "میں اللہ پر ایمان لایا" پھر (مضبوطی کے ساتھ اپنے اس مسلک پر) جم جاؤ۔

تشریح:۔ "میں اللہ پر ایمان لایا" یعنی میں یہ نظریہ رکھتا ہوں کہ زمین و آسمان اور ساری کائنات کا مالک، معبود اور بادشاہ صرف اللہ ہی ہے وہی مشکل کشا حاجت روا اور کارساز ہے۔ ساری کائنات میں تنہا اسی کا اقتدار ہے اس نظریہ کے مطابق زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کی پیروی کروں گا اور اس کے نازل کردہ ضابطۂ حیات کی اطاعت کروں گا اور اس سے کبھی پیچھے نہیں ہٹوں گا۔

"جم جاؤ" کا مفہوم یہ ہے کہ تم کبھی نظریۂ توحید سے انحراف نہ کرو اور مرتے دم تک اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اطاعت میں سرگرم رہو اور اس کی نافرمانی سے ہمیشہ اور ہر وقت اجتناب کرتے رہو۔ ان لوگوں کے اولیاء اللہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے "جو اللہ پر ایمان لانے" کے بعد جرأت اور مستقل مزاجی کے ساتھ اس کے تقاضوں کو پورا کرنے میں منہمک رہتے ہیں۔

بندوں پر اللہ کا حق

(۱۰۲) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُ اِلَّا مُؤْخِرَةُ الرَّحْلِ، فَقَالَ يَا مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ! قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ، ثُمَّ سَارَ سَاعَةً، ثُمَّ قَالَ يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ! قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ وَسَعْدَيْكَ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ! قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ هَلْ تَدْرِيْ مَا حَقُّ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى الْعِبَادِ؟ قَالَ قُلْتُ: اَللهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ حَقَّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ اَنْ يَعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا: ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ! قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ هَلْ تَدْرِيْ مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ اِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ؟ قُلْتُ اَللهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ اَنْ لَّا يُعَذِّبَهُمْ۔ (مسلم کتاب الایمان۔ بخاری کتاب اللباس۔ کتاب الرقاق)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا۔ میرے اور آپؐ کے درمیان صرف کجاوہ کا پچھلا حصہ حائل تھا (یعنی آپؐ کے قریب بیٹھا ہوا تھا) آپؐ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں اور آپؐ کے فرمان مبارک کی تعمیل کرنے کے لیے تیار ہوں۔

تھوڑی دیر چلنے کے بعد آپؐ نے پھر پکارا "اے معاذ بن جبل" میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) غلام حاضر ہے کیا حکم ہے؟ (لیکن آپؐ نے کچھ نہ فرمایا اور خاموش رہے) اور کچھ دیر چلنے کے بعد آپؐ نے پھر پکارا: اے معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں حاضر ہوں آپؐ حکم دیں میں تعمیل کروں گا آپؐ نے فرمایا "تم جانتے ہو اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے"؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں آپؐ نے فرمایا

اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ "وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ ٹھہرائیں" پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپؐ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا حضور! غلام حاضر ہے، ارشاد فرمائیے آپؐ نے فرمایا جانتے ہو بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے جب وہ اس کی بندگی کریں اور کسی کو اس کا ساجھی نہ بنائیں میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں آپؐ نے فرمایا ان کا حق یہ ہے کہ وہ انہیں سزا نہ دے۔

تشریح:۔ قیامت کے دن آدمی دوزخ کے عذاب سے نجات نہیں پا سکتا تاوقتیکہ وہ دنیا میں صرف اللہ کی عبادت نہ کرے اور کسی دوسرے کو اس کا ساجھی قرار نہ دے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ پرستش اور پوجا، نذر و نیاز، طواف اور سجدہ کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور زندگی کے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں بھی اسی کی اطاعت کی جائے۔ اور بندگی سوائے اللہ کے اور کسی کے لیے نہ ہونی چاہیئے۔

لذت ایمان کے اسباب

(۱۰۲) قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَجِدُ اَحَدٌ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانِ
حَتّٰی یُحِبَّ الْمَرْءَ لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا لِلّٰہِ
وَحَتّٰی اَنْ یُّقْذَفَ فِی النَّارِ اَحَبُّ اِلَیْہِ مِنْ اَنْ یَّرْجِعَ اِلَی الْکُفْرِ
بَعْدَ اِذْ اَنْقَذَہُ اللّٰہُ
وَحَتّٰی یَکُوْنَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا سِوَاھُمَا

(بخاری عن انس کتاب الادب باب الحب فی اللہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص ایمان کی شیرینی کو حاصل نہیں کر سکتا یہاں تک کہ (اس میں تین صفتیں پائی جائیں۔

ان میں سے پہلی یہ ہے کہ)

• وہ اپنے مسلمان بھائی سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے۔

اور دوسری صفت یہ ہے کہ

• کفر کی طرف لوٹنے سے وہ آگ میں پھینکے جانے کو زیادہ پسند کرے۔ بعد اس کے کہ اللہ نے اسے کفر سے نجات دی ہے۔

اور تیسری صفت یہ ہے کہ

• اسے سب سے زیادہ محبت اللہ اور اس کے رسول سے ہو۔

تشریح:- وہ مسلمان بھائی سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذاتی اغراض کی بنا پر دوستی کا قائل نہ ہو بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لیے ہر اس شخص سے محبت کرے جو اللہ کی بندگی اور اطاعت میں مخلص ہو اللہ کے احکام کی پیروی کرتا ہو۔ اس کا باغی اور نافرمان نہ ہو خدا کے دین کو اختیار کر چکا ہو اور اسے دنیا میں غالب کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

جو لوگ اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے اور نیکیوں کو غالب کرنے کا کام کرتے ہیں وہ شمع حق کے پروانوں سے صرف اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں ان کے باہمی تعلقات انتہائی خوشگوار ہوتے ہیں۔

دوسری صفت کا مفہوم یہ ہے کہ اسے کفر (بغاوت اور نافرمانی) سے سخت نفرت ہوتی ہے اگر اس سے کہا جائے کہ کفر اختیار کرو ورنہ دھکتی ہوئی آگ میں پھینک دیئے جاؤ گے تو وہ شرح صدر سے یہ فیصلہ کرے گا کہ

کفر کے طریقہ پر چلنے سے تو میں آگ میں جانے کو ترجیح دیتا ہوں۔

تیسری صفت یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے سب سے زیادہ محبت کرے اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول کے حکم، فیصلے اور قانون پر ہر حال میں عمل کرے چاہے اس کے نتیجہ میں اسے کسی قسم کا نقصان اور خسارہ برداشت کرنا پڑے اللہ اور رسول ﷺ نے جن کاموں کو پسند نہیں کیا دل میں ان سے نفرت کرے اور عملاً ان کو چھوڑ دے اور جن کاموں کو اللہ اور رسول ﷺ نے پسند کیا

ہے ان پر خوش دلی سے عمل کرے۔

جس شخص میں یہ تین صفتیں پائی جائیں اس کا دل اور روح ایمان کی لذت سے سرشار ہوتا ہے، اور اللہ کی راہ میں آنے والی سختیوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنے سے اس کی طبیعت کو نشاط حاصل ہوتا ہے۔

ایمانِ کامل کی علامت

(۱۰۴) عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ: مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ۔

(ابوداؤد عن ابی امامہ کتاب السنۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کے "کامل ایمان" ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے جس کی دوستی اور دشمنی اللہ کے لیے ہو اور جو مال خرچ کرنے اور نہ کرنے میں اللہ کی رضا کو ملحوظ رکھتا ہو۔

تشریح: مومن کی زندگی کا نصب العین "اللہ کی رضا کا حصول ہے"، اسے نہ تو ستائش کی تمنا ہوتی ہے نہ صلہ کی پروا، وہ کسی سے جڑتا ہے تو ذاتی اغراض سے مجبور ہو کر نہیں بلکہ اس لیے کہ اللہ کے دین کا مفاد اسی سے وابستہ ہے۔ وہ کسی سے کٹتا ہے تو اپنے وقار اور ذوق کی بنا پر نہیں بلکہ محض اللہ کی رضا کے لیے۔ وہ اپنی کمائی ہوئی دولت کو خرچ کرنے میں اللہ کی رضا کو مقدم سمجھتا ہے، کتنا، کہاں اور کب خرچ کرنا ہے؟ اس معاملہ میں وہ اللہ کے قانون کا پابند ہوتا ہے اور اس پابندیٔ قانون میں نمود و نمائش کے جذبے سے بے نیاز محض اللہ کی رضا اس کا مطمح نظر ہوتی ہے وہ اس کام پر اپنی جیب سے ایک پیسہ بھی صرف نہیں کرتا جس پر خرچ کرنے سے اللہ کی ناراضگی کا اندیشہ ہو۔

اللہ کا ذکر

(۱۰۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ۔ (مسلم کتاب الحیض)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ کو یاد کرتے تھے۔

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری زندگی خدا کی اطاعت اور یاد کا پیکر تھی، آپؐ نے ہر لمحہ اور ہر موقع پر مختلف عنوانوں سے اللہ کو یاد کیا یہاں تک کہ بیت الخلاء میں جاتے اور اس سے لوٹنے پر بھی اللہ کا ذکر ہو رہا ہے دعا اور ذکر کے نقطۂ نظر سے اگر سیرت پاک کا مطالعہ کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اور ہر وقت اللہ سے دعا کرتے اور ذکر و حمد میں مشغول رہتے تھے۔

اللہ کو یاد رکھنے کا انعام

(۱۰۶) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ، وَأَنَا مَعَهٗ حِيْنَ يَذْكُرُنِيْ، إِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ، وَإِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَإٍ ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَإٍ هُمْ خَيْرٌ مِنْهُمْ، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا. وَإِنْ أَتَانِيْ يَمْشِيْ أَتَيْتُهٗ هَرْوَلَةً۔

(مسلم عن ابی ہریرہ۔ کتاب الذکر و الدعاء مسند احمد نمبر ۷۴۱۶ بخاری کتاب التوحید)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق برتاؤ کرتا ہوں۔ میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جس وقت وہ مجھے یاد کرتا ہے، اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے

تو میں اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اور اگر وہ معزز گروہ میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس سے بہتر گروہ میں اسے یاد کرتا ہوں۔

اور اگر وہ ایک بالشت مجھ سے قریب ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔ اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب آتا ہے تو میں ایک باع (تقریباً چھ فٹ کا ایک باع ہوتا ہے) اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔ اور اگر وہ میرے ہاں چل کر آتا ہے تو میں اس کے ہاں دوڑ کر جاتا ہوں۔

تشریح:۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مجھے یاد کرتا ہے میں اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا بلکہ اس کی مدد کرتا ہوں، میری رحمت اور نگاہِ کرم اس پر سایہ افگن ہوتی ہے

جو شخص تنہائی میں خلوص اور محبت سے مجھے یاد کرتا ہے میں اسے وہ انعام دیتا ہوں جو میرے سوا کسی کے علم میں نہیں ہوتا۔

اگر وہ اچھے انسانوں کے سامنے میرا ذکر کرتا ہے تو میں بہترین فرشتوں کے سامنے اس کے حق میں کلمۂ خیر کہتا ہوں اور اسے اپنا بنا لیتا ہوں۔

بندہ میرا قرب حاصل کرنے کے لیے میری اطاعت میں جس حد تک سرگرمی دکھاتا ہے میری رحمت اور کرم، اس سے کئی گنا زیادہ فیاضی کا مظاہرہ کرتا ہے "اللہ کو یاد کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ بندہ، خدا کے حق میں اپنی خود مختاری سے دستبردار ہو جائے، ہر حال میں اس کی اطاعت کرے زبان اس کی حمد و ثنا میں زمزمہ سنج ہو اور دل اس کی محبت سے معمور ہو۔ اللہ کو ہمیشہ یاد رکھنے والے کسی وقت بھی اس کی نگاہِ کرم سے محروم نہیں ہوتے۔

اللہ تعالیٰ کا قرب اور محبت موقوف ہے انسان کے اس رویہ پر کہ وہ اللہ کی اطاعت میں کس قدر سرگرم ہے اور اس کے دین کو غالب کرنے کے لیے کتنا زور لگاتا ہے؟

"میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق برتاؤ کرتا ہوں"۔
اگر وہ اچھا گمان رکھتا ہے تو میں اس کے ساتھ مہربانی کرتا ہوں اور اگر وہ مایوس ہو جاتا ہے تو پھر بس اسے نظر انداز کر دیتا ہوں۔

انسان کی فلاح اور بھلائی کا تقاضا ہے کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت اسے اللہ کی رحمت سے پُر امید ہونا چاہیئے۔ جب اسے گناہوں سے توبہ کرنے اور اللہ سے مغفرت چاہنے کی توفیق ملے تو اسے باور کرنا چاہیے کہ رحمان کریم نے اس کی توبہ قبول فرمالی ہے اور اس کی خطاؤں کو معاف کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں الحاح وزاری سے دستِ سوال پھیلاتے وقت اسے اپنی دعا کے قبول ہونے کا یقین ہونا چاہیئے۔

اللہ کے ذکر کی اہمیت

(۱-۷) قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰہِ مَلَائِکَۃً سَیَّاحِیْنَ
فِی الْاَرْضِ فُضُلًا عَنْ کُتَّابِ النَّاسِ فَاِذَا وَجَدُوْا قَوْمًا یَذْکُرُوْنَ
اللّٰہَ تَنَادَوْا ھَلُمُّوْا اِلٰی بُغْیَتِکُمْ فَیَجِیْئُوْنَ فَیَحُفُّوْنَ
بِھِمْ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا فَیَقُوْلُ اللّٰہُ
اَیَّ شَیْءٍ تَرَکْتُمْ عِبَادِیْ یَصْنَعُوْنَ؟
فَیَقُوْلُوْنَ تَرَکْنَاھُمْ یَحْمَدُوْنَکَ وَیُمَجِّدُوْنَکَ وَ
یَذْکُرُوْنَکَ
فَیَقُوْلُ: ھَلْ رَاَوْنِیْ
فَیَقُوْلُوْنَ: لَا
فَیَقُوْلُ: فَکَیْفَ لَوْ رَاَوْنِیْ
فَیَقُوْلُوْنَ: لَوْ رَاَوْکَ لَکَانُوْا اَشَدَّ تَحْمِیْدًا وَتَمْجِیْدًا
وَذِکْرًا۔

فَيَقُوْلُ: فَاَيَّ شَيْءٍ يَطْلُبُوْنَ؟

فَيَقُوْلُوْنَ: يَطْلُبُوْنَ الْجَنَّةَ

فَيَقُوْلُ: وَهَلْ رَأَوْهَا؟

قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ: لَا

فَيَقُوْلُ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟

فَيَقُوْلُوْنَ: لَوْ رَأَوْهَا كَانُوْا اَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا وَاَشَدَّ طَلَبًا

قَالَ فَيَقُوْلُ: وَمِنْ اَيِّ شَيْءٍ يَتَعَوَّذُوْنَ؟

فَيَقُوْلُوْنَ مِنَ النَّارِ

فَيَقُوْلُ: وَهَلْ رَأَوْهَا؟

فَيَقُوْلُوْنَ: لَا

قَالَ فَيَقُوْلُ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟

فَيَقُوْلُوْنَ: لَوْ رَأَوْهَا كَانُوْا اَشَدَّ مِنْهَا هَرَبًا وَاَشَدَّ مِنْهَا خَوْفًا

قَالَ فَيَقُوْلُ: اِنِّيْ اُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ

قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ: فَاِنَّ فِيْهِمْ فُلَانًا الْخَطَّاءَ لَمْ يُرِدْهُمْ اِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ

فَيَقُوْلُ: هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ

(مسند احمد عن ابی ہریرۃ نمبر ۷۴۱۸ - بخاری کتاب الدعوات مسلم کتاب الذکر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتوں کے علاوہ اللہ کے کچھ فرشتے زمین کی سیر کرتے ہیں (ان کی سیاحت بے مقصد نہیں ہوتی بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی مجلسوں کو تلاش کرنے کے لیے زمین کا کونہ کونہ چھانتے پھرتے ہیں) جب وہ اللہ کو یاد کرنے

والوں کو دیکھتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں "آجاؤ" تمہارا مقصد پورا ہو گیا۔ وہ (سب فرشتے) آتے ہی اللہ کا ذکر کرنے والوں کو اپنے نورانی پروں سے آسمانِ دنیا تک ڈھانپ لیتے ہیں (یہاں سے فارغ ہو کر جب وہ آسمان میں پہنچ جاتے ہیں تو)

اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے (حالانکہ وہ اپنے بندوں کو ان سے زیادہ جانتا ہے) تم کہاں سے آئے ہو؟ اور) تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: ہم زمین سے آرہے ہیں ہم نے آپ کے بندوں کو دیکھا ہے) وہ تیری تعریف کر رہے تھے تیری بزرگی اور عظمت کا اعتراف کر رہے تھے اور تیری یاد میں مشغول تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟

فرشتے عرض کرتے ہیں جی نہیں

پھر اللہ ان سے سوال کرتا ہے میرے فرشتو! بتاؤ اگر میرے ان بندوں نے مجھے دیکھا ہوتا؟

تو پھر ان کا کیا حال ہوتا

فرشتے عرض کرتے ہیں:۔ پھر تو وہ بہت زیادہ آپ کی عظمت کا اعتراف کرتے اور

آپ کی تعریف کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے اور آپ کے ذکر میں جد و جہد کرتے

پھر اللہ ان سے فرماتا ہے وہ کس چیز کی درخواست کرتے ہیں؟

فرشتے عرض کرتے ہیں: وہ بہشت طلب کرتے ہیں

اللہ فرماتا ہے کیا انہوں نے اسے دیکھا ہے؟

فرشتے عرض کرتے ہیں "جی نہیں"

پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے اگر وہ اسے دیکھ لیں تو ان کا رویہ کیا ہو

فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ اسے دیکھ لیں تو ان کی طلب اور بھی شدید
ہو جائے اور
اس کے حصول کی تمنا اور بھی بڑھ جائے
پھر اللہ ان سے فرماتا ہے اچھا یہ بتاؤ وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں ؟
فرشتے عرض کرتے ہیں دوزخ کی آگ سے
اللہ ان سے پوچھتا ہے کیا انہوں نے دوزخ کا مشاہدہ کیا ہے ؟
فرشتے عرض کرتے ہیں "جی نہیں"
اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتا ہے اگر ان لوگوں نے اسے (اپنی
آنکھوں سے) دیکھا ہوتا
تو ان پر کیا گزرتی ؟
اس سوال کے جواب میں فرشتے کہتے ہیں : اگر انہوں نے آگ کا مشاہدہ
کیا ہوتا تو اس سے
بہت زیادہ ڈرتے اور اس سے بھاگنے کی کوشش کرتے۔
(اس ساری روداد کے بعد)
اللہ تعالیٰ (فرشتوں سے) کہتا ہے تم گواہ رہو کہ میں نے ان بندوں کو معاف
کر دیا ہے (انہیں جنت عطا کی ہے اور دوزخ سے بھی پناہ دے دی ہے)
فرشتے عرض کرتے ہیں : پروردگار! ان میں فلاں شخص (جو کہ بڑا ہی سخت
گناہ گار ہے)
بھی ہے وہ ذکر کی مجلس میں شرکت کی غرض سے شامل نہیں ہوا بلکہ وہ
تو اپنے ذاتی کام کے ارادے سے اس مجلس میں آیا تھا
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میاں جانے دو یہ ایک ایسا گروہ ہے جن کا ہمنشین
بدنصیب نہیں ہوتا محض ان کی ہمنشینی کی وجہ سے اسے بھی نوازا جاتا ہے۔

تشریح : (۱) اس سے معلوم ہوا کہ سیاح فرشتے ، اللہ کا ذکر کرنے والوں کی تلاش

ہیں زمین کا چپہ چپہ چھانتے پھرتے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو بہت پسند فرماتا ہے جو اس کی یاد اور حمد وثنا کرتے ہیں اس کی عظمت کا اقرار اور اعتراف کرتے ہیں۔

(۳) بہشت طلب کرنا اور دوزخ کی آگ سے پناہ چاہنا تقویٰ اور روحانیت کے منافی نہیں ہے۔

(۴) "ذکر اللہ" کے بنیادی کلمات کا ترجمہ یہ ہے

(الف) سُبْحَانَ اللہِ میں اقرار اور اعلان کرتا ہوں کہ اللہ ہر عیب، نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔

(ب) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، اس کی ظاہری اور باطنی نعمتوں پر میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔

(ج) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ نہیں کوئی حاکم، معبود اور بادشاہ مگر اللہ، نہیں کوئی حاجت روا، مشکل کشا اور آقا مگر اللہ، ہم سب اس کے بندے، غلام اور محکوم ہیں، اس کی رعیت ہیں اور اس کے محتاج اور مملوک ہیں۔

(د) اَللہُ اَکْبَرُ اللہ سب سے بڑا ہے کائنات میں کوئی اس سے بڑا نہیں سارا جہان اس کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہے

(ہ) لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ اللہ کی مدد کے بغیر انسان نہ تو گناہ اور غلطی سے بچ سکتا ہے اور نہ نیکی کر سکتا ہے۔

(و) سُبْحَانَ اللہِ وَبِحَمْدِہٖ میں اللہ کی تعریف کرتے ہوئے اس بات کا اعتراف اور اعلان کرتا ہوں کہ وہ ہر طرح کی کمزوری اور غلطی سے پاک ہے۔

(۵) قرآن مجید کی تلاوت اور اس میں غور و فکر کرنے، قرآن مجید کے ترجمہ اور تفسیر لکھنے اور پڑھانے پر بھی "ذکر" کا اطلاق ہوتا ہے۔ جو شخص قرآن مجید پر عمل کرتا ہے اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے۔

خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز (چاہے فرض ہو یا نفل) ادا کرنا بھی اللہ کے ذکر کی عملی صورت ہے۔

(۶) قرآن اور حدیث میں اللہ کی یاد کرنے والوں کو نہایت شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔ مگر اس سلسلہ میں چند آداب کا لحاظ بہت ضروری ہے اور سچی بات یہ ہے کہ ان آداب کو نظر انداز کر کے جو لوگ "ذکر" کرتے ہیں وہ اس اجر اور انعام کے یقیناً مستحق نہیں ہیں جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسول نے کیا ہے پہلا ادب یہ ہے کہ ذکر اور ورد کے ان الفاظ اور صیغوں کو معمول بنایا جائے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور جن اذکار کی تعداد متعین ہے اس کا لحاظ کیا جائے اگر کسی ورد کو کسی خاص وقت میں پڑھنے کا ثبوت ہے تو اسے بھی ملحوظ رکھا جائے دوسرا ادب یہ ہے کہ اوراد و اذکار بلا سوچے سمجھے زبان سے ادا نہ کیے جائیں بلکہ پورے شعور اور فہم کے ساتھ معمولات ادا کیے جائیں۔ زبان سے نکلا ہوا جملہ، دل اور ذہن کی توجہ سے بہت مؤثر ہوتا ہے غرضیکہ ذہن کی یکسوئی اور قلبی توجہ کے ساتھ ذکر کرنا چاہیے تیسرا ادب یہ ہے کہ حرام خوری سے مکمل پرہیز کیا جائے بلکہ رزق حاصل کرنے کے ان تمام وسائل اور ذرائع کو بھی چھوڑ دیا جائے جو ناجائز اور حرام ہیں۔

چوتھا ادب یہ ہے کہ ان اوراد و اذکار کے ساتھ زندگی کا ہم آہنگ ہونا بہت ضروری ہے۔ عملاً فسق و فجور اور خدا کی بغاوت کرنے والوں کو وہ مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا جو اس حدیث اور دوسری روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ زبان سے اللہ کے ذکر، اس کے شکر اور اس کی عظمت کے اعتراف کا منطقی تقاضا یہ ہے کہ انسان، زندگی میں اللہ سے غفلت، اس کی نعمتوں کی ناقدری اور اس کی نافرمانی سے مکمل اجتناب کرنے کی کوشش کرے۔ اگر آدمی اپنی عملی زندگی میں اللہ کا وفادار بندہ بن کر رہے اور زبان سے اذکار مسنونہ کا ورد کرے تو لازماً وہ فوائد حاصل ہوں گے جو اس طرح کی روایات سے ثابت ہیں بڑے

ہی نادان ہیں وہ لوگ جو اسلام کے احکام کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرنے کے باوجود ان حدیثوں کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں جن میں خاص اوراد اور اذکار مسنونہ کے فضائل ومنافع کا وعدہ ہے لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ "مرکب نسخہ" کے مفردات اگرچہ فرداً فرداً طبعی خاصیت رکھتے ہیں لیکن اس کا صحیح نفع اس وقت حاصل ہوتا جب کہ نسخہ کے سب اجزاء (ہر چیز اپنی مقدار کے لحاظ سے ہو) سے مرکب تیار کر کے استعمال کیا جائے، اور ان تمام چیزوں سے "پرہیز" کیا جائے جو اس نسخہ کے اثرات کو زائل کر دیتے ہیں

اللہ کا ذکر روح کی غذا ہے

(۱۰۸) قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ رَبَّہٗ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ

(بخاری عن ابی موسیٰ کتاب الدعوات)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے رب کو یاد کرتا ہے وہ زندہ کی مانند ہے اور جو شخص رب کو یاد نہیں کرتا وہ مردہ کی مانند ہے۔

تشریح:۔ اللہ کا ذکر روح کی غذا ہے، روح کو اس سے مسرت، لطافت اور قوت حاصل ہوتی ہے اور جسم سے جدا ہونے کے بعد جب یہ عالم بالا میں پہنچتی ہے تو وہاں اس کا استقبال کیا جاتا ہے، یہ ان کے لیے اجنبی اور غیر مانوس نہیں ہوتی رہی ہے وہ لوگ جو سرے سے اپنے مالک کو یاد ہی نہیں کرتے، گناہوں کی کثافت سے ان کی روح کو زنگ لگ جاتا ہے، مسلسل غفلت اور معصیت کی وجہ سے اس پر مردنی اور افسردگی چھا جاتی ہے اور وہ بے حد کمزور ہو جاتی ہے، موت کے بعد اس قسم کے لوگوں کی ارواح کو آسمان میں خوش آمدید نہیں کہا جاتا۔ بلکہ زمین کی طرف دھکیل دی جاتی ہیں اور جرائم پیشہ افراد کے حوالات میں انہیں محبوس کر دیا جاتا ہے۔

اب ہم اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تلقین فرمودہ اذکار بیان کرتے ہیں۔

(۱) رات کو بستر پر سوتے وقت

اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۳۴ بار۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ ۳۳ بار۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۳۳ بار کہنا چاہیئے

(بخاری، مسلم)

(۲) سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ

صبح کو ۱۰۰ بار اور شام کو ۱۰۰ بار کہنا چاہیئے۔ (بخاری، مسلم)

(۳) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○

(۴) سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ (مسلم)

(۵) لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ (بخاری)

(۶) سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ (بخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمبر ۴، ۵، اور ۶ کے ورد کرنے کا نہ تو کوئی خاص وقت مقرر فرمایا ہے اور نہ ان کی تعداد کا تعین فرمایا ہے لیکن آپؐ نے فرمایا ہے۔

"کہ یہ کلمات اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں اور بہت زیادہ فضیلت کے حامل ہیں"

ہر شخص اپنی فرصت اور استطاعت کے مطابق ان کلمات کا ورد کرتا رہے، ذکر الٰہی سے دلچسپی رکھنے والے اگر ان تینوں کلمات یا ان میں سے کسی ایک کلمہ کی خاص تعداد مقرر کر کے اسے اپنا معمول بنالیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(۷) ہر نماز کے بعد

سُبْحَانَ اللّٰہِ ۳۳ بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۳۳ بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۳۴ بار

(بخاری)

(اگر یہ نہ ہوسکے تو پھر)

(۸) سُبْحَانَ اللہِ ۱۰بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۱۰بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۱۰بار (بخاری)

ہر نماز کے بعد کہنا چاہیئے

(۹) سُبْحَانَ اللہِ وَبِحَمْدِہٖ عَدَدَ خَلْقِہٖ وَرِضَاءَ نَفْسِہٖ وَزِنَۃَ عَرْشِہٖ وَمِدَادَ کَلِمَاتِہٖ (مسلم) روزانہ تین بار کہنا چاہیئے۔

(۱۰) صبح و شام ـــــ سُبْحَانَ اللہِ سو سو بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سو سو بار لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ سو سو بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ سو سو بار کہنا چاہیئے (ترمذی)

دنیاوی مشاغل اور ذکر اللہ

(۱۰۹) رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ

قَالَ قَتَادَةُ: كَانَ الْقَوْمُ يَتَبَايَعُوْنَ وَيَتَّجِرُوْنَ وَلٰكِنَّهُمْ اِذَا نَابَهُمْ حَقٌّ مِنْ حُقُوْقِ اللهِ لَمْ تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ حَتّٰى يُؤَدُّوْهُ اِلَى اللهِ

(بخاری کتاب البیوع)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ (النور آیت ۳۷)

(ایسے لوگ ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے اور اقامتِ نماز و ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کر دیتی)

حضرت قتادہ رحمہ اللہ (تابعی) کہتے ہیں صحابہؓ ایک دوسرے کے ساتھ لین دین اور تجارت کرتے تھے لیکن کسی قسم کا کاروبار اور لین دین انہیں خدا کی یاد سے غافل نہیں کر سکتا تھا جب بھی اللہ کے حق نے ان سے

مطالبہ کیا کسی تأمل کے بغیر انہوں نے اللہ کا حق ادا کر دیا ان کے کاروبار نے حق ادا کرنے میں کسی طرح کی رکاوٹ نہ ڈالی۔ خرید و فروخت کرنے کی وجہ سے انہوں نے کبھی اللہ کی یاد سے غفلت نہ کی۔

تشریح: صحابہ کرامؓ کی زندگی کا یہی نمونہ ہمیں بتاتا ہے کہ اسلام میں خدا کو یاد کرنے کے راہبانہ تصور کی کوئی گنجائش نہیں ہے، ذکرِ الٰہی نام ہے زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ کی ہدایت کے مطابق بھرپور حصہ لینے کا۔ سب سے بڑا "ذاکر" وہ ہے جو کاروبار اور معاملات میں کھرا اور راستباز ہو، دنیا کے بازار میں کسی وقت بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو۔ لین دین کی گہما گہمی میں اس سے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کرنا ہو جو دنیا کے ان معاملات میں خدا کو ہر وقت یاد رکھے وہی حقیقی دیندار ہے۔

اللہ سے ہر چیز مانگو

(۱۱۰) إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِيَسْأَلْ أَحَدُكُمْ رَبَّهٗ حَاجَتَهٗ حَتّٰى يَسْأَلَهُ الْمِلْحَ وَحَتّٰى يَسْأَلَهٗ شِسْعَ نَعْلِهٖ إِذَا انْقَطَعَ (ترمذی عن ثابت البنانی ابواب الدعوات)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص اپنی حاجت برآری کے لیے "اپنے رب" سے سوال کرے یہاں تک کہ نمک بھی اللہ تعالیٰ سے مانگے اور جب اس کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اس سے مانگے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ انسان خدا کے سوا کسی کے سامنے دستِ سوال نہ پھیلائے، اپنی ہر ضرورت اور مشکل کو حل کرنے کے لیے صرف اللہ سے رجوع کرے۔

خلقِ خدا سے بے نیازی اور اللہ کی بارگاہ میں سراپا فقر و عاجزی" توحید" کا

بنیادی تقاضا ہے نظریۂ توحید کی غیرت تو یہ بھی گوارا نہیں کرتی کہ جوتے کا تسمہ یا نمک کا ٹکڑا بھی غیر اللہ سے مانگا جائے۔

اللہ سے نہ مانگنے والے پر اللہ کی ناراضگی

(۱۱۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ مَنْ لَّمْ يَسْأَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ (ترمذی عن ابی ہریرہ ابواب الدعوات)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ناراض ہوتا ہے اس شخص پر جو اس سے نہیں مانگتا۔

تشریح :۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ہر طرح کی نعمتوں کے لازوال خزانوں کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اگر بندہ اپنی ضرورت کے لیے اللہ کو چھوڑ کر اس کے کسی بندے کے دروازے پر دستک دیتا ہے تو یوں سمجھیئے کہ اس نے خدا کے غضب کو دعوت دی کیونکہ اسے جس کے دروازے پر کاسۂ گدائی لے کر جانا چاہیئے تھا اس سے اس نے منہ موڑ کر ایک ایسے شخص کو اپنی محتاجی کی داستان سنائی۔ جو خود تہی دست ہے اور ہر معاملہ میں اللہ غنی کا دست نگر ہے۔

انسان سے سوال کیا جائے تو وہ ناراض ہوتا ہے کیونکہ دینے کے لیے اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے اس لیے اگر وہ کسی سائل سے غصہ کرتا ہے تو اس میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں ہے۔

اگر اللہ سے سوال نہ کیا جائے تو وہ ناراض ہوتا ہے کیونکہ ہر سائل اور محتاج کی ہر حاجت اور ضرورت کا انتظام صرف وہی کر سکتا ہے ہر چیز کے نہ ختم ہونے والے خزانوں کا تنہا مالک بھی وہی ہے اور وہ بے انتہا غنی اور سخی ہے۔

اگر کوئی حاجت مند اللہ رب العالمین سے نہ مانگے تو کہاں جائے؟ بلکہ جو شخص اللہ سے نہیں مانگتا وہ اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ خدا کی رحمت سے بے نیاز ہے اس کی طلب اور مانگ کسی دوسری جگہ سے

پوری ہوسکتی ہے حالانکہ جو شخص اللہ کے سوا کسی دوسرے سے مانگتا ہے تو وہ دوسرا بھی اپنی حاجات کے لیے اللہ تعالیٰ کا ہی محتاج ہے اور اسی سے اپنی حاجات پوری کرتا ہے۔

صرف اللہ سے مانگو

(۱۱۲) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَ اِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ۔ (ترمذی عن ابن عباس ابواب الزھد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مانگو تو اللہ سے مانگو اور جب تم مدد چاہو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔

تشریح: سب خزانوں کا تنہا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کی مخلوق میں سے کسی کے پاس کچھ بھی نہیں ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم جب اور جو کچھ مانگو تو اللہ سے مانگو جس کے خزانوں کی کوئی انتہا نہیں ہے جب کسی انسان کے پاس کچھ ہے ہی نہیں تو وہ دے گا کیا؟ تم اگر مصیبت میں پھنس گئے ہو اور تمہیں کسی کی مدد مطلوب ہو تو مدد کے لیے صرف اللہ کی بارگاہ میں اپنا ہاتھ پھیلاؤ وہ تمہاری مدد کرے گا کائنات میں خدا کے سوا کسی اور میں یہ طاقت ہی نہیں ہے کہ وہ کسی کی مدد کر سکے مصیبتوں کو ٹال سکے، کسی کو نفع دے یا کسی کا کچھ بگاڑ سکے۔

نفع اور ضرر صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے

(۱۱۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ قَالَ كُنْتُ رَدِيْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا غُلَامُ اَلَا اُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهِنَّ؟
فَقُلْتُ بَلٰى، فَقَالَ
اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ أَمَامَكَ،
تَعَرَّفْ اِلَيْهِ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ

وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ
قَدْ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ،
فَلَوْ اَنَّ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ جَمِيْعًا اَرَادُوْا اَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ
لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ
وَإِنْ اَرَادُوْا اَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ
لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ
وَاعْلَمْ اَنَّ فِي الصَّبْرِ عَلٰى مَا تَكْرَهُ خَيْرًا كَثِيْرًا
وَاَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ وَاَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ
وَاَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (مسند احمد ۴-۲۸۰)

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ فرماتے ہیں میں ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھا تھا، آپؐ نے فرمایا: اے لڑکے! میں تجھے ایسی باتیں نہ سکھاؤں جن سے تجھے اللہ نفع دے؟ میں نے عرض کیا "ہاں" آپؐ نے فرمایا

(۱) تو اللہ تعالیٰ کو یاد کر وہ تجھے یاد کرے گا۔

(۲) تو اللہ تعالیٰ کو یاد رکھ تو اس کو اپنے سامنے پائے گا۔

(۳) خوشحالی کے زمانہ میں تو اسے تلاش کر کے پہچان لے، وہ مصیبت کے وقت تیری دستگیری فرمائے گا۔

(۴) اور جب تو مانگے تو اللہ سے مانگ۔

(۵) اور جب تو (مصیبت کے وقت) مدد طلب کرے تو اللہ سے مدد طلب کر۔

(۶) اور جو کچھ ہونا ہے وہ (اللہ کے علم میں) طے ہو چکا ہے۔

(۷) اگر ساری مخلوق تجھے نفع دینا چاہے (لیکن) اللہ نے اسے (تیری قسمت میں) نہیں لکھا تو وہ اپنی کوششوں کے باوجود تجھے نفع نہیں دے

سکے گی۔

(۸) اگر وہ سب مل جل کر تجھے نقصان پہنچانا چاہیں لیکن اللہ نے اسے (تیری قسمت میں) نہیں لکھا تو وہ تیرا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔

(۹) اور جان لو، کسی بلا پر صبر کرنے میں بہت بڑی بھلائی ہے۔

(۱۰) صبر کرنے سے اللہ کی مدد شامل حال ہوتی ہے۔

(۱۱) مصیبت اور رنج کے ساتھ آسانی اور راحت کا دور بھی آتا ہے

(۱۲) اور تنگی کے ساتھ خوشحالی بھی آتی ہے۔

تشریح:۔ یہ حدیث اللہ کی معرفت کے اصول بتاتی ہے اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نفع اور نقصان کی کنجی اللہ کے ہاتھ میں ہے اس لیے صرف اللہ ہی کو اپنا سہارا بنانا چاہیئے۔

پہلا اصول یہ ہے کہ "تو اللہ کو یاد رکھ، وہ تجھے یاد رکھے گا"

اس کا مطلب یہ ہے کہ تو اللہ کے احکام کی پیروی کر، اس کی نافرمانی اور بغاوت سے پرہیز کر تو تجھے اس کا قرب حاصل ہو گا۔ اور وہ تجھ کو دنیا کی آفتوں اور آخرت کے عذاب و رسوائی سے محفوظ رکھے گا "نبوی سلوک"۔ بس اللہ کے قرب کا سب سے زیادہ مجرب نسخہ یہی ہے۔

دوسرا اصول "تو اللہ تعالیٰ کو یاد رکھ تو اسے اپنے سامنے پائے گا" کا مفہوم یہ ہے کہ جب تم اللہ کو پکارو تو تم اسے غائب نہیں پاؤ گے بلکہ وہ تمہارے پاس ہو گا۔ کیونکہ وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے قریب ہے وہ تمہاری فریاد سنتا ہے اور جواب بھی دیتا ہے، اللہ کو چھوڑ کر جن ہستیوں کو لوگ پکارتے ہیں وہ نہ تو ان کی بات سنتے ہیں اور نہ جواب دیتے ہیں کیونکہ وہ ان سے قریب نہیں۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ تو خوشحالی کے زمانے میں اسے تلاش کر کے پہچان لے وہ مصیبت کے وقت تیری دستگیری فرمائے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ تو عیش و آرام کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی یاد اور اطاعت سے غفلت نہ کر، اسے تلاش

کرنے میں زیادہ سے زیادہ سعی و جہد کر، یہاں تک کہ تُو اسے پہچان لے، اُس کا آشنا بن جائے، تجھے اس کا عرفان حاصل ہو جائے۔

(کیونکہ خوشحالی اور عافیت کے دَور میں خدا کو بھول جانا اور اس کی "صفات" کو اپنی زندگی پر نافذ نہ کرنا بہت بڑی نمک حرامی ہے)

اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مصیبت اور تنگ دستی کے دَور میں تُو اللہ کو اپنا دستگیر اور فریاد رس پائے گا۔ زمین و آسمان کا آقا تجھے غم اور بیچارگی کی حالت میں تنہا نہیں چھوڑے گا بلکہ برابر تیری اعانت اور نگرانی کرتا رہے گا۔

چوتھا اصول یہ ہے کہ "جب تُو مانگے تو اللہ سے مانگ" کیونکہ اس کی مخلوق کے کسی فرد کے پاس کچھ بھی نہیں ہے جو تجھے دے سکے، اور نہ کسی کو یہ طاقت حاصل ہے کہ وہ کسی سائل کی حاجت روائی کر سکے۔

پانچواں اصول یہ ہے کہ جب تو مدد طلب کرے تو صرف اللہ سے مدد طلب کر۔

یعنی جب تم کسی آفت میں پھنس جاؤ، کوئی مصیبت تم پر ٹوٹ پڑے تو اللہ سے مدد چاہو اس کو پکارو کیونکہ اس کے سوا دوسرا کوئی مشکل کشا ہے نہ فریاد رس، اللہ کا دروازہ کھٹکھٹاؤ، اپنا سر نیاز اس کے قدموں میں ڈال دو، تمہارے بے تاب دل کا اضطراب رات کے آخری حصہ میں سراپا دعا بن جائے گا اور اس کی رحمت تمہارے زخموں پر مرہم رکھ دے گی۔ اس کی شانِ کریمی سے تمہارا غم دور ہو گا تمہیں مصیبت سے نجات مل جائے گی۔ وہ کریم اپنے در پر بیٹھے ہوئے بندے کی ہر طرح سے مدد کرے گا۔ چھٹے، ساتویں اور آٹھویں اصول کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے علم میں ساری کائنات کی منصوبہ بندی کر دی گئی ہے اس کے فیصلے اٹل اور اس کے اندازے ناقابلِ ترمیم ہیں۔ جو کچھ ہونا ہے اس کے علم اور مشیت کے عین مطابق ہے وہ اگر تجھے فائدہ پہنچانا چاہے تو ساری دنیا تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اور اگر اس نے تجھے کسی مصیبت میں مبتلا کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو سارا جہان مل کر

بھی تجھے اس مصیبت سے نہیں بچا سکتا۔ غرضیکہ ساری کائنات میں صرف اسی کا حکم چلتا ہے اس کی مرضی اور ارادہ کے بغیر تو درخت کا ایک پتہ بھی نہیں گرتا۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی امیدوں اور تمناؤں کا مرکز صرف "اللہ تعالیٰ" کو قرار دے۔ نفع و نقصان کی کنجیاں صرف اس کے قبضہ میں ہیں اور وہ رحیم کریم سب خزانوں کا مالک ہے۔

نویں، دسویں، گیارھویں اور بارھویں اصول کا مطلب یہ ہے کہ انسانی زندگی میں غم اور خوشی کا مدوجزر رہتا ہے۔ خوشی میں جسم اور روح، اللہ کی یاد سے معمور رہے آزمائش کے وقت انسان صبر سے کام لے مصیبت آنے پر شور برپا نہ کرے، گھبراہٹ اور بے چینی کا مظاہرہ نہ کرے۔ اللہ سے برابر التجا کرتا رہے اس میں بہت بڑی بھلائی ہے اجر و ثواب کے علاوہ اللہ تعالیٰ نہایت مخفی طریقہ سے اسے دنیوی نعمتوں سے نوازتا ہے اس کی رحمت صبر کرنے والوں کو نظرانداز نہیں کرتی بلکہ ہر وقت ان پر سایہ افگن رہتی ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ کی حکمت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہر فرد کو "نعمت" اور "مصیبت" کے ذریعہ آزمایا جائے۔ اس لیے خوشحالی پر اِترانے اور مصیبت پر مایوس ہونے کو پسند نہیں کیا گیا اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا کافروں کا شیوہ ہے۔ مؤمن کبھی اللہ کریم کی رحمت اور فضل سے، ناامید نہیں ہوتا۔ فقر و تنگ دستی کی خزاں کے بعد خوشحالی اور آسودگی کی بہار آتی ہے۔ بدحالی اور پریشانی کی زنجیریں کٹ کر رہتی ہیں اس کے بعد خوشی اور اطمینان کی نعمت بھی بڑی فیاضی سے نصیب ہوتی ہے۔ مصائب کے ہجوم اور بلاؤں کے طوفان سے برابر لڑتے رہنا چاہیئے مرد مؤمن ظاہری اسباب کی روشنی میں مصیبتوں اور تکلیفوں سے نجات پانے کی کوشش کرتا ہے اور اس مقصد کے لیے وہ اللہ سے دعا بھی کرتا ہے کیونکہ اس کا اعتماد اور بھروسہ صرف اللہ کی ذات پر ہوتا ہے۔

توحید

(۱۴۱) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْمَا رَوٰی عَنِ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی اِنَّہٗ قَالَ

یَا عِبَادِیْ! اِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ وَجَعَلْتُہٗ مُحَرَّمًا بَیْنَکُمْ فَلَا تَظَالَمُوْا

یَا عِبَادِیْ! کُلُّکُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ ھَدَیْتُہٗ فَاسْتَھْدُوْنِیْ اَھْدِکُمْ

یَا عِبَادِیْ! کُلُّکُمْ جَائِعٌ اِلَّا مَنْ اَطْعَمْتُہٗ فَاسْتَطْعِمُوْنِیْ اُطْعِمْکُمْ

یَا عِبَادِیْ! کُلُّکُمْ عَارٍ اِلَّا مَنْ کَسَوْتُہٗ فَاسْتَکْسُوْنِیْ اَکْسُکُمْ

یَا عِبَادِیْ! اِنَّکُمْ تُخْطِئُوْنَ بِاللَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَاَنَا اَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا فَاسْتَغْفِرُوْنِیْ اَغْفِرْ لَکُمْ

یَا عِبَادِیْ! اِنَّکُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضُرِّیْ فَتَضُرُّوْنِیْ وَلَنْ تَبْلُغُوْا نَفْعِیْ فَتَنْفَعُوْنِیْ

یَا عِبَادِیْ! لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَ اِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی اَتْقٰی قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْکُمْ مَا زَادَ ذٰلِکَ فِیْ مُلْکِیْ شَیْئًا

یَا عِبَادِیْ! لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْکُمْ مَا نَقَصَ ذٰلِکَ مِنْ مُلْکِیْ شَیْئًا۔

یَا عِبَادِیْ! لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ قَامُوْا فِیْ صَعِیْدٍ وَّاحِدٍ فَسَاَلُوْنِیْ فَاَعْطَیْتُ کُلَّ اِنْسَانٍ مَّسْئَلَتَہٗ مَا نَقَصَ ذٰلِکَ مِمَّا عِنْدِیْ اِلَّا کَمَا یَنْقُصُ الْمِخْیَطُ اِذَا اُدْخِلَ فِی الْبَحْرِ

يَا عِبَادِيْ! إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا لَكُمْ ثُمَّ أُوَفِّيكُمْ إِيَّاهَا فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللهَ وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ (مسلم عن ابی ذر کتاب البر والصلۃ باب تحریم الظلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ روایت بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اے میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام کیا ہے (میں بالکل ظلم نہ کروں گا) اور میں نے ظلم کو تم لوگوں پر بھی حرام کیا ہے پس تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو، کسی کا حق نہ مارو۔

میرے بندو! تم سب گم کردہ راہ ہو مگر وہ جسے میں نے صحیح راہ پر چلنے کی توفیق دی مجھ سے راہنمائی کی التجا کرو میں تمہیں سیدھی راہ پر لگادونگا۔

اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو مگر وہ (بھوکا نہیں ہے) جس کو میں کھلا دوں تم مجھ سے کھانا مانگو میں تمہیں کھلاؤں گا۔

اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو مگر وہ (ننگا نہیں ہے) جس کو میں پہناؤں تم مجھ سے پہننے کے لیے کپڑے مانگو میں تمہیں پہناؤں گا۔

میرے بندو! تم رات دن غلطیاں کرتے ہو میں سب گناہوں کو بخش سکتا ہوں۔ لہٰذا تم مجھ سے مغفرت چاہو میں تمہیں معاف کردوں گا۔

میرے بندو! تم میرا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے اور نہ کبھی مجھے نفع پہنچا سکو گے

میرے بندو! اگر سب جن اور (تخلیق آدم سے دنیا کے خاتمہ تک) نسل انسانی کے سب افراد تقویٰ کے اعلیٰ معیار پر پہنچ جائیں۔ خدا ترسی اور پرہیزگاری ان کا اوڑھنا بچھونا ہو تو ان کے صلاح و تقوے سے میری بادشاہی میں ذرہ بھر اضافہ نہ ہوگا۔

اے میرے بندو! اگر اگلے پچھلے سارے جن اور انسان (سب کے سب) اللہ کے نافرمان ہو جائیں تو اس سے میری بادشاہی میں ذرہ بھر کمی نہ آئے گی۔

میرے بندو! تمہاری اگلی پچھلی نسلیں، روئے زمین پر بسنے والے

سب انسان اور جن ایک میدان میں کھڑے ہوکر مجھ سے مانگیں اور میں ہر شخص کے سوال کو پورا کروں، ہر شخص کو اس کی خواہش اور طلب کے مطابق ادا کروں، جو کچھ اور جتنا وہ مجھ سے مانگیں میں عنایت کروں تو یقین جانیئے کہ اس غیر معمولی عطا اور بخشش سے میرے خزانوں میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک سوئی سمندر میں ڈوب کر پانی کا ذرہ بے مقدار اپنے ہمراہ لائی۔

میرے بندو! میں تمہاری زندگی کا ریکارڈ محفوظ رکھتا ہوں (قیامت کے دن) میں ٹھیک ٹھیک اس کی جزا دوں گا۔ جو شخص بھلائی کو پائے وہ خدا کا شکر ادا کرے۔ جو شخص کسی بری حالت میں مبتلا ہو وہ صرف اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔

تشریح: یہ حدیث اللہ کی معرفت کا بہت بڑا خزانہ ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا، وہ اپنے بندوں سے بھی یہ مطالبہ کرتا ہے کہ تم ظلم نہ کرو، ایک دوسرے کی حق تلفی سے پرہیز کرو بلکہ اللہ کی کسی مخلوق پر بھی دستِ ظلم دراز نہ کرو۔

(۲) دنیا میں خوشحالی اور اطمینان، نیز آخرت میں کامیاب زندگی کا دارومدار صرف "اسلام" کو نظری اور عملی طور پر اپنانے پر موقوف ہے، اسے نظر انداز کرنے یا اس میں ترمیم اور اضافہ کرنے سے یہ صحیح راہ گم ہو جاتی ہے۔ اپنی دنیا اور آخرت بنانے کے لیے ہر انسان کو اللہ تعالیٰ سے صحیح راہ پر چلنے کی دعا کرتے رہنا چاہیئے کیونکہ خالق کائنات کی توفیق کے بغیر کوئی شخص نہ تو "صحیح راہ" کو پہچان سکتا ہے اور نہ اس پر چل سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہر مؤمن کو روزانہ پانچ نمازوں میں اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ (اے اللہ! ہمیں سیدھے راستہ پر چلنے کی توفیق دے) کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بے نیاز ہو کر کوئی شخص

"صراط مستقیم" پر نہیں چل سکتا۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا کرتا رہے۔

(۳) اسباب کی دنیا میں رزق کمانے کے ذرائع اور وسائل کو اختیار کرنا ناگزیر ہے لیکن ان وسائل کی کنجیاں اور نتائج اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اس لیے ہر شخص کو اپنی ضروریات کے لیے برابر اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنی چاہیئے۔ نادان ہے وہ شخص جو حصول رزق کے معاملہ میں صرف ظاہری اسباب پر انحصار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شانِ رزّاقی کو قابل اعتنا نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بے نیاز ہو کر مجرد اپنی کوشش اور محنت پر انحصار کرنا بہت بڑی حماقت ہے۔

(۴) انسان عموماً اپنے ارادہ اور اختیار کے غلط استعمال سے غلطیوں کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ وہ ان کی سزا سے بچ سکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کر کے توبہ کرے، گناہوں پر نادم ہو اللہ تعالیٰ سے عفو اور بخشش چاہے۔

"بندگی" کا تقاضا تو یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی اور گناہوں سے اجتناب کیا جائے لیکن اگر گناہ سرزد ہو جائے تو "غفور رحیم" کی بارگاہ میں عفو و درگزر کی درخواست کرے۔ اس کا دربارِ رحمت اپنے گناہ گار بندوں کی توبہ کا ہر وقت منتظر رہتا ہے کیونکہ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے اور خداوند کریم کی رحمت سے ناامید ہونا کفر ہے کوئی گناہ اور جرم ایسا نہیں ہے ——— یہاں تک کہ شرک اور کفر بھی ——— جو استغفار سے معاف نہ ہو سکتا ہو۔ اللہ کی شانِ غفاری اپنے خطار کار بندوں کی مغفرت اور بخشش کے لیے بہانے ڈھونڈتی ہے۔ خلوص دل سے اپنے گناہوں پر ندامت، آیندہ غلطی نہ کرنے کا عہد اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مغفرت کی التجا سے "توبہ" قبول ہوتی ہے۔ گناہوں کی آگ کے بڑے بڑے سمندروں کو بارانِ رحمت کا ایک قطرہ بھی بجھا سکتا ہے بشرطیکہ آہ نیم شبی اور گریۂ سحری کا سرمایہ بارگاہِ رحمان میں سجدہ ریز ہو۔

(۵) شاید کسی کو یہ غلط فہمی ہو کہ اللہ میاں کو ہماری نیکی اور عبادت کی ضرورت ہے۔ گناہ کرنے سے شاید اسے ذاتی طور پر نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ واقعہ یہ ہے

کہ ہماری اطاعت اور بندگی سے نہ تو اللہ میاں کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے اور نہ کفر و نافرمانی سے اس کا کچھ بگڑتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہماری اطاعت، اور نافرمانی سے بے نیاز ہے۔ ہم سب کے سب مجسم تقویٰ بن کر اس کی سلطنت میں اضافہ کر سکتے ہیں نہ سراپا معصیت بن کر اس کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں اگر پوری دنیا کے جن اور انسان —— آغاز سے دنیا کے خاتمہ تک —— برابر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں اور ان کے ذہن میں اس کی نافرمانی کا تصور بھی نہ آئے تو خدا کی حکومت میں مچھر کے بازو کے برابر بھی اس سے کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ اور اس کے برعکس اگر یہ سب لوگ انفرادی اور اجتماعی طور پر اللہ کی بغاوت کا فیصلہ کر لیں تو اس کی بادشاہی میں بال کی نوک کے برابر بھی کمی نہ آئے گی۔ خدا کی اطاعت اور نافرمانی کی جزا اور سزا کا تعلق انسان کی اپنی زندگی سے ہے۔ فریبِ نفس میں مبتلا ہے وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور خدمتِ دین کی توفیق ملنے پر اترانے لگتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اب میں نے اللہ میاں کو خرید لیا ہے۔

(۶) قیامت کے دن ہر شخص سے انصاف کیا جائے گا۔ ہر شخص کی زندگی کا پورا پورا ریکارڈ اللہ کی بے لاگ عدالت میں زیرِ بحث آئے گا وہاں کسی سے بے انصافی ہوگی نہ کسی کا حق تلف ہوگا۔ ان اصولی ہدایات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"جو شخص بھلائی کو پائے وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور جو شخص کسی بری حالت میں مبتلا ہو وہ صرف اپنے آپ ہی کو ملامت کرے"

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تمہیں اپنی رحمت سے نوازے صحت اور خوشحالی کی نعمت بخشے تو تم اس کا شکر ادا کرو۔ اس کی نعمتوں کی ناشکری نہ کرو اور جب تم —— کسی بری حالت میں مبتلا ہو جاؤ تو یقین جانو کہ یہ صرف تمہاری کسی بدعملی کی سزا ہے اس لیے اپنی خطاؤں اور غلط کاریوں کا جائزہ لے کر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو۔ کہ وہ تمہارے گناہ معاف فرما دے اور بدحالی کو خوشحالی سے بدل دے۔

دُعا کی فضیلت

(۱۱۵) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیْسَ شَیْءٌ اَکْرَمَ عَلَی اللّٰہِ مِنَ الدُّعَاءِ (ترمذی عن ابی ہریرہ ابواب الدعوات)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ہاں دعا سے بڑھ کر باعزت کوئی چیز نہیں ہے۔

تشریح:- ہر نیکی اپنی جگہ اہم ہے، ہر نیک کام اور اچھا عمل اللہ کی نگاہ میں مقبول ہے وہ اس کا اجر دے گا۔ لیکن سب سے زیادہ باعزت اور قابلِ احترام عمل صرف "دُعا" ہے دُعا کے معنی ہیں پکارنا، عاجزی سے مانگنا، مدد چاہنا، مصیبت کو دُور کرنے اور حاجت روائی کے لیے التجا کرنا، بیماری، افلاس اور تکلیف سے نجات حاصل کرنے کے لیے درخواست کرنا۔

مطلب یہ ہے کہ جسمانی اور روحانی آفتوں سے چھٹکارا پانے اور ہر طرح کی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے درخواست کرنے کا نام "دُعا" ہے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس سے مانگیں، اس کی بارگاہ عالی میں اپنی درخواستیں لے کر پہنچیں۔ جب انہیں کسی چیز کی ضرورت ہو یا کسی رنج اور مصیبت سے رہائی حاصل کرنا ہو تو اس کو پکاریں دینے کے لیے اس کے خزانے بلاحساب ہیں اور وہ کسی کو خالی نہیں لوٹاتا۔

دُعا بھی عبادت ہے

(۱۱۶) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الدُّعَاءُ ھُوَ الْعِبَادَۃُ ثُمَّ قَرَأَ:— وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دَاخِرِیْنَ۔

(ترمذی عن النعمان بن بشیر ابواب الدعوات)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دُعا، عبادت ہے پھر آپؐ نے
قرآن کی یہ آیت پڑھی۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ
عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (المؤمن آیت ۶۰)

تمہارا رب کہتا ہے۔ مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا جو
گھمنڈ میں آکر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں وہ ذلیل وخوار ہو کر جہنم
میں داخل ہوں گے

تشریح: عبادت کا لفظ بڑا جامع اور وسیع ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے اللہ سے دعا کرنے یا اسے حاجت روا سمجھ کر پکارنے کو عبادت قرار دیا ہے
کسی انسان کے لیے نماز پڑھنا، غیر خدا کے نام کا روزہ رکھنا یا اس کے نام پر جانور
ذبح کرنا شرک ہے بالکل اسی طرح غیر اللہ سے دعا کرنا یا مدد کے لیے اسے پکارنا
بھی شرک ہے انسان اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے اس کی بارگاہ میں اپنی عاجزی، بے بسی
اور محتاجی کا اظہار کرتا ہے اور اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اقتدار اور طاقت کا
سرچشمہ اللہ ہی ہے۔

دُعا بندگی کا جوہر ہے

(۱۱۷) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ

(ترمذی عن انس بن مالک ابواب الدعوات)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دُعا بندگی کا مغز ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا
کیا ہے قرآن مجید میں سب انسانوں کو یہ دعوت دی گئی ہے کہ وہ سب کے
سب اپنے رب کی "عبادت" کریں اور اس میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ
ٹھہرائیں۔ دُعا عبادت کا جوہر ہے اس لیے غیر اللہ سے دعا کرنا شرک ہے قرآن مجید

ہیں اس مضمون کو مختلف انداز میں بار بار بیان کیا گیا ہے کہ تم مصیبت اور پریشانی کی حالت میں صرف اللہ رب العالمین کو پکارو۔ اس کی بارگاہ عالی میں فریاد کرو۔ جو کچھ مانگنا ہو اور جب بھی مانگنا ہو صرف اللہ سے التجا کرو۔ کیونکہ کائنات میں خدا کے سوا کوئی مشکل کشا ہے نہ فریاد رس۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ خلقِ خدا میں کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے۔ جو حاجت روا اور قاضی الحاجات ہو۔ انسان کو ہر چیز کے لیے صرف رحمان کی بارگاہ میں دستِ سوال دراز کرنا چاہیئے۔ غم کے ہجوم اور مصائب کے پہاڑوں کو صرف اللہ ہی ٹال سکتا ہے اللہ تعالیٰ جس شخص کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دے کوئی انسانی طاقت اسے نفع نہیں دے سکتی اور اس کا ابرِ کرم جس ویران کھیتی کو شاداب کرے کوئی طاقت اسے خزاں رسیدہ نہیں کر سکتی۔

دُعا اللہ کی بارگاہ میں

(۱۸) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اَنْ يَّرُدَّهُمَا صِفْرًا۔

(ابوداؤد عن سلمان کتاب الصلوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا رب بڑا باحیا اور کرم والا ہے جب بندہ (بے چین ہو کر) دعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتا ہے تو انہیں خالی لوٹانے میں اسے شرم آتی ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے حیا کرتا ہے جو اس کی بارگاہ میں سوال کرنے کے لیے ہاتھ اُٹھاتا ہے کہ اسے کچھ نہ دے اس کی دعا قبول نہ کرے اور اسے خالی ہاتھ واپس لوٹا دے۔ دعا قبول نہ کرنا اس کی شانِ کریمی کے خلاف ہے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بندوں کے اعمال میں سے دعا کا عمل سب سے زیادہ اللہ کو متوجہ کرنے والا ہے۔

نفع و نقصان صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے

(۱۱۹) عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اِنَّہٗ جَاءَ اِلَی الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ فَقَبَّلَہٗ فَقَالَ اِنِّیْ اَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَوْلَا اَنِّیْ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ۔

(بخاری کتاب المناسک، مسلم کتاب الحج ترمذی ابواب الحج)

امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ (حرم میں جب) حجر اسود تک آئے تو اسے بوسہ دیا اور فرمایا میں جانتا ہوں کہ تُو ایک پتھر ہے تُو نہ تو کسی کا کچھ بگاڑ سکتا ہے اور نہ کسی کو نفع دے سکتا ہے اگر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔

تشریح: "حجر اسود" بیت اللہ کے کونے میں ملتزم کے بائیں طرف ایک پتھر ہے طواف کا آغاز اس کے بوسہ دینے، اسے چھونے یا اس کی طرف اشارہ کرنے سے ہوتا ہے، دراصل حج کے آغاز سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ اللہ کے گھر کا طواف کرنے والے اس قابل احترام پتھر کو بوسہ دے کر طواف کا آغاز کریں۔ بعض روایات میں حجر اسود کو اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ فرمایا گیا ہے۔ ہمارے آقا و محبوب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے بوسہ دیا۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اسے بوسہ دینے کے بعد فرمایا میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نفع و شر تیرے ہاتھ میں نہیں ہے میں تجھے بوسہ نہ دیتا لیکن میرے آقا نے تجھے بوسہ دیا تھا اس لیے میں تجھے بوسہ دیتا ہوں۔

خلیفۂ راشد کے اس طرز عمل کے بعد ان حضرات کو اپنے رویہ پر غور کرنا چاہیے جو بزرگوں کے مزارات کو بوسہ دیتے ہیں۔

وسیلہ

(۱۲۰) اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ كَانَ اِذَا قُحِطُوْا اِسْتَسْقٰی

بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا فَيُسْقَوْنَ (بخاری عن انس کتاب الاستسقاء۔ فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

قحط کے زمانہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے تھے (دعا کے الفاظ یہ ہوتے) اے اللہ! ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر تجھ سے قحط کے زمانہ میں بارش چاہتے تھے اور تو ہمیں مینہ برساتا تھا اب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محترم چچا کے وسیلہ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ (ان کی دعا اور سفارش سے) بارش نازل فرما اس دعا کے بعد اللہ تعالیٰ کا ابر کرم خوب برستا۔

تشریح: عہد فاروقی میں ۹ ماہ تک بارش نہ ہونے کی وجہ سے شدید قحط رونما ہوا اور تاریخ میں "عام الرماد" (یعنی راکھ کا سال) کے نام سے مشہور ہے۔ قحط کی وجہ سے لوگوں کا رنگ راکھ کی طرح ہو گیا تھا اس لیے اسے "عام الرماد" کہتے ہیں، حکومت نے اس سال لوگوں سے زکوٰۃ وصول نہ کی بلکہ اسے دوسرے سال تک مؤخر کر دیا۔ یہ ۱۸ھ ہجری کا واقعہ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بارش کی دعا کرنے کے لیے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو لے کر منبر پر چڑھ گئے خط کشیدہ الفاظ کے ساتھ دعا کی اور پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا حضرت آپ! دعا کریں۔

حضرت عباس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا

اَللّٰهُمَّ لَمْ يَنْزِلْ بَلَاءٌ اِلَّا بِذَنْبٍ وَلَمْ يُكْشَفْ اِلَّا بِتَوْبَةٍ وَقَدْ تَوَجَّهَ الْقَوْمُ بِيْ اِلَيْكَ لِمَكَانِيْ مِنْ نَبِيِّكَ وَهٰذِهٖ اَيْدِيْنَا اِلَيْكَ بِالذُّنُوْبِ وَنَوَاصِيْنَا اِلَيْكَ بِالتَّوْبَةِ فَاسْقِنَا الْغَيْثَ۔

اے اللہ! مصیبت تو صرف گناہ کی وجہ سے آتی ہے اور توبہ کے بغیر اس سے نجات بھی نہیں مل سکتی۔ قوم مجھے آپ کی بارگاہ میں لائی ہے کیونکہ میں

تیرے نبیؐ کی نگاہ میں وقیع تھا ہم گناہوں کے ساتھ تیری بارگاہ میں اپنے ہاتھ پھیلا رہے ہیں اور توبہ کر کے اپنے سروں کو تیرے قدموں پر جھکا رہے ہیں پس تو بارش سے ہمیں سیراب کر۔

"توسل" بایں معنی کہ کسی کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا قبول کرنے کی درخواست کرنا، اہل تصوف اس کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ انبیاء، اولیاء اور صالحین اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے وجیہہ، مقرب اور ذی مرتبہ ہیں اللہ نے ان پر بڑا افضل فرمایا ہے اور وہ ان سے راضی ہے اس لیے ان کا واسطہ دے کر (مثلاً بحرمۃ فلان، بجاہ فلان یا بحق فلاں کہہ کر) اللہ تعالیٰ سے دعا قبول کرنے کی استدعا کی جائے۔ جن بزرگوں کے وسیلہ سے دعا کی جاتی ہے وہ نہ تو دعا کے وقت موجود ہوتے ہیں اور نہ یہ بات ان کے علم میں ہوتی ہے کہ کوئی حاجت مند ان کی وجاہت اور قرب الٰہی کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا ہے۔

قرآن و سنت اور تعامل صحابہ سے یہ توسل ثابت نہیں ہے قرآنی دعائیں توسل سے بالکل آشنا نہیں ہیں چاہے وہ فرشتوں، نبیوں اور اہل ایمان نے کی ہیں یا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو سکھائی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلقین فرمودہ دعاؤں میں بھی توسل کا یہ تصور نہیں ملتا جو ہمارے ہاں رائج ہے مذکورہ بالا احادیث پر غور کرنے سے جو حقیقت سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ زندہ صالحین سے توسل فعلی کیا جا سکتا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندے سے دعا کی درخواست کی جائے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے استدعا کی جائے کہ رب اکرم! اپنے اس بندے کی دعا میرے لیے قبول فرما حدیث کی کتابوں میں مجھے آج تک ایک صحیح روایت بھی اس مضمون کی نہیں ملی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کسی صحابی رضہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر یہ درخواست کی ہو کہ آپ

اللہ تعالیٰ سے دعا کریں یا سفارش فرمائیں کہ وہ میری فلاں حاجت پوری کر دے یا فلاں مصیبت سے مجھے نجات دے۔

استغفار کی برکتیں

(۱۲۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجًا وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَّ رَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔

(ابو داؤد عن ابن عباس کتاب الصلوٰۃ باب فی الاستغفار)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص ہمیشہ استغفار (اللہ سے گناہوں کی بخشش کے لیے دعا) کرتا رہے اللہ ہر قسم کی تنگی سے نکلنے کی راہ اس پر کھول دے گا اور ہر غم و فکر سے اسے نجات بخشے گا اور اسے ایسی جگہ سے رزق عنایت فرمائے گا جس کا اسے وہم و گمان بھی نہ ہو گا۔

تشریح: ''استغفار'' کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اس گناہ کو بالکل ترک کر دے جس کی مغفرت کے لیے اللہ تعالیٰ سے درخواست کر رہا ہے جو شخص گناہ پر اصرار کے باوجود استغفار کرتا ہے وہ اپنے رب سے مذاق کرتا ہے استغفار کو ہمیشہ اپنانے کے معنی یہ ہیں کہ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر برابر نگاہ رکھے۔ پورے شعور اور عاجزی کے ساتھ ایک سو بار روزانہ اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہے، اس سے ہر قسم کی تنگی اور مصیبت سے نکلنے کی راہ پیدا ہو گی۔ ہر طرح کے غم و اندوہ سے نجات ملے گی (یعنی دل میں سکون اور اطمینان پیدا ہو گا)

اور اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اپنے بندے کو ایسی جگہ سے کشادہ روزی عطا فرمائے گا جس کا اسے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ اس کی روزی کا انتظام یہاں سے بھی ہو سکتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی خدمت میں یکے بعد دیگرے چار آدمی حاضر ہوئے

ایک نے قحط سالی کی شکایت کی دوسرے نے اپنی تنگدستی اور محتاجی کا شکوہ کیا تیسرے نے کہا حضرت! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے بیٹا عطا فرمائے چوتھے نے عرض کیا میرا باغ سوکھ گیا ہے۔

آپؒ نے ہر ایک سے کہا کہ "اللہ سے استغفار کرو"

کیونکہ اس سے ہر مقصد پورا ہوتا ہے اور ہر مشکل آسان ہوتی ہے اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ مصیبتوں اور پریشانیوں میں عموماً گناہوں کا دخل ہوتا ہے۔ سچے دل سے توبہ کرکے آدمی جب اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی غلطیوں کو معاف فرما دیتا ہے تو پھر وہ مصائب اور آلام جو گناہوں کی پیداوار ہوتے ہیں دُور ہو جاتے ہیں اور ان سے نجات مل جاتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے "استغفار" کے بہت سے اسلوب منقول ہیں میں صرف دو پر اکتفا کرتا ہوں۔

(۱) رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ

(اے میرے مالک و پروردگار! مجھے بخش دے اور مجھ پر نگاہِ کرم ڈال، تو اپنے بندوں کی بار بار توبہ قبول کرنے والا ہے اور نہایت رحم کرنے والا ہے)

(۲) اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ

(میں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہتا ہوں اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہی ہے ہمیشہ زندہ رہنے والا اور کائنات کا منتظم میں اس کی طرف پلٹتا ہوں)

ہر شخص اپنے گناہوں سے خوب واقف ہے گناہوں کو یاد کرکے احساسِ ندامت کے ساتھ اللہ سے بار بار مغفرت کی درخواست کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ "غرورِ زہد" کے جراثیم سے انسان کا دل داغدار نہیں ہوتا۔

شرک کرنا بہت بڑا گناہ ہے

(۱۲۲) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْبَرُ الْكَبَائِرِ، اَلْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ ثَلٰثًا اَوْ قَوْلُ الزُّوْرِ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتّٰى قُلْنَا لَيْتَهُ سَكَتَ

(بخاری عن ابی بکرۃ کتاب استتابۃ المرتدین)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بڑا گناہ ہے (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور (۲) ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور (تین بار فرمایا) (۳) جھوٹی گواہی دینا یا (آپؐ نے فرمایا) جھوٹی بات کہنا آپؐ نے (اس آخری بات کو) بار بار دھرانا شروع کیا یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش کہ آپؐ خاموش ہو جائیں (اور آرام فرمائیں)

تشریح: اللہ تعالیٰ کی صفات کو کسی فرد یا ادارے کی طرف منسوب کرنا اللہ کے ساتھ اسے شریک بنانے کے ہم معنی ہے مثلاً کسی کے آگے سر جھکانا، اس کا طواف کرنا، اپنی حاجات اور مشکلات کے لیے اس کی طرف رجوع کرنا، سجدہ کرنا، اسے حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا، مصیبت کے وقت اسے مدد کے لیے پکارنا، افسوس ہے کہ جس پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے شرک کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے اس کی امت کا ایک بہت بڑا حصہ غیر شعوری طور پر شرک میں مبتلا ہے۔ جو کسی کو اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے وہ دراصل اعلان کرتا ہے کہ اس نے اللہ سے بغاوت کر دی ہے اور اس کے اقتدار اور حکومت کو چیلنج کر دیا ہے یہ ایک ایسا سنگین جرم ہے جس کے بارے میں اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ اسے بالکل معاف نہیں کرے گا اور باغی کو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ڈال دے گا۔

قبر کو سجدہ کرنا منع ہے

(۱۲۳) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيْهِ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآءِ هِمْ مَسَاجِدَ۔ (بخاری عن عائشہ کتاب الجنائز، مسلم کتاب المساجد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے اپنی آخری بیماری میں ارشاد فرمایا: یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا

(۱۲۴) النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ ....

اَلَا وَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِ هِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّيْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ۔ (مسلم عن جندب کتاب المساجد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گزشتہ دور کی امتوں نے اپنے بزرگوں اور پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔ میں تمہیں اس سے روکتا ہوں۔ آگاہ رہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم قبروں کو سجدہ گاہ بنا لو۔

تشریح: اس حدیث کی رو سے ــــ عبادت کے ارادہ سے یا اعتراف عظمت و بزرگی کے طور پر ــــ کسی نبی یا ولی کی قبر کو سجدہ کرنا منع ہے اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ قبر کے احاطہ یا حدود میں بھی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے یعنی آپ نے شرک کے شائبہ سے اس قدر نفرت کا اظہار فرمایا کہ قبروں کی حدود میں اللہ تعالیٰ کو بھی سجدہ نہ کیا جائے۔ شریعت کے راز دانوں نے تو ان مسجدوں میں بھی نماز پڑھنا گوارا نہیں کیا جو کسی بزرگ کی قبر کے ساتھ ہوں حضرت عمرؓ نے انس بن مالکؓ کو قبر کے نزدیک نماز پڑھتے دیکھ کر دوبار فرمایا "قبر سے بچو" (قبر کے نزدیک نماز نہ پڑھو (ملاحظہ ہو بخاری کتاب الصلوٰۃ) اگرچہ آپؓ نے حضرت انسؓ کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا لیکن قبر کے نزدیک نماز ادا کرنے کو

ناپسند کیا۔

اللہ کی مشیت میں غیروں کو شریک کرنا شرک ہے

(۱۲۵) اِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَ شِئْتَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجَعَلْتَنِيْ وَاللّٰهَ عَدْلًا بَلْ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ۔

(مسند احمد عن ابن عباس نمبر ۱۸۳۹)

ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں (یہ سُن کر) آپؐ نے اس سے فرمایا۔ تم نے مجھے اور اللہ کو برابر کر دیا بلکہ یوں کہو

جو اللہ چاہے

تشریح: کائنات میں ہر چیز صرف اللہ کے ارادے سے ظاہر ہوتی ہے اس کی مشیت کے بغیر درخت کا ایک پتہ بھی نہیں گرتا۔ یہ صرف اللہ ہی کی شان ہے کہ وہ جو چاہے کرے، جس کام کا ارادہ کرے وہ ہو کر رہے۔

اللہ کے سوا کسی کو یہ طاقت نہیں ہے۔ دراصل اس آدمی نے آنحضرتؐ کی عظمت سے متاثر ہو کر کہا حضرت! اگر اللہ چاہے اور آپ چاہیں تو فلاں کام لازمًا ہو کر رہے گا آپؐ کو یہ بات بہت ناگوار گزری آپؐ نے اسے نصیحت فرمائی کہ بھائی! اس کا دار و مدار صرف خدا کی مشیت پر ہے وہ اکیلا خدا اگر چاہے تو کام ہو سکتا ہے کسی دوسرے کی چاہت کی کیا حیثیت ہے۔

حضورؐ کو سجدہ کرنا

(۱۲۶) عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ اَتَيْتُ الْحِيْرَةَ فَرَاَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ فَقُلْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ اَحَقُّ اَنْ يُّسْجَدَ لَهٗ فَاَتَيْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنِّیْ اَتَيْتُ الْحِيْرَةَ فَرَاَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَّهُمْ فَاَنْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَحَقُّ اَنْ نَّسْجُدَ لَكَ قَالَ: اَرَاَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِیْ اَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهٗ؟ قَالَ قُلْتُ لَا، قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا لَوْ كُنْتُ اٰمِرًا اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَّاَمَرْتُ النِّسَاءَ اَنْ يَّسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنَ الْحَقِّ

(ابو داؤد کتاب النکاح باب فی حق الزوج علی المرأۃ)

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حیرہ (کوفہ کے قریب ایک شہر ہے) میں آکر دیکھا کہ لوگ اپنے ایک سردار کو سجدہ کر رہے ہیں۔ میں نے دل میں کہا، سجدہ کے سب سے زیادہ مستحق تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر میں نے عرض کیا: میں نے "حیرہ" میں دیکھا ہے کہ لوگ اپنے سردار کو سجدہ کر رہے تھے حضورؐ! آپ سب سے زیادہ مستحق ہیں اس بات کے کہ ہم آپ کو سجدہ کریں (یہ بات سن کر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اگر میری قبر سے گزرو تو کیا اسے سجدہ کرو گے؟ میں نے عرض کیا جی، نہیں آپؐ نے فرمایا: تو ایسا مت کرو۔ اگر میں (اللہ کے سوا) کسی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں اس لیے کہ ان پر مردوں کا حق ہے۔

تشریح: اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کے سوا کسی انسان کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ خدا کا نبی کیوں نہ ہو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آرام گاہ (مرقد مبارک) کو بھی سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔

اس معاملہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کرام کا ذوقِ توحید بالکل واضح تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوال کے جواب میں حضرت قیس بن سعدؓ نے کہا: میں تو آپؐ کی

قبر مبارک کو سجدہ نہیں کروں گا۔" آپؐ نے صحابہ رضؓ سے بالکل دو ٹوک انداز میں کہہ دیا کہ تم مجھے سجدہ نہ کرو۔

بڑا تعجب ہے ملت اسلامیہ کے ان سادہ لوح افراد پر جو اولیاء اللہ کی قبروں کو سجدہ کرتے پھرتے ہیں اور اسے ایک نیکی سمجھتے ہیں۔ خود اولیاء اللہ اس قسم کے سجدوں کو شرک قرار دیتے ہیں۔

باب پنجم

خوفِ خدا اور پرہیزگاری

ایمان کی رُوح، خدا خوفی

(۱۲۷) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَجُلًا كَانَ قَبْلَكُمْ رَغَسَهُ اللهُ مَالًا فَقَالَ لِبَنِيْهِ لَمَّا حُضِرَ اَیَّ أَبٍ كُنْتُ لَكُمْ ؟ قَالُوْا: خَيْرَ أَبٍ، قَالَ: فَإِنِّي لَمْ اَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ فَإِذَا مُتُّ فَأَحْرِقُوْنِي ثُمَّ اسْحَقُوْنِي ثُمَّ ذَرُّوْنِي فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ فَفَعَلُوْا فَجَمَعَهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ ؟ قَالَ: مَخَافَتُكَ فَتَلَقَّاهُ بِرَحْمَتِهِ -

(بخاری عن ابی سعید کتاب الانبیاء - کتاب الرقاق مسلم کتاب التوبۃ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پچھلے دور کے ایک خوشحال آدمی نے مرنے سے پہلے اپنے بیٹوں سے پوچھا؟ میرے متعلق تمہاری رائے کیا ہے؟ باپ کی حیثیت سے میں نے تم سے کیسا برتاؤ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: "آپ تو بہت اچھے باپ ہیں" اس نے کہا میں نے کبھی نیک کام نہیں کیا (اگر اس کی عدالت میں پیش ہوا تو سزا پاؤں گا لہٰذا میری وصیت پر عمل کرو) جب میں مرجاؤں تو میری لاش کو آگ سے جلا کر کوئلے بنا لو اور خوب پیس لو پھر (میری راکھ کو) تیز و تند ہوا میں بکھیر دو (اس وصیت پر عمل کرنے کے لیے اس نے ان سے عہد و پیمان لیا وہ مرا تو) انہوں نے اس وصیت پر عمل کیا اور اس کی فرمائش پوری کردی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی راکھ کے بکھرے ہوئے ذرّوں کو جمع کر کے اسے انسانی شکل عطا کی۔ اور پوچھا تُو نے یہ طرزِ عمل کیوں اختیار کیا؟ وہ بولا، آقا، آپ کے ڈر سے (یہ سن کر اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے اسے نوازا اور معاف فرما دیا)

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے محاسبہ سے ڈرتے رہنا چاہیئے اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت سے وہ لوگ یقیناً محروم نہیں ہوں گے

جو ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہونے سے لرزہ براندام رہتے ہیں۔

یہ دنیا لمحۂ فکریہ ہے

(۱۲۸) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا۔ (بخاری عن انس کتاب الرقاق)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم ان باتوں کو جان لو جو مجھے معلوم ہیں تو بہت تھوڑا ہنسو اور کثرت سے روتے رہو۔

تشریح: انسان کی ظاہر بین آنکھ ان حقائق کا ادراک نہیں کر سکتی جن کا تعلق اعمال کی جزا اور سزا سے ہے اور وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ موت کی سختی کیسی ہے؟ برزخ میں کیا صورت حال پیش آئے گی اور قیامت کے دن کن مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان سب چیزوں کو میں تو اچھی طرح جانتا ہوں لیکن تم نہیں جانتے، اگر میری طرح تمہیں بھی ان حقائق کا علم ہوتا تو تم تھوڑا ہنستے اور بہت روتے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ خدا کی نافرمانی اور گناہوں کی سزائیں اگر ہمیں برأی العین مشاہدہ ہو تو غم کے مارے چہروں پر اداسی چھا جائے، ہولناک مستقبل کے خوف سے ہنسی کہاں سے آئے گی؟ دہشت زدہ انسان کو ہر وقت رونے سے ہی سروکار رہے۔

حضرت عمرؓ اور خوف خدا

(۱۲۹) وَلَجَ عَلَيْهِ شَابٌّ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ أَبْشِرْ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! بِبُشْرَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، كَانَ لَكَ مِنَ الْقِدَمِ فِي الْإِسْلَامِ مَا قَدْ عَلِمْتَ ثُمَّ اسْتُخْلِفْتَ فَعَدَلْتَ ثُمَّ الشَّهَادَةُ بَعْدَ هٰذَا كُلِّهِ، فَقَالَ لَيْتَنِي يَا ابْنَ أَخِي ـــــ وَذٰلِكَ كَفَافٌ ـــ

لَا عَلَیَّ وَلَا لِیَ۔ (بخاری عن عمرو بن میمون کتاب الجنائز)

سیدنا عمر فاروق رض پر مجوسی کے قاتلانہ حملہ کے بعد ایک انصاری نوجوان نے آکر کہا امیر المؤمنین! اللہ کی طرف سے خوشخبری قبول فرمائیے، یہ بات آپ سے پوشیدہ نہیں ہے کہ آپ نے اسلام (قبول کرنے اور اسے غالب کرنے) میں پہل کی تھی۔ پھر خلافت کا منصب آپ کے سپرد کیا گیا تو آپؐ نے (خلق خدا پر) عدل و انصاف سے حکومت کی۔ (اب آخر میں) خدا کی راہ میں شہید ہوئے حضرت عمر رض نے یہ بات سن کر فرمایا۔ میرے بھتیجے! میری صرف یہ آرزو ہے کہ اسلامی حکومت کی سربراہی کے معاملہ میں میں برابر سرابر چھوٹ جاؤں، مجھے اس پر سزا ملے نہ انعام

تشریح: مغیرہ بن شعبہ رض کے غلام فیروز نے زہر آلود چاقو سے (۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ) خلیفۂ راشد پر قاتلانہ حملہ کر کے انہیں گھائل کر دیا تھا تین چار دن تک بے تحاشہ خون بہتا رہا۔ آپ اس سے جانبر نہ ہو سکے اس دوران میں حضرت ابن عباس کے علاوہ ایک انصاری نوجوان نے بھی آپ کے زرین کارناموں پر خراج تحسین پیش کیا مگر آخرت کی جوابدہی کے زبردست احساس رکھنے والے عظیم انسان نے خراج تحسین کے جواب میں اگر کچھ کہا تو یہ کہا کہ "مجھے صرف برابر سرابر چھوٹ جانے کی تمنا ہے"۔

حضرت عائشہ اور خوفِ خُدا

(۱۳۰) اِنَّ عَائِشَۃَ قَالَتْ دَعْنِیْ مِنْکَ یَا ابْنَ عَبَّاسٍ، وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوَدِدْتُ اَنِّیْ کُنْتُ نَسْیًا مَنْسِیًّا۔

(مسند احمد عن ابن عباس نمبر ۲۴۹۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ابن عباس! رہنے دو (ان باتوں کو) اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری زندگی ہے میں پسند کرتی ہوں کہ مجھے بالکل بھلا دیا جاتا

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چہیتی بیوی آخرت کی جوابدہی کے خوف سے لرزہ براندام ہیں ان کی وفات سے چند لمحے پہلے عبداللہ بن عباس رضؓ نے اسلام میں ان کے مرتبہ، مقام اور خدمات کا جب اظہار اور اعتراف کیا تو انھوں نے فرمایا: یہ تم کیا کہہ رہے ہو میری تو سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ سرے سے بھلادی جاتی میرا کہیں ذکر تک نہ ہوتا کیوں کہ اللہ کی عدالت میں حاضر ہو کر زندگی کا حساب دینے سے خوف زدہ ہوں۔

حقیقت پردۂ غیب میں ہے

(۱۳۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ، اَطَّتِ السَّمَاءُ وَحَقَّ لَھَا اَنْ تَئِطَّ، مَا فِیْھَا مَوْضِعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا وَمَلَکٌ وَاضِعٌ جَبْھَتَہٗ لِلّٰہِ سَاجِدًا۔ وَاللّٰہِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَلَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا، وَمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَی الْفُرُشِ وَلَخَرَجْتُمْ اِلَی الصُّعُدَاتِ تَجْاَرُوْنَ اِلَی اللّٰہِ ــــ لَوَدِدْتُ اَنِّیْ کُنْتُ شَجَرَۃً تُعْضَدُ۔" (ترمذی ابواب الزھد عن ابی ذر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جو کچھ دیکھتا ہوں تم اُسے نہیں دیکھتے اور میں جو کچھ سنتا ہوں تم اسے نہیں سن پاتے (فرشتوں کے بوجھ سے) چرچر کر رہا ہے اور اسے چرچر کرنا ہی چاہیے۔

آسمان میں چار انگلیوں کے برابر بھی کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں فرشتہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کر رہا ہو۔ اللہ کی قسم! جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم اسے جان لیتے تو بہت کم ہنستے اور کثرت سے روتے رہتے بستروں پر بیویوں سے لطف اندوز نہ ہوتے۔ اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کرنے کے لیے صحراؤں اور کھلے میدانوں میں نکل آتے (حضرت ابوذر غفاری رضؓ نے حضور م

صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کو بیان کرنے کے بعد فرمایا) میں چاہتا ہوں ذکر میں انسان نہ ہوتا بلکہ) ایک درخت ہوتا جو جڑ سے کاٹ دیا جاتا ہے۔

تشریح: "آسمان چرچر کر رہا ہے" کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کی تسبیح اور ذکر سے گونج رہا ہے۔

ہر وہ مخلوق جسے اللہ نے عقل اور اختیار کی نعمتوں سے نوازا ہے قیامت کے دن اللہ کی بے لاگ عدالت میں پوری زندگی کے کارناموں کا حساب دے گی۔ جوابدہی کے اس تصور نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو اس قدر پریشان کیا کہ وہ بے بس ہو کر اپنے درخت ہونے کو انسان ہونے پر ترجیح دینے لگے اور فرمایا کہ میں اگر درخت ہوتا تو احتساب سے بچ جاتا اور چونکہ میں انسان ہوں اس لیے اللہ کی آخری عدالت میں حساب دینے کے لیے مجھے حاضر ہونا پڑے گا جو سخت ترین مرحلہ ہے۔

صحابہ کی نگاہ میں گناہوں کی حقیقت

(۱۳۲) عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ اِنَّکُمْ لَتَعْمَلُوْنَ اَعْمَالًا ھِیَ اَدَقُّ فِیْ اَعْیُنِکُمْ مِنَ الشَّعْرِ اِنْ کُنَّا نَعُدُّ عَلٰی عَھْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُوْبِقَاتِ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ یَعْنِیْ لِمُھْلِکَاتِ

(بخاری کتاب الرقاق)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو گناہ تمہاری نگاہ میں بال سے زیادہ باریک ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم انہیں تباہ کن جانتے تھے۔

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کی تعلیم اور تربیت میں تقویٰ کو اس قدر ملحوظ رکھا کہ عام طور پر جن غلطیوں کو بالکل معمولی اور بے وزن خیال کیا جاتا ہے وہ انہیں پہاڑ سے بھی زیادہ بھاری قرار دیتے، ان کی رائے یہ تھی کہ

چھوٹے چھوٹے گناہوں کا ارتکاب بھی ہمیں برباد کر کے رکھ دے گا، وہ کبیرہ گناہوں سے بھی بچ کر رہنے کی کوشش کرتے، یہ کیفیت صرف اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان پر اللہ تعالیٰ کے خوف کا غلبہ ہو۔ یہ بات ہمیشہ نگاہ میں رہنی چاہیئے کہ اگر چھوٹے چھوٹے گناہوں پر اصرار کیا جائے تو وہ کبیرہ گناہ بن جاتے ہیں۔

معیاری تقویٰ

(۱۳۳) عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ بْنِ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ لِیْ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ هَلْ تَدْرِیْ مَا قَالَ اَبِیْ لِاَبِیْكَ؟ قَالَ، قُلْتُ، لَا، قَالَ فَاِنَّ اَبِیْ قَالَ لِاَبِیْكَ، یَا اَبَا مُوْسٰی! هَلْ یَسُرُّكَ اِنَّ اِسْلَامَنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهِجْرَتَنَا مَعَهٗ وَ جِهَادَنَا مَعَهٗ وَعَمَلَنَا كُلَّهٗ مَعَهٗ بَرَدَ لَنَا وَاِنَّ كُلَّ عَمَلٍ عَمِلْنَا بَعْدَهٗ نَجَوْنَا مِنْهُ كَفَافًا رَأْسًا بِرَأْسٍ فَقَالَ اَبُوْكَ لِاَبِیْ، لَا وَاللهِ قَدْ جَاهَدْنَا بَعْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَصَلَّیْنَا وَصُمْنَا وَعَمِلْنَا خَیْرًا كَثِیْرًا وَاَسْلَمَ عَلٰی اَیْدِیْنَا بَشَرٌ كَثِیْرٌ وَاِنَّا لَنَرْجُوْا ذٰلِكَ۔

قَالَ اَبِیْ:۔ وَلٰكِنِّیْ اَنَا وَالَّذِیْ نَفْسُ عُمَرَ بِیَدِهٖ لَوَدِدْتُ اَنَّ ذٰلِكَ بَرَدَ لَنَا۔ وَاِنَّ كُلَّ شَیْءٍ عَمِلْنَا بَعْدَهٗ نَجَوْنَا مِنْهُ كَفَافًا رَأْسًا بِرَأْسٍ،

فَقُلْتُ: اِنَّ اَبَاكَ وَاللهِ كَانَ خَیْرًا مِّنْ اَبِیْ

(مشکوٰۃ کتاب الرقاق باب البکاء والخوف بحوالہ بخاری)

حضرت ابوبردہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھ سے کہا جانتے ہو میرے والد (حضرت عمرؓ) نے آپ کے والد (حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ) سے کیا بات کہی تھی؟ میں نے

کہا، نہیں، انہوں نے کہا: - میرے والد نے آپ کے والد سے یہ گفتگو کی تھی ابو موسیٰ! کیا آپ کو اس بات سے خوشی اور مسرت ہوتی ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ہم نے اسلام قبول کیا۔ آپؐ کی نگرانی میں ہم نے ہجرت اور جہاد کے علاوہ بھی بہت سے عمل کیئے" ان سب اعمال کا اجر برقرار رہے اور آپ کے بعد ہم نے جو (اچھے اور برے) عمل کیے ہیں ان میں برابر سرا بر چھوٹ جائیں (کسی نیکی پر انعام ملے نہ کسی غلطی پر مؤاخذہ ہو)

یہ سن کر آپ کے ابا جان نے فرمایا: جی، نہیں اللہ کی قسم! ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جہاد کیا، نمازیں ادا کیں، روزے رکھے اور بہت سی نیکیاں کیں۔ ہماری وجہ سے بہت لوگوں نے اسلام قبول کیا ہم اللہ تعالیٰ سے ان اعمال کے اجر کی بھی توقع رکھتے ہیں میرے والد (حضرت عمر رضؓ) نے کہا لیکن اس خدا کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تو یہ چاہتا ہوں کہ وہ اعمال جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوئے ہیں قبول ہو جائیں، رہے وہ اعمال جو ہم نے آپؐ کے بعد کیے ہیں ان پر ہم سے مواخذہ نہ ہو ان میں ہم برابر سرا بر چھوٹ جائیں۔

اس حدیث کے راوی حضرت ابو بردہ رضؓ کہتے ہیں میں نے کہا اللہ کی قسم!

آپ کے ابا جان، میرے ابا جان سے بہتر تھے

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدا ترسی اور احتیاط کا غور سے مطالعہ کیجئے، انہیں اپنے اعمال صالحہ پر اعتماد نہیں، اجر کا سوال نہیں کرتے، غلطیوں کی سزا سے بچ جانے کی تمنا ہے حالانکہ ان کے معیاری اور مثالی دور حکومت پر اسلام کی تاریخ سربلند ہے اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں جنتی ہونے کی بشارت دی تھی اور ہمارا حال یہ ہے کہ معمولی درجہ کے ذکر اذکار اور تھوڑی سی خدمتِ دین کی توفیق ملنے پر جنت کے "حقدار" بن جاتے ہیں۔

مومن اور گناہ

قَالَ (عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَسْعُوْدٍ) اِنَّ الْمُؤْمِنَ یَرٰی ذُنُوْبَہٗ کَاَنَّہٗ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ یَخَافُ اَنْ یَّقَعَ عَلَیْہِ وَاِنَّ الْفَاجِرَ یَرٰی ذُنُوْبَہٗ کَذُبَابٍ مَرَّ عَلٰی اَنْفِہٖ فَقَالَ بِہٖ ھٰکَذَا۔

(بخاری کتاب الدعوات، ترمذی ابواب القیامۃ)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا مؤمن اپنے گناہوں کو پہاڑ کی طرح بھاری جانتا ہے گویا کہ وہ ایک ایسے پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے جو اس پر ابھی ابھی گرا چاہتا ہے اور فاسق کی نگاہ میں گناہ ایک ایسی مکھی کی مانند ہیں جو ناک پر سے گزر گئی انہوں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اس طرح

تشریح: مؤمن معصوم نہیں ہوتا وہ گناہ اور غلطی بھی کرتا ہے لیکن اپنی غلط کاریوں پر اصرار کرتا ہے نہ اتراتا ہے۔ بندہ اگر بشری کمزوریوں کی بنا پر گناہ اور خطا کا ارتکاب کرتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ وہ کسی بہت اونچے پہاڑ کے بوجھ تلے دبا جارہا ہے اللہ کی عدالت میں گناہوں کی باز پرس اور پھر ان کی سزا کے خوف سے اس پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں وہ بار بار ندامت اور شرمندگی کے مارے اپنا سر رحمان کے قدموں میں رکھ کر عاجزی اور لجاجت سے مغفرت کی دعا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے بخشنے والے کریم آقا! اب کی بار مجھے بخش دے میں پھر کبھی تیری نافرمانی نہ کروں گا۔

"فاجر" اس آدمی کو کہتے ہیں جس نے اپنی عملی زندگی میں کھلم کھلا خدا کی نافرمانی اور بغاوت کا فیصلہ کر لیا ہو وہ گناہوں اور غلطیوں کے اخروی انجام سے بے نیاز اور بے فکر ہوتا ہے اور ہر طرح کے گناہوں کا مرتکب ہوتا رہتا ہے اپنی فاسقانہ زندگی کے متعلق وہ زیادہ سے زیادہ جو رائے قائم کرتا ہے وہ یہ ہے کہ بس ایک مکھی اس کی ناک پر سے گزر گئی یا ناک پر آکر بیٹھی اور پھر اڑ گئی یعنی کچھ ہوا ہی نہیں وہ محسوس

ہی نہیں کرتا، کہ مرنے کے بعد اللہ رب العالمین کی عدالت میں اسے گناہوں اور خطاؤں کی سزا کا فیصلہ سننا ہے اور جہنم میں ظلم اور بغاوت کا مزا چکھنا ہے۔

دوزخ سے نجات کا ذریعہ

(۱۳۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ حَتّٰى يَعُوْدَ اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ وَلَا يَجْتَمِعُ غُبَارٌ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَدُخَانُ جَهَنَّمَ (ترمذی عن ابی ہریرہ ابواب فضائل الجہاد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کے خوف سے رونے والا دوزخ کی آگ میں نہیں جائے گا یہاں تک کہ دودھ تھن میں لوٹ آئے، اللہ کی راہ کا غبار اور دوزخ کا دھواں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

تشریح: جو شخص خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کی فرمانبرداری میں سرگرم ہوتا ہے اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کرتا ہے وہ اللہ کی عدالت میں محاسبہ کے خوف سے روتا بھی ہے، ایسے آدمی کا جہنم میں داخل ہونا ناممکن ہے جیسا کہ دودھ کا تھن میں لوٹ جانا ناممکن ہے۔ جو شخص اقامت دین کا کام کر رہا ہو اور اس جرم کی پاداش میں طرح طرح کے فتنوں سے دوچار ہو، اللہ کے ہاں اس کا بڑا مرتبہ ہے اس راہ میں اسے جو رنج اور تکلیف پہنچتی ہے، رائیگاں نہیں جاتی یہاں تک کہ اس راہ کا غبار بھی اسے جہنم میں نہیں جانے دے گا بڑا خوش بخت ہے وہ انسان جو صرف اللہ کی رضا کے لیے اسلام کو دنیا میں غالب کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

سب سے زیادہ با عزت کون؟

(۱۳۶) قِيْلَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَكْرَمُ النَّاسِ؟ قَالَ اَكْرَمُهُمْ اَتْقَاهُمْ۔ (بخاری عن ابی ہریرہ کتاب الانبیاء)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا سب سے زیادہ با عزت کون ہے؟

آپؐ نے فرمایا جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہو۔

تشریح: دنیا کے ہر معاشرے میں "شریف" اور "معزز" نام ہے اس شخص کا جس کے ہاں دولتِ دنیا اور مال و متاع کی فراوانی اور کثرت ہو۔ چاہے وہ ظلم، بے حیائی، مردم آزاری، جھوٹ، خیانت اور لوٹ کھسوٹ میں اپنا جواب آپ ہو۔

اس کے برعکس "اسلامی معاشرے" میں صرف وہی شخص سب سے زیادہ عزت و احترام کا مستحق ہوتا ہے جو غلط روی سے بچنے والا ہر حال میں اللہ سے ڈرنے والا اور پھونک پھونک کر قدم رکھنے والا ہو چاہے وہ معمولی درجہ کا مزدور اور کسان ہو۔

تقویٰ کی حقیقت

(۱۳۷) قَالَ ابْنُ عُمَرَ لَا یَبْلُغُ الْعَبْدُ حَقِیْقَةَ التَّقْوٰی حَتّٰی یَدَعَ مَا حَاكَ فِی الصَّدْرِ (بخاری کتاب الایمان باب اول)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا آدمی "تقویٰ" کی اصلیت کو نہیں پہنچ سکتا یہاں تک کہ وہ ہر اس چیز کو چھوڑ دے جس سے دل میں کھٹک پیدا ہو۔

تشریح: عہد حاضر کی اصطلاح میں "جس بات اور کام کے کرنے سے انسان کا ضمیر اسے ملامت کرے وہ اسے چھوڑ دے" یہ ہے پرہیز گاری کی اصلیت، بعض لوگوں نے "تقویٰ" کے یہ معنی سمجھ رکھے ہیں کہ صرف ظاہری شکل اور رہن سہن میں ایک مخصوص انداز کو اپنا لینے اور زہد و درویشی کی ہیئت اختیار کرنے سے آدمی متقی اور پرہیز گار بن جاتا ہے حالانکہ تقویٰ نام ہے اس کا کہ آدمی زندگی کے ہر معاملہ میں گناہوں کی جھاڑیوں سے دامن بچا کر چلے۔ قدم قدم پر محتاط رہے تاکہ اللہ کی نافرمانی کا کوئی کانٹا اس کی صاف ستھری روح کو زخمی نہ کر دے۔

گناہ کی دو نشانیاں

(۱۳۸) عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِرِّ وَالْاِثْمِ؟ فَقَالَ اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِي الصَّدْرِ وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ۔ (مسلم کتاب البر والصلۃ، ترمذی ابواب الزھد)

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "نیکی اور گناہ" کا مفہوم دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "نیکی" اچھے اخلاق کو کہتے ہیں اور "گناہ" یہ ہے کہ اس سے تیرے ضمیر میں چبھن اور خلش پیدا ہو اور لوگوں کا اس پر مطلع ہونا تجھے ناگوار ہو۔

تشریح: عربی زبان میں "بر" اگرچہ بہت سے معنوں میں آتا ہے لیکن اس حدیث میں خلق خدا کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کو "نیکی" قرار دیا گیا ہے نیکی یہ ہے کہ آدمی ہر ایک سے (چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا) خندہ پیشانی سے پیش آئے گفتگو میں سنجیدگی اور وقار کو ملحوظ رکھے، ہمیشہ سچی اور کھری بات کہے، غصے پر قابو پائے۔ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرتا رہے اور ہر ممکن طریقے سے انہیں راضی رکھنے کی کوشش کرے وہ شخص قطعاً نیک نہیں ہے جس کے اخلاق اچھے نہ ہوں اور کردار مشکوک ہو۔

قرآن اور حدیث کی کتابوں میں اگرچہ بڑی تفصیل سے "گناہوں" کی فہرست دے دی گئی ہے لیکن گناہ کی حقیقت کو بے نقاب کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو بڑی نشانیاں بیان فرما دی ہیں تاکہ اس کی پہچان میں کسی طرح کی الجھن نہ رہے۔

پہلی نشانی یہ ہے کہ اس سے دل میں اطمینان نہ ہو بلکہ اس کے کرنے سے کھٹک پیدا ہو، ضمیر چبھن محسوس کرے۔

دوسری نشانی یہ ہے کہ اسے علانیہ کر گزرنے کی جرأت نہ ہو اور چاہا جائے کہ یہ بات عام لوگوں کے علم میں نہ آئے۔

ثواب و عذاب کے راستے

(۱۳۹) سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ؟ قَالَ: تَقْوَى اللّٰهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَسُئِلَ عَنْ اَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ؟ قَالَ الْفَمُ وَالْفَرْجُ

(ترمذی عن ابی ہریرۃ ابواب البر والصلۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا حضور! عام طور پر کون سے اعمال لوگوں کو جنت میں لے جانے کا باعث بنیں گے؟ آپؐ نے فرمایا اللہ کا خوف اور اچھا خلق پھر سوال کیا گیا عام طور پر کون سے اسباب لوگوں کو دوزخ میں لے جائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا منہ اور شرمگاہ۔

تشریح: (۱) "اللہ کا خوف" (تقوی اللہ) اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کی طرف اشارہ ہے، اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کا اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے اور آدمی ان سب احکام کی تعمیل کرے جن پر عمل کرنے کا اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا ہے اور ان سب غلطیوں اور خطاؤں کو ترک کر دے جن سے اللہ تعالیٰ نے اسے روکا ہے۔

(۲) اچھے اخلاق (حسن الخلق) سے مراد یہ ہے کہ خدا کی مخلوق کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی کسی کو ایذا نہ دے اور اس کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ تم اس شخص کے ساتھ نیک سلوک کرو جس نے تمہارے ساتھ برا سلوک کیا ہے جو شخص خالق کائنات اور اس کی مخلوق کے حقوق ادا کرتا رہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے لازماً جنت میں جائے گا۔

(۳) منہ، پیٹ میں غذا جانے کا دروازہ ہے اور اس میں گفتگو کرنے کا آلہ (زبان) بھی لگا ہوا ہے۔ جس شخص کی زبان قابو میں نہ رہے، اور اس کے جسم کی نشوونما بھی رزق حرام سے ہوتی رہے اور اس کی
(۴) شرمگاہ بھی بے لگام ہو وہ لازماً دوزخ کا ایندھن بنے گا۔

شرمگاہ اور زبان کی بے لگامی اور رزق حرام کھانے سے انفرادی اور اجتماعی طور پر جو ابتری، بدنظمی، اور مفاسد پیدا ہوتے ہیں اس کا لازمی نتیجہ دوزخ میں جانے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے بلکہ دنیا میں ظلم، کفر، بغاوت اور فسق و فجور کی کونپلیں شرمگاہ اور زبان کی بے اعتدالی کے شجر خبیث سے پھوٹتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ خدا کا خوف (یعنی اللہ کی عدالت میں کارناموں پر احتساب کا ڈر) ہر حال میں اور ہر معاملہ میں اگر انسان پر مسلط رہے تو وہ ظلم اور گناہ سے متنفر ہو جاتا ہے، کیونکہ خدا کے خوف سے بے نیازی، ہر برائی اور زیادتی کی جڑ ہے۔

معاشرے کی فلاح اور ترقی کا دارومدار بہترین اخلاق پر ہے۔ انفرادی طور پر خدا ترس اور خوش اخلاق آدمی ہر حیثیت سے امن و اطمینان اور بھلائی کا جیتا جاگتا پیکر ہوتا ہے اس معاشرے کے خوش حال ہونے میں کون شک کر سکتا ہے جس کی شیرازہ بندی میں خدا کے خوف اور "اچھے اخلاق" کو بنیادی اہمیت حاصل ہو۔

ترکِ دُنیا خلافِ سنّت ہے

(۱۴۰) جَاءَ ثَلٰثَةُ رَهْطٍ اِلٰى بُيُوْتِ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا كَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا فَقَالُوْا وَاَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَحَدُهُمْ اَمَّا اَنَا فَاِنِّيْ اُصَلِّي اللَّيْلَ اَبَدًا۔ وَقَالَ اٰخَرُ اَنَا اَصُوْمُ الدَّهْرَ وَلَا اُفْطِرُ وَقَالَ اٰخَرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَاءَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى

اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ:

اَنْتُمُ الَّذِیْ قُلْتُمْ کَذَا وَکَذَا اَمَا وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَخْشَاکُمْ لِلّٰہِ وَاَتْقَاکُمْ لَہٗ لٰکِنِّیْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّیْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ

(بخاری عن انس کتاب النکاح)

تین آدمی ازواج مطہرات رض کے گھر آئے انہوں نے ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق سوال کیا جب انہیں بتایا گیا تو انہوں نے اسے تھوڑا قرار دیتے ہوئے کہا ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت؟ آپؐ کی تو سب اگلی پچھلی خطاؤں کو معاف کر دیا گیا ہے ان میں سے ایک نے کہا میں ساری رات نماز پڑھتا رہوں گا۔ دوسرا بولا: میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور افطار نہ کروں گا تیسرے نے کہا، میں عورتوں سے جدا ہو جاؤں گا اور کبھی شادی نہ کروں گا۔ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان باتوں کی اطلاع پہنچی تو) آپؐ ان کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا: تم نے یہ اور یہ باتیں کہی ہیں اللہ کی قسم! میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں اور تقویٰ و پرہیزگاری میں تم سب سے بڑھ کر ہوں۔ لیکن میں روزے رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا میں نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں۔ جو میرے طریقے کو ترک کرتا ہے وہ مجھ سے نہیں ہے۔

تشریح: بعض روایات میں ہے کہ ان سوال کرنے والوں میں سے ایک نے کہا میں گوشت نہ کھاؤں گا دوسرے نے کہا میں بستر پر نہ سوؤں گا، تیسرے نے کہا میں شادی نہ کروں گا (مسلم کتاب النکاح)

یہ رہبانیت (ترکِ دنیا) کی طرف رجحان تھا جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً کچل کر رکھ دیا۔ اسلام کے نظامِ حیات میں مکمل مادیت ہے نہ رہبانیت بلکہ یہ نظام

روح اور مادہ کے حسین امتزاج کا داعی ہے اسی چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "سنت" سے تعبیر فرمایا ہے۔ دینِ اسلام میں ترکِ دنیا کی کوئی گنجائش نہیں ہے بستر پر سونا، اچھی غذا کھانا اور عورتوں سے نکاح کرنا نیکی اور پرہیزگاری کے خلاف نہیں ہے۔

توبہ کی حقیقت

(۱۴۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلتَّوْبَةُ مِنَ الذَّنْبِ اَنْ يَّتُوْبَ مِنْهُ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ فِيْهِ۔

(مسند احمد عن ابن مسعود نمبر ۴۲۶۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ سے توبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی پھر دوبارہ اس گناہ کا مرتکب نہ ہو۔

تشریح: انسان سے غلطی کا ہو جانا ناممکن نہیں ہے لیکن کسی گناہ پر اصرار کرنا بغاوت ہے ایک مؤمن گناہ گار تو ہو سکتا ہے لیکن باغی نہیں ہو سکتا گناہ کرنے کی کیفیت انسان کو بندگی کے مقام سے ذرا ہٹا دیتی ہے اس لیے گناہ سرزد ہو جانے کے فوراً بعد توبہ کرنی چاہیئے۔ توبہ کے معنی ہیں پلٹنا اور رجوع کرنا۔ "بندے نے گناہ سے توبہ کی" کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے اپنی اس غلطی کا اعتراف کیا اور اپنے آقا کی نافرمانی سے باز آ گیا، اس کا سر ندامت سے جھک گیا اور اب اس نے آیندہ اس گناہ کے نہ کرنے کا عہد کیا ہے اور اس نے عزم کر لیا ہے کہ وہ پہلے کی طرح اپنے رب کا وفادار بندہ بن کر رہے گا۔

صرف زبان سے "توبہ" کا لفظ ادا کرنے سے توبہ نہیں ہوتی بلکہ توبہ نام ہے اس طرزِ عمل کا کہ مجرم وخطا کار بندہ جس جرم اور خطا سے توبہ کر رہا ہے اسے بالکلیہ ترک کر دے دل میں اپنی غلط کاری پر سخت پشیمان ہو اور اس گناہ میں پھر ملوث نہ ہونے کا عزم کرے لیکن اگر گناہ ظلم کی نوعیت کا ہو تو جب تک اس کی تلافی نہ

کرے تو بہ قبول نہ ہوگی۔ تلافی کی متعدد صورتیں ہیں مثلاً مظلوم کو بعینہ وہی چیز لوٹا دے جو اس سے چھینی ہے یا اس کی قیمت ادا کرے یا اس سے معافی چاہے اور وہ خوش دلی سے ظالم کو معاف کر دے۔

اسلام اور بدکاری

(۱۴۲) كَانَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ مَرْثَدُ بْنُ أَبِي مَرْثَدٍ وَكَانَ رَجُلًا يَحْمِلُ الْأَسْرَى مِنْ مَكَّةَ حَتَّى يَأْتِيَ بِهِمُ الْمَدِينَةَ قَالَ وَكَانَتِ امْرَأَةٌ بَغِيٌّ بِمَكَّةَ يُقَالُ لَهَا عَنَاقُ وَكَانَتْ صَدِيقَةً لَهُ وَإِنَّهُ كَانَ وَعَدَ رَجُلًا مِنْ أُسَارَى مَكَّةَ يَحْتَمِلُهُ قَالَ فَجِئْتُ حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلَى ظِلِّ حَائِطٍ مِنْ حَوَائِطِ مَكَّةَ فِي لَيْلَةٍ مُقْمِرَةٍ، قَالَ فَجَاءَتْ عَنَاقُ فَأَبْصَرَتْ سَوَادَ ظِلِّي بِجَنْبِ الْحَائِطِ فَلَمَّا انْتَهَتْ إِلَيَّ عَرَفَتْ فَقَالَتْ: مَرْثَدٌ؟ فَقُلْتُ: مَرْثَدٌ فَقَالَتْ مَرْحَبًا أَهْلًا فَبِتْ عِنْدَنَا اللَّيْلَةَ: قُلْتُ يَا عَنَاقُ، حَرَّمَ اللهُ الزِّنَا: قَالَتْ يَا أَهْلَ الْخِيَامِ هٰذَا الرَّجُلُ يَحْتَمِلُ أُسَرَاءَكُمْ قَالَ فَتَبِعَنِي ثَمَانِيَةٌ وَسَلَكْتُ الْخَنْدَمَةَ فَانْتَهَيْتُ إِلَى غَارٍ أَوْ كَهْفٍ فَدَخَلْتُ فَجَاءُوا حَتَّى قَامُوا عَلَى رَأْسِي فَبَالُوا فَظَلَّ بَوْلُهُمْ عَلَى رَأْسِي وَعَمَّاهُمُ اللهُ عَنِّي قَالَ ثُمَّ رَجَعُوا وَرَجَعْتُ إِلَى صَاحِبِي فَحَمَلْتُهُ وَكَانَ رَجُلًا ثَقِيلًا حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلَى الْإِذْخِرِ فَفَكَكْتُ عَنْهُ أَكْبُلَهُ فَجَعَلْتُ أَحْمِلُهُ وَيُعْيِينِي حَتَّى قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ۔

(ترمذی ابواب التفسیر سورۃ النور۔ ابوداؤد کتاب النکاح۔ نسائی کتاب النکاح)

مرثد نامی ایک صحابی مکہ سے مسلمان قیدیوں کو مدینہ منتقل کرتے تھے (جاہلیت کے زمانہ میں) عناق نامی ایک بدکار عورت ان کی آشنا تھی ایک دفعہ کا

واقعہ ہے کہ انہوں نے مکہ کے ایک قیدی سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے اٹھا کر لے جائیں گے مرثد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں چاندنی رات میں مکہ کی ایک دیوار کے سایہ میں جا کر رُکا، عناق نے مجھے دیوار کے پہلو میں دیکھا ٹی، پہچانا اور بولی مرثد ہو؟ میں نے کہا جی، ہاں مرثد ہوں پھر وہ بولی، خوش آمدید آیئے، آج رات آپ کا قیام ہمارے ہاں رہے گا میں نے (اس کی دعوتِ عیش کے جواب میں) کہا عناق! اللہ نے زنا کو حرام کیا ہے اس نے کہا اے خیمہ والو یہ شخص تمہارے قیدیوں کو اٹھا کر لے جاتا ہے (اسے گرفتار کر لو، جانے نہ پائے) پھر آٹھ آدمیوں نے میرا تعاقب کیا میں (مکہ کے ایک پہاڑ) خندمہ کو پار کر کے ایک غار میں جا چھپا وہ آئے یہاں تک کہ غار کے دہانے پر کھڑے ہو کر انہوں نے میرے سر پر پیشاب کیا اللہ نے انہیں اندھا کر دیا وہ مجھے نہ دیکھ سکے۔ اور لوٹ گئے۔ (ان کے چلے جانے کے بعد) میں اپنے رفیق کے ہاں پہنچا اور انہیں اُٹھا کر اذخر (مکہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے) تک لے گیا وہ رفیق بھاری جسم والے تھے) میں نے ان کی بیڑیاں کھولیں میں انہیں اٹھا کر چلا یہاں تک کہ مدینہ آیا —— اس نے مجھے تھکا دیا تھا۔

تشریح: حضرت مرثد رضی اللہ عنہ مکہ کے مسلمان قیدیوں کو کفار کے نرغے سے چھڑا کر مدینہ لے جاتے تھے دورِ جاہلیت میں مکہ کی ایک عیاش عورت سے ان کی آشنائی تھی اسلام کو اپنا نظامِ حیات قرار دینے کے بعد کایا پلٹ گئی اور یہ اسلامی کردار کا نتیجہ تھا کہ رات کی تنہائی میں خدا کے خوف نے ان کو ہوس کے سامنے ہتھیار ڈالنے سے روک دیا۔

مومن کا کردار

(۱۴۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجِبْتُ مِنْ قَضَاءِ

اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ لِلْمُؤْمِنِ، اِنْ اَصَابَہٗ خَیْرٌ حَمِدَ رَبَّہٗ وَشَکَرَ وَاِنْ اَصَابَتْہُ مُصِیْبَۃٌ حَمِدَ رَبَّہٗ وَصَبَرَ، اَلْمُؤْمِنُ یُؤْجَرُ فِیْ کُلِّ شَیْءٍ حَتّٰی فِی اللُّقْمَۃِ یَرْفَعُھَا اِلٰی فِیْ اِمْرَأَتِہٖ۔

(مسند احمد عن سعید بن ابی وقاص نمبر ۱۴۸۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کے متعلق اللہ کے فیصلہ پر میں تعجب کرتا ہوں وہ بھلائی پاتے پر اللہ کی تعریف کرتا ہے اور اس کا شکر بجالاتا ہے اور مصیبت پہنچنے پر اپنے رب کی تعریف کرتا ہے اور صبر کرتا ہے (گھبراتا نہیں ہے) مؤمن کو ہر چیز پر (اللہ کی طرف سے) اجر ملتا ہے یہاں تک کہ اسے اپنی بیوی کے منہ میں کھانے کا ایک لقمہ دینے پر بھی ثواب ملتا ہے۔

تشریح: یہ وعدہ اور انعام اس مؤمن کے لیے ہے جو ظاہر اور باطن میں صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتا ہے، عبادات، لین دین، معاملات، تعلقات، اخلاق اور اجتماعی زندگی میں صرف اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے اور اس کی رضا کو پیش نظر رکھتا ہے۔

(۱۴۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَہٗ کُلَّہٗ خَیْرٌ وَلَیْسَ ذٰلِکَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، اِنْ اَصَابَتْہُ سَرَّاءُ شَکَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَّہٗ وَاِنْ اَصَابَتْہُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَّہٗ (مسلم عن صُہیبؓ کتاب الزھد باب فی احادیث متفرقہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہے اس کے ہر کام میں بھلائی ہے یہ بات صرف مؤمن کو ہی حاصل ہے خوشحالی میں وہ خدا کا شکر ادا کرتا ہے، فقر و فاقہ اور دکھ میں وہ صبر کرتا ہے (گھبراتا نہیں ہے) اور دونوں صورتوں میں اس کے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے۔

تشریح: "مؤمن" ہر معاملہ میں صرف اللہ پر اعتماد کرتا ہے اور اللہ ہی سے ڈرتا

ہے اس کی تمناؤں اور امیدوں کا مرکز بھی وہی ہوتا ہے خوشی، فارغ البالی اور مسرتوں سے ہمکنار ہو کر وہ سراپا شکر بن جاتا ہے اور یقین کرتا ہے کہ عطاؤ بخشش کی یہ فراوانی رب اکرم کی نگاہِ رحمت کا فیض ہے پھر وہ ان نعمتوں پر اتراتا نہیں بلکہ ان سے فائدہ اٹھانے اور برتتے ہوئے وہ سب سے زیادہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ ان نعمتوں کا بخشنے والا آقا اس سے ناراض نہ ہو جائے۔

جان و مال کے نقصان اور مصیبتوں کی آندھی اسے بدحواس نہیں کرتی، کسی آفت پر وہ گھبرا نہیں اٹھتا بلکہ آزمائش کے ہر ہر مرحلہ میں نہایت ثابت قدم رہتا ہے وہ حق و انصاف کے مسلک پر بڑی جرأت کے ساتھ جم جاتا ہے باطل کی کوئی یلغار اور طاغوت کی کوئی دھمکی اس کے ایمان کو نہیں دبا سکتی۔ عام حالات میں وہ بیماری، تنگدستی اور کسی طرح کے حادثہ سے متأثر ہو کر اپنی بے چارگی اور مصیبت کا اشتہار نہیں دیتا بلکہ بڑی پامردی کے ساتھ وہ ناسازگاری حالات کا رخ بدلنے کی کوشش کرتا ہے، اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اسی سے دعا مانگتا ہے، اس طرح بھلائی پر شکر کرنے سے وہ اجر پاتا ہے اور مصیبت میں صبر کرنے پر بھی وہ اجر پاتا ہے

نیکی اور بُرائی کی کسوٹی

(۱۴۵) قَالَ رَجُلٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ لِيْ اَنْ اَعْلَمَ اِذَا اَحْسَنْتُ وَ اِذَا اَسَأْتُ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعْتَ جِيْرَانَكَ يَقُوْلُوْنَ قَدْ اَحْسَنْتَ فَقَدْ اَحْسَنْتَ وَ اِذَا سَمِعْتَهُمْ يَقُوْلُوْنَ قَدْ اَسَأْتَ فَقَدْ اَسَأْتَ۔ (مسند احمد عن ابن مسعود نمبر ۳۸۰۸، مشکوٰۃ کتاب الآداب)

ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا مجھے کیسے پتہ چلے کہ میں نے اچھا کام کیا ہے یا بُرا؟ آپؐ نے فرمایا جب تو اپنے

پڑوسیوں سے سنے کہ تو نے اچھا کام کیا ہے تو یقین جان لے کہ فی الواقع تو نے اچھا کام کیا ہے اور جب تُو اپنے پڑوسیوں کو یہ کہتے سنے کہ تُو نے بُرا کیا ہے تو تجھے سمجھ لینا چاہیئے کہ تُو نے یقیناً بُرا کیا ہے۔

تشریح: ظاہری وضع قطع اور خوش گفتاری سے عام لوگوں کو فریب دیا جا سکتا ہے اور بعض اوقات انسان مغالطہ کھا کر خود ہی فریب نفس کا شکار ہو جاتا ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی آدمی کے اچھے یا بُرے ہونے کے معاملہ میں اس کے ہمسائے کو کسوٹی قرار دیا ہے کیونکہ ہر شخص کے نیک یا برے ہونے کی متعلق بے لاگ رائے صرف اس کے ہمسائے کی ہو سکتی ہے پڑوسی بتا سکتا ہے کہ فلاں شخص کے اخلاق کیسے ہیں؟ وہ لین دین میں کیسا ہے؟ وہ رحمدل ہے یا بدخو اور سنگدل ہے؟ غریب ہمسایوں کے ساتھ اس کا برتاؤ کیسا ہے؟ تقوٰی کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ انسان اپنے غریب رشتہ داروں اور ناداروں اور نادار ہمسایوں سے بے رخی نہ برتے، انہیں حقیر نہ جانے۔

باب ششم

رسُول پر ایمان

ایمان اور محبت رسولؐ

(۱۴۶) قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

(بخاری عن انس کتاب الایمان ۔ مسلم کتاب الایمان)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص جب تک مجھے اپنے باپ، بیٹے اور سب لوگوں سے زیادہ پیارا اور محبوب نہ بنالے اس وقت تک وہ مؤمن نہیں ہو سکتا۔

تشریح: صرف یہ نہیں فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرو" بلکہ یہ فرمایا ہے کہ "تمہیں سب سے زیادہ محبت اور پیار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہونا چاہیے" ورنہ تم مؤمن نہیں ہو محبت کا تعلق دل اور جذبات سے ہے یہ ایک غیر مرئی کیفیت ہے جو سمجھ میں تو آتی ہے لیکن بیان نہیں کی جا سکتی۔ البتہ اس کی علامت یہ ہے کہ محب اپنے محبوب کی ہر ادا پر جان دیتا ہے اور ہر معاملہ میں اس کی پیروی میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ وہ اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اپنے محبوب سے اختلاف کرے یا اس کے کسی فرمان کو ٹھکرا دے یا اس کے کسی حکم کو نہ مانے یا اس راہ پر چلے جسے اس کا محبوب پسند نہ کرتا ہو یا اپنے محبوب کے دشمنوں سے دوستی قائم کرلے جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ پیار اور محبت ہو اور بہت گہرا قلبی تعلق ہو اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ آنجنابؐ سے اختلاف کرے یا آپؐ کی فرمائش کو نظر انداز کردے یا زندگی کے کسی معاملہ میں بھی آنحضرتؐ کے فیصلہ کو مسترد کردے یا ایسے نظام کو قائم کرنے کی کوشش کرے جس کو مٹانے کے لیے آنحضرتؐ تشریف لائے تھے۔

(۱۴۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ ھِشَامٍ قَالَ کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

وَهُوَ اٰخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اِلَّا مِنْ نَفْسِيْ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهٗ: لَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ فَاِنَّهُ الْاٰنَ، وَاللّٰهِ لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاٰنَ يَا عُمَرُ۔

(بخاری کتاب الایمان والنذور)

حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپؐ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا، حضرت عمرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ مجھے ہر چیز سے زیادہ پیارے ہیں سوائے میری اپنی ذات کے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری زندگی ہے (تو مؤمن نہیں ہو سکتا) یہاں تک کہ میں تجھے تیری جان سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں، جناب عمرؓ نے عرض کیا۔ حضورؐ! اب تو آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کے جواب میں) فرمایا: اب تیرا ایمان کامل ہوا۔

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے بغیر ایمان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا یقین ہے کہ جو دل سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے خالی ہے اس میں ایمان کا نور نہیں آ سکتا بلکہ یہ تعلقِ خاطر اس قدر قوی ہونا چاہیئے کہ دنیا کی ہر چیز حتیٰ کہ انسان کی اپنی شخصیت سے بھی زیادہ محبت، آنحضورؐ کی ذات گرامی سے ہو، جو شخص فی الواقع محبت کے اس مقام پر ہو وہ زندگی کے کسی مرحلہ میں بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا اور نہ آپؐ کے طریقہ سے ہٹ سکتا ہے اور نہ آپؐ کے بتائے ہوئے صراط مستقیم

سے بال برابر انحراف کر سکتا ہے بلکہ کانٹے کی بات یہ ہے کہ وہ کوئی ایسا کام نہیں کر سکتا جو آنحضورؐ کی نگاہ میں ناگوار ہو۔

لیکن بڑا دکھ ہوتا ہے یہ دیکھ کر کہ "عشقِ رسول" کے بڑے بڑے مدعیوں کی زندگی میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور اخلاق کا عکس نظر نہیں آتا۔

رسولؐ کی اطاعت خُدا کی اطاعت ہے

(۱۴۸) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ

(بخاری عن ابی ہریرہ کتاب الاحکام)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے میری فرمانبرداری کی بے شک اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جس نے میری نافرمانی کی، اُس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ ہم سب کا آقا، حاکم اور بادشاہ ہے، ہم سب اس کے غلام، محکوم اور رعیت ہیں اس لیے زندگی کے ہر معاملہ میں اس کی فرمانبرداری اور اطاعت ہم پر فرض ہے لیکن یہ کیسے معلوم ہو کہ ہم اپنے حقیقی مالک کی اطاعت کر رہے ہیں یا اس سے بغاوت کر رہے ؟ اس حدیث میں اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر فی الواقع تم اللہ رب العالمین کی اطاعت کرنا چاہتے ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو کیونکہ آنجنابؐ اللہ تعالیٰ کے نمایندے ہیں۔ اگر تم نے آنجناب کی فرمانبرداری کی تو یقین جانو کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور اگر تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کی، آپؐ کی ہدایات کو پسِ پشت ڈال دیا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تم نے اپنے آقا و مالک (اللہ رب العالمین) کی حکم عدولی کی۔

حضورؐ کی نافرمانی رسالت کا انکار ہے

(۱۴۹) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ. کُلُّ اُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ اِلَّامَنْ اَبٰی. قَالُوْا وَمَنْ یَّاْبٰی؟ قَالَ مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّۃَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی۔

(بخاری عن ابی ہریرہ کتاب الاعتصام)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری ساری امت، بہشت میں جائے گی مگر (وہ شخص بہشت میں نہ جا سکے گا) جس نے انکار کیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا:

کون انکار کرتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جس نے میری فرمانبرداری کی وہ بہشت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی بیشک اس نے انکار کیا۔

تشریح: جو شخص زندگی کے ہر معاملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے وہ آپؐ کا اُمتی ہے اور لازماً جنت میں جائے گا اور جو شخص آنجنابؐ کی ہدایات کو نہیں مانتا وہ آپ کا اُمتی نہیں ہے بلکہ مُنکر ہے اس کے لیے بہشت میں کوئی جگہ نہیں ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہ شخص بہشت کا مستحق ہے اور آپؐ کا امتی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطیع ہو، معاملات، اخلاق، تعلقات اور سیاست ومعاشرت میں آنجنابؐ کا پیرو ہو اور پیروی کرنا زبانی کلامی نہیں عملی کام ہے۔

مقامِ رسالت

(۱۵۰) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا نَھَیْتُکُمْ عَنْ شَیْءٍ فَاجْتَنِبُوْہُ وَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِاَمْرٍ فَاْتُوْا مِنْہُ مَا اسْتَطَعْتُمْ

(بخاری عن ابی ہریرہ کتاب الاعتصام)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جب تمہیں کسی چیز سے روک دوں تو اس سے اجتناب کرو۔ اور میں جب تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جہاں تک ہو سکے اس پر عمل کرو۔

تشریح: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام بہت بلند ہے آپ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہر جملہ اسلامی قانون کا ماخذ بن جاتا ہے، حضرت کے ہونٹوں سے نکلے ہوئے الفاظ زندگی کی شاہ راہ کے فانوس بن جاتے ہیں بلکہ آپ کے فیصلوں اور اصولوں نے پوری دنیا کے فلسفیوں، قانون دانوں اور دانشوروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اس لیے آنجناب نے فرمایا میں تمہیں جس کام سے روک دوں، اس سے رک جاؤ۔ اور جس کام کا حکم دوں تم اسے کرو۔

اللہ کے نمایندے کی حیثیت سے شریعت میں آپؐ کا یہ مقام مسلم ہے، آنجنابؐ ساری امت کے قائد اور امام ہیں۔ آپ کے اس مقام کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا بعض احمقوں نے یہ رائے قائم کر رکھی ہے کہ دین کا ماٗخذ صرف قرآن حکیم ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو اسے لانے والے ہیں آپؐ دینی احکام اور قوانین کا ماٗخذ نہیں ہیں اس روایت یہ اصول بتایا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین کے نظام میں اتھارٹی اور حجت ہیں آپ جس چیز کا حکم دیں وہ واجب التعمیل ہے اور جس چیز سے روک دیں اس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

ختم نبوّت

(۱۵۱) اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا مَثَلِیْ وَمَثَلُ النَّاسِ کَمَثَلِ رَجُلٍ اِسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَہٗ جَعَلَ الْفَرَاشُ وَالدَّوَابُّ تَقْتَحِمُ فِیْھَا فَاَنَا اٰخُذُ بِحُجَزِکُمْ وَاَنْتُمْ تُوَاقِعُوْنَ فِیْھَا ـــــــ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بُنْیَانًا فَاَحْسَنَہٗ وَاَکْمَلَہٗ وَاَجْمَلَہٗ فَجَعَلَ النَّاسُ

يُطِيفُوْنَ بِهٖ، يَقُوْلُوْنَ: مَارَأَيْنَا بُنْيَانًا أَحْسَنَ مِنْ هٰذَا اِلَّا هٰذِهِ الثُّلْمَةَ فَأَنَا تِلْكَ الثُّلْمَةُ۔

(مُسند احمد عن ابی ہریرہ نمبر ۷۳۱۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا اور لوگوں کا معاملہ اس شخص کی طرح ہے جس نے (سخت تاریک رات میں) آگ جلائی۔ جب اس کا سارا ماحول روشنی سے جگمگا اٹھا تو پروانے اور جانور اس (آگ) میں گھسنے لگے، بس میں تمہاری کمر کو پکڑے ہوئے ہوں اور تم پروانے کی طرح آگ میں گھسے جا رہے ہو (پھر فرمایا) حضرات انبیاء علیہم السلام کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے ایک خوبصورت، دیدہ زیب اور مکمل عمارت بنائی پھر لوگوں نے اس کے اندر باہر چکر لگا کر یہ کہنا شروع کیا کہ ہم نے اس سے زیادہ خوبصورت عمارت نہیں دیکھی مگر یہ ایک شگاف ہے (جس نے اس پوری عمارت کو کچھ معیوب بنا دیا ہے آخر میں) میں نے آکر (نبوت و رسالت کی عمارت کا) یہ خلاء پر کر دیا۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوتِ حق کے ذریعہ خلقِ خدا کو کفر اور جاہلیت کی تاریک رات سے نکالنے کی کوشش کی فضا اسلام کی روشنی سے جگمگا اٹھی مگر حضورؐ کی اس سعی وجہد کے باوجود غلط کار لوگوں نے دعوتِ حق سے منہ موڑ کر دوزخ کے راستہ پر چلنے کو ترجیح دی، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نبوت و رسالت کی عمارت اس وقت مکمل ہوئی جب امام الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اب اس عمارت میں کوئی رخنہ نہیں ہے جسے پر کرنے کے لیے کسی نئے نبی کی ضرورت ہو

آنحضرت ﷺ کا احترام اور ادب

(۱۵۲) اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِفْتَقَدَ ثَابِتَ بْنَ قَيْسٍ فَقَالَ

رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا اَعْلَمُ لَکَ عِلْمَہٗ فَأَتَاہُ فَوَجَدَہٗ جَالِسًا فِیْ بَیْتِہٖ مُنَکِّسًا رَأْسَہٗ فَقَالَ مَاشَأْنُکَ؟ فَقَالَ شَرٌّ: کَانَ یَرْفَعُ صَوْتَہٗ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُہٗ وَھُوَ مِنْ اَھْلِ النَّارِ فَأَتَی الرَّجُلُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَہٗ اَنَّہٗ قَالَ کَذَا وَکَذَا فَرَجَعَ اِلَیْہِ الْمَرَّۃَ الْاٰخِرَۃَ بِبِشَارَۃٍ عَظِیْمَۃٍ فَقَالَ اذْھَبْ اِلَیْہِ فَقُلْ لَہٗ اِنَّکَ لَسْتَ مِنْ اَھْلِ النَّارِ وَلٰکِنَّکَ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ۔

(بخاری عن انس کتاب المناقب۔ کتاب التفسیر مسلم کتاب الایمان)

(جب حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبویؐ میں حاضری ملتوی کردی تو) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے؟ ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ان کی خبر لاتا ہوں۔ وہ گیا اور جا کر دیکھا کہ وہ سرنگوں ہو کر اپنے گھر میں بیٹھے ہیں۔ پوچھا، بتایئے آپ کا کیا حال ہے؟ حضرت ثابت نے جواب دیا بہت بُرا حال ہے، میری آواز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچی ہے میرا عمل برباد ہو گیا ہے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہایت بلند آواز سے باتیں کرتا رہا ہوں اور میں ان لوگوں میں سے ہوں جو دوزخ میں جائیں گے اس آدمی نے آنجناب کی خدمت میں حاضر ہو کر "ثابت رضؓ" کا حال من وعن کہہ سنایا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جا کر اس سے کہہ دو، کہ تُو جہنمی نہیں ہے بلکہ تُو بہشت میں جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ عظیم الشان خوشخبری لے کر وہ آدمی دوبارہ حضرت ثابت رضؓ کے ہاں پہنچا اور یہ پیغام دیا۔

تشریح: اصل واقعہ یہ ہے کہ جب سورۃ الحجرات کی یہ آیت نازل ہوئی۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ

وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنی آواز نبیؐ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبیؐ کے ساتھ اونچی آواز سے بات کیا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو)

تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری ملتوی کر دی اور اپنے گھر میں بیٹھ گئے ـــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذؓ (اور بعض روایات کی رو سے حضرت سعد بن عبادہؓ) سے پوچھا ثابتؓ کا کیا حال ہے؟ کیا وہ بیمار ہو گئے ہیں؟ سعدؓ نے عرض کیا حضور! وہ تو میرے پڑوسی ہیں میرے خیال میں تو انہیں کوئی تکلیف نہیں ہے بالآخر جنابِ سعدؓ نے جا کر ثابت بن قیسؓ کو آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی گفتگو سے آگاہ کیا وہ بولے: "سورہ حجرات کی اس آیت نے مجھے بہت پریشان کیا ہے تم جانتے ہو میری آواز آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی آواز سے بہت بلند ہے اس آیت کی رو سے میں ان لوگوں میں سے ہوں جو دوزخ میں جائیں گے۔"

یہ بات سن کر حضرت سعدؓ نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی پریشانی کا ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا یہ بات نہیں ہے جا کر اس سے کہہ دو کہ ثابت! تو جنتی ہے اس روایت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام اور اطاعت میں کس درجہ حساس اور محتاط تھے اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمرؓ کی آواز میں اس قدر پستی آگئی تھی کہ نبی صلی اللہ وسلم ان سے فرماتے دوبارہ کہو میں آپ کی بات کو پوری طرح نہیں سمجھ سکا ہوں۔

حضرت طلحہؓ کی جانثاری

(۱۵۳) عَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِىْ حَازِمٍ قَالَ رَاَيْتُ يَدَ طَلْحَةَ الَّتِىْ وَقٰى بِهَا النَّبِىَّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ شَلَّتْ

(بخاری کتاب المناقب باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومسند احمد ۱۳۸۵)

قیس سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے حضرت طلحہ کا وہ لنجا ہاتھ دیکھا ہے جس سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا تھا۔

تشریح: غزوۂ احد (۳ھ ہجری) میں کفار مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تلواروں اور نیزوں سے بے شمار حملے کیے تھے حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان کی ضربیں اپنے ہاتھ پر لیں، ان کی شہادت کی انگلی بالکل کٹ گئی اور ران کے ہاتھ کی رگیں کٹ گئیں اس لیے وہ ہاتھ خشک اور بیکار ہوگیا۔ انہیں سب سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ حق و باطل کی اس جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو کسی طرح کا دکھ اور رنج نہ پہنچے۔

انصار کا عشقِ رسول

(۱۵۴) اِنَّ الْمِقْدَادَ اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَدْعُوْ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَا نَقُوْلُ كَمَا قَالَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ لِمُوْسٰى: اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ وَلٰكِنْ نُقَاتِلُ عَنْ يَمِيْنِكَ وَعَنْ يَسَارِكَ وَمِنْ بَيْنِ يَدَيْكَ وَمِنْ خَلْفِكَ فَرَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشْرَقَ وَجْهُهٗ وَسَرَّهٗ ذٰلِكَ

(مسند احمد عن ابن مسعود نمبر ۳۶۹۸ — ۴۳۷۶) (بخاری کتاب المغازی، کتاب التفسیر)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین مکہ کے خلاف اللہ سے دعا کر رہے تھے تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے آکر عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم وہ بات نہیں کہتے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ "تو اور تیرا رب جا کر لڑے ہم تو یہاں بیٹھے ہیں" بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں ہو کر

(اللہ کے دشمنوں سے) لڑیں گے آپؐ کے آگے پیچھے ہو کر کفار سے جنگ کریں گے ـــــ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک چمک اٹھا اور یہ بات سن کر آپ کو بہت خوشی ہوئی۔

تشریح: غزوہ بدر ۲ھ ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ایک اور زمین کی نسبت دیکھ کر متفکر ہوئے، اللہ سے گڑ گڑا کر دعا کی، آپؐ کی پریشانی کو دیکھ کر حضرت مقداد رضؓ نے عرض کیا "حضور! گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے ہم انشاء اللہ بڑی بے جگری سے اس معرکۂ خیر و شر میں حصہ لیں گے اور خون کا آخری قطرہ بہا دیں گے ہم آپؐ کے ساتھ وہ رویہ اختیار نہ کریں گے جو رویہ بنی اسرائیل نے موسٰی علیہ السلام کے ساتھ اختیار کیا تھا حضرت موسٰی علیہ السلام کی اپیل کے جواب میں انہوں نے یہ کہا تھا کہ تم خود جا کر لڑو اور کفار سے لڑنے کے لیے اپنے خدا کو بھی لے جاؤ اور تم دونوں مل کر لڑو، ہم یہاں بیٹھے ہیں" یہ بات سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی سے تمتما اٹھا اور مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ یہ ہے انصار کا عشقِ رسول، اور ہمارا عشقِ رسول حلق سے نیچے اترتا ہی نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سعی و جہد تو اللہ کے دین کو غالب کرنے اور اس کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے تھی وہ تو رہی ایک طرف، ہم سے تو صرف انفرادی زندگی میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہیں ہو سکتی لیکن اس بے عملی اور نافرمانی کے باوجود محبت رسول کے نغموں سے فضا گونج رہی ہے۔

سنّتِ رسُول قرآن ہی کی طرح حجت ہے

(۱۵۵) عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْکِتٰبَ وَمِثْلَہٗ مَعَہٗ اَلَا یُوْشِکُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَقُوْلُ عَلَیْکُمْ بِھٰذَا الْقُرْاٰنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْہِ مِنْ حَلَالٍ

فَاَحِلُّوْہُ وَمَا وَجَدْتُمْ فِیْہِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْہُ۔

(ابوداؤد عن المقدام بن معدیکرب کتاب السنۃ باب فی لزوم السنۃ)

رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار! مجھے اللہ کی طرف سے کتاب دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اس کی مانند (سنت) بھی دی گئی ہے، سنو، عنقریب ایک کھانا پیتا آدمی اپنی مسند پر تکیہ لگائے کہے گا اس قرآن کو مضبوطی سے پکڑلو اس میں جس چیز کو حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور اس میں جس چیز کو حرام پاؤ اسے حرام قرار دو۔

تشریح: اس میں "فتنہ انکار حدیث" کی طرف اشارہ ہے یہ پیش گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔ خوشحال لوگوں نے انکار سنت کا فتنہ کھڑا کرکے امتِ مسلمہ میں انتشار پیدا کردیا۔ اس گروہ کی دعوت الی القرآن کا حاصل یہ ہے کہ "دین کا مأخذ صرف قرآن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، سیرت اور سنت دین میں حجت نہیں ہے لہٰذا اس سے استدلال کرنا بھی جائز نہیں ہے" یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک حدیثوں کا ذخیرہ دین میں کوئی مقام نہیں رکھتا۔ دین کو صرف قرآن میں محصور کرنے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اتھارٹی نہ ماننے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ وہ قرآن کے ترجمہ اور تشریح میں (دورِ نبوت اور خلافتِ راشدہ سے بے نیاز ہوکر) اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ دورِ نبوت، خلافت راشدہ اور علوم عربیہ کی روشنی میں قرآن سمجھنے کے قائل نہیں ہیں۔ اس دعوت کو عموماً وہ جدید تعلیم یافتہ افراد قبول کرتے ہیں جو مغربی تہذیب وتمدن پر جان دیتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کو جیل کی زندگی سمجھتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے رجسٹر میں اپنا نام درج کرانے پر بھی مُصر ہیں اس فتنہ نے ان کی نفسیات کے مطابق قرآن کے جو "حقائق اور معارف" بیان کیے ہیں اس سے ان کے نفس جبلہ جو کو "آزادی" بھی حاصل ہوجاتی ہے اور خدا بھی ناراض نہیں ہوتا۔

(۱۵۶) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ

مُتَّكِئًا عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يَأْتِيْهِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِيْ مِمَّا اَمَرْتُ بِهٖ اَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ فَيَقُوْلُ لَا نَدْرِيْ مَا وَجَدْنَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ اِتَّبَعْنَاهُ۔

(ابوداؤد عن ابی رافع کتاب السنۃ ترمذی ابواب العلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگا کر بیٹھا ہو اسے میرا حکم پہنچے کہ میں نے کسی کام کے کرنیکا حکم دیا ہے یا کسی کام سے روکا ہے تو وہ کہہ اٹھے ہم (اس حکم کو) نہیں جانتے ہم تو صرف اس بات کی پیروی کریں گے جو قرآن میں ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی چیز سے روکنے اور کسی کام کے کرنے کا حکم دینے کا اختیار اللہ کی طرف سے حاصل ہے"۔ جو شخص آپ کی اس حیثیت کو نہیں مانتا اور کہتا ہے کہ مجھے تو صرف قرآن کی پیروی کرنی ہے وہ سخت گمراہ ہے۔ راہ راست سے بھٹکا ہوا ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن مجید سے الگ کر کے دوسرا کون قرآن کا شارح اور مفسر بن سکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نظر انداز کر دینے کے بعد تو قرآن کا مطلب ہی سمجھ میں نہیں آتا مثلاً قرآن میں ہے۔

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (نماز قائم کرو) اس کی جو تشریح عملاً اور قولاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اسے نظر انداز کر دینے کے بعد آخر نماز کی اقامت کیا چیز ہے؟ کن اوقات میں نماز ادا کرنی ہے؟ ہر نماز میں کتنی رکعتیں ہیں؟ نماز ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ پہلی تکبیر سے آخری سلام تک نماز ادا کرنے کا جو طریقہ مروج اور معلوم ہے قرآن میں تو اس کا کہیں سراغ نہیں ملتا۔ اسی طرح قرآن نے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ نہیں بتایا کہ زکوٰۃ کب اور کتنے مال پر فرض ہے؟ اور اس کی مقدار کیا ہے؟ غرضیکہ قرآن مجید کے احکام اور اصول کا صحیح فہم صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور تشریحات سے ہی حاصل

ہو سکتا ہے۔

اخلاقِ نبویؐ

(۱۵۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ خَدَمْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِیْنَ فَمَا قَالَ لِیْ اُفٍّ قَطُّ وَمَا قَالَ لِشَیْءٍ صَنَعْتُہٗ لِمَ صَنَعْتَہٗ؟ وَلَا لِشَیْءٍ تَرَکْتُہٗ لِمَ تَرَکْتَہٗ؟ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا وَمَا مَسِسْتُ خَزًّا قَطُّ وَلَا حَرِیْرًا وَلَا شَیْئًا کَانَ اَلْیَنَ مِنْ کَفِّ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا شَمِمْتُ مِسْکًا قَطُّ وَلَا عِطْرًا کَانَ اَطْیَبَ مِنْ عَرَقِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

(ترمذی ابواب الصلوٰۃ و مسلم کتاب الفضائل)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے دس برس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے آپؐ نے مجھے کبھی اُف تک نہیں کہا، اور نہ آپؐ نے کسی کام کے بارے میں یہ فرمایا کہ تُو نے یہ کیوں کیا؟ اور نہ کسی کام کے نہ کرنے پر یہ فرمایا کہ تُو نے اسے کیوں انجام نہ دیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ با اخلاق تھے۔ میں نے اُون اور ریشم کو بھی چھُوا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی اس سے بھی زیادہ نرم اور ملائم تھی میں نے مشک اور عطر کو بھی سونگھا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے نکلنے والا پسینہ مشک اور عطر سے بھی زیادہ خوشبودار اور معطر تھا۔

تشریح: حضرت انسؓ نے رحمۃ للعالمین کی سیرت پاک کا ایک ورق کھولا ہے وہ دس سالہ خادم کی حیثیت سے آپؐ کی جلوت اور خلوت کے عینی شاہد ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سرکارؐ نے مجھے کبھی نہیں ڈانٹا۔ میں نے کبھی آپؐ کی زبان مبارک سے کرخت

بات نہیں سنی، میری کسی کوتاہی پر آپؐ نے ناخوشگوار بات نہیں کی، میری کسی غلطی پر تیوری چڑھا کر مارے غصہ کے "ہُوں" بھی نہیں کہا اگر میں نے کوئی ایسا کام کیا ہے جو مجھے نہیں کرنا چاہیئے تھا تو آپؐ نے مجھ سے بازپرس نہیں کی، اور یہ تک نہ فرمایا کہ بھائی! تُو نے یہ کیوں کیا؟ اگر سستی اور غفلت کی وجہ سے ایک ضروری کام مجھ سے چھوٹ گیا ہے تو حضورؐ نے اس پر مجھے ملامت نہیں کی بلکہ یہ بھی نہیں فرمایا کہ تُو نے اس کام کو کیوں چھوڑا ہے؟ یہ ظاہری اور ہنگامی رویہ کی بات نہیں ہو رہی، ذرا غور کیجیئے یہ روداد وہ شخص بیان کر رہا ہے جو خادم کی حیثیت سے مسلسل دس برس تک آپؐ سے وابستہ رہا ہے۔ اس سے زیادہ بلند اور پاکیزہ اخلاق کا نمونہ آج تک کسی انسان نے پیش نہیں کیا، انسانی تاریخ میں "خلق عظیم" کے اس آفتاب کی نظیر نہیں ملتی بلکہ چشم فلک نے اخلاق حسنہ کے اس بلند مینار کا مثیل بھی نہیں دیکھا آنجناب کا جسمانی پیکر حسن و جمال کی معراج تھا آپؐ نہایت حسین اور خوبرو تھے چودھویں رات کا چاند بھی آپؐ کے چہرہ مبارک کی تابانی سے شرماتا تھا یہ عقیدت کا غلو نہیں بلکہ ان ہی حضرت انسؓ کا مشاہدہ ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ریشم اور اون نہایت نرم اور گداز ہوتی ہے لیکن ہمارے آقا کی ہتھیلیاں ان سے بھی زیادہ نرم اور نازک تھیں۔ آپؐ کے جسم مبارک سے جو پسینہ خارج ہوتا تھا وہ عطر اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا یہ امر واقعہ کا اظہار ہے عقیدت کی مبالغہ آرائی نہیں ہے۔

نرم مزاجی

(۱۵۸) دَخَلَ رَهْطٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اَلسَّامُ عَلَيْكَ فَفَهِمْتُهَا فَقُلْتُ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْلًا يَا عَائِشَةُ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْاَمْرِ كُلِّهٖ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوْا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ قُلْتُ

وَعَلَيْكُمْ۔ (بخاری عن عائشۃ کتاب الاستیذان، مسلم کتاب السلام)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں یہود کی ایک ٹولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آئی اور کہا "اَلسَّامُ عَلَيْكَ" (تم پر موت آئے) میں نے ان کی یہ بات سمجھی اور کہا عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ (تم پر موت آئے اور لعنت بھی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ! ذرا نرمی برتو اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرم خوئی کو پسند کرتے ہیں میں نے عرض کیا اسے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے ان کی بات نہیں سنی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے وَعَلَيْكُمْ (تم پر ہو) کہا تھا۔

تشریح: اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند اخلاقی اور وسعت ظرفی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اور قوم یہود کے بغض، عناد اور خبث باطن پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

آنحضورؐ کی زبان بڑی پاکیزہ تھی

(۱۵۹) لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَّابًا وَلَا فَحَّاشًا وَلَا لَعَّانًا كَانَ يَقُوْلُ لِاَحَدِنَا عِنْدَ الْمَعْتِبَةِ مَالَهٗ تَرِبَ جَبِيْنُهٗ۔ (بخاری عن انس کتاب الادب)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زبان گالیاں دینے، لعنت کرنے اور فحش گوئی سے ناآشنا تھی آنجنابؐ ہم میں سے کسی پر غصہ اور عتاب کا اظہار کرنے وقت (زیادہ سے زیادہ) یہ فرماتے اسے کیا ہوگیا ہے اس کی پیشانی خاک آلودہ ہو۔

تشریح: تَرِبَ جَبِيْنُهٗ کے معنی ہیں "وہ منہ کے بل گرے اور اس کی پیشانی خاک آلود ہو" یعنی وہ محتاج اور تنگدست ہو، عرب کے لوگ اس کلمہ کو اس کے حقیقی معنی (محتاجی اور تنگدستی کی بددعا دینا) میں استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ گفتگو کے دوران یہ کلمہ (اور اس طرح کے دو چار اور کلمے بھی ہیں) بے ساختہ ان کی زبان پر آجاتا

تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی عربوں کی طرح اس کلمہ سے اس کے حقیقی معنی مراد نہیں لیتے تھے یہ کلمہ غیر ارادی طور پر آپ کی زبان مبارک پر جاری ہو جاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے محبوبؐ کی طرح فحش کلامی، گالی گلوچ اور لعنت کرنے سے اجتناب کریں۔

حضور اکرمؐ کی سخاوت

(۱۶۰) مَا سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ شَیْءٍ قَطُّ فَقَالَ لَا

(بخاری عن جابر کتاب الادب)

یہ کبھی نہیں ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز مانگی گئی ہو اور آپؐ نے فرمایا ہو "نہیں ہے"۔

تشریح: آپؐ بڑے سخی اور فیاض تھے کسی سائل کو آپؐ نے خالی نہیں لوٹایا الّا یہ کہ وہ چیز آپ کے پاس نہ ہو تو اس صورت میں آپ خاموشی اختیار فرماتے اور زبان سے یہ نہ فرماتے کہ "نہیں ہے"۔

آنحضرتؐ جامع الصفات تھے

(۱۶۱) کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَحْسَنَ النَّاسِ، وَاَجْوَدَ النَّاسِ وَاَشْجَعَ النَّاسِ وَلَقَدْ فَزِعَ اَھْلُ الْمَدِیْنَۃِ ذَاتَ لَیْلَۃٍ فَانْطَلَقَ النَّاسُ قِبَلَ الصَّوْتِ فَاسْتَقْبَلَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ سَبَقَ النَّاسَ اِلَی الصَّوْتِ وَھُوَ یَقُوْلُ لَمْ تُرَاعُوْا لَمْ تُرَاعُوْا وَھُوَ عَلٰی فَرَسٍ لِاَبِیْ طَلْحَۃَ عُرْیٍ مَا عَلَیْہِ سَرْجٌ فِیْ عُنُقِہٖ سَیْفٌ فَقَالَ لَقَدْ وَجَدْتُّہٗ بَحْرًا اَوْ اِنَّہٗ لَبَحْرٌ۔

(بخاری عن انس کتاب الادب مسلم کتاب الفضائل)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خوبصورت اور حسین تھے

جود وسخا اور بخشش وعطایں آپؐ کا کوئی مثیل نہیں تھا۔ دلیری، شجاعت اور بہادری میں آپ سب انسانوں سے بڑھ کر تھے، ایک رات مدینہ میں خوف وہراس پھیل گیا (کہ شاید دشمن نے اچانک حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا ہو) لوگ آواز کی طرف چل پڑے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آواز کے تعاقب میں سب سے پہلے پہنچ کر (لوگوں سے) فرمارہے تھے نہ ڈرو اور نہ گھبراؤ (پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے) آپؐ گردن میں تلوار لٹکائے ابوطلحہؓ (زید بن سہل) کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار تھے پھر آپؐ نے اس گھوڑے کی تعریف میں فرمایا یہ بڑا تیز رفتار ہے۔

آنحضورؐ اور عبادت

(۱۶۲) اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی حَتّٰی اِنْتَفَخَتْ قَدَمَاہُ فَقِیْلَ لَہٗ اَتَکَلَّفُ ھٰذَا وَقَدْ غَفَرَ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ۔ قَالَ اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا۔

(مسلم عن المغیرۃ بن شعبۃ کتاب التوبۃ باب اکثار الاعمال۔ بخاری کتاب التفسیر)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم (بڑی کثرت سے نفل) نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ آپ کے دونوں پاؤں سوج جاتے آپؐ سے عرض کیا گیا آپؐ یہ مشقت اٹھاتے ہیں حالانکہ آپؐ کے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے گئے ہیں آپؐ نے فرمایا: کیا میں (اپنے مالک اور آقا کا) شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

تشریح: نوافل کی کثرت سے اللہ رب العالمین کا قرب حاصل ہوتا ہے اس لیے آپ ہمیشہ شب بیدار رہتے اور رات کا بیشتر حصہ رحمان کے قدموں میں بسر کرتے۔ کثرتِ عبادت کی وجہ سے آپؐ کے قدم مبارک پر ورم آگیا تھا اور بعض اوقات قدم پھٹ بھی جاتے تھے یہ حالت دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے ہیں اس لیے اس قدر تکلیف

برداشت کرنے سے اجتناب فرمایئے تاکہ صحت خراب نہ ہو، آپؐ نے یہ درخواست مسترد کردی اور ساری زندگی میں تہجد اور شب بیداری کا ناغہ نہ کیا اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ "اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بے شمار احسانات کیے ہیں اپنی بے پایاں رحمت سے مجھے نوازا ہے اور میری اگلی پچھلی خطاؤں کو بھی معاف فرما دیا ہے ہیں اس کے غیر محدود احسان اور کرم نوازی کا شکریہ ادا کرنے کے لیے اس کے دربار میں سربسجود ہوتا ہوں۔ ایک وفادار غلام کو ہمیشہ اپنے آقا کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ اور ہر لمحہ اسے اپنے بندہ ہونے کا ثبوت دینا چاہیئے اور اپنی وفاداری کا یقین دلانا چاہیئے اس لیے میں بڑے شوق اور محبت سے اللہ کی بارگاہ میں حاضری دیتا ہوں بار بار حاضر ہوتا ہوں۔ اور بڑی کثرت سے اپنے خلوص اور عاجزی کا ہدیہ پیش کرتا ہوں"

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اسلام پر عمل کرنے اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دینے کی توفیق عطا فرمائی ہے وہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ رات کے آخری حصہ میں نوافل ادا کرنے کا التزام کریں۔

حضور اکرمؐ اور اصول کی پابندی

(۱۶۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا يَوْمَ بَدْرٍ كُلُّ ثَلَاثَةٍ عَلٰى بَعِيْرٍ فَكَانَ اَبُوْ لُبَابَةَ وَعَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ زَمِيْلَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَكَانَتْ اِذَا جَاءَتْ عُقْبَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَا نَحْنُ نَمْشِيْ عَنْكَ قَالَ مَا اَنْتُمَا بِاَقْوٰى مِنِّيْ وَمَا اَنَا بِاَغْنٰى عَنِ الْاَجْرِ مِنْكُمَا۔

(مشکوٰۃ کتاب الجہاد، مسند احمد نمبر ۳۹۶۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ غزوۂ بدر کے سفر میں ہم میں سے ہر تین آدمی (باری باری) ایک اونٹ پر سوار ہوتے "علی" اور "ابو لبابہ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تھے جب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کے پیدل چلنے) کی باری آتی تو وہ دونوں عرض کرتے حضور! آپؐ کی طرف سے ہم پیدل چلتے ہیں آپؐ نے فرمایا نہ تو تم مجھ سے زیادہ طاقتور ہو اور نہ میں تمہارے مقابلہ میں اجر سے زیادہ بے نیاز ہوں۔

تشریح: مدینہ سے بدر جاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدل چلنے کی باری آئی تو آپ کے دونوں ساتھیوں نے عرض کیا حضور! آپؐ کی بجائے ہم چلتے ہیں۔ آپؐ اونٹ پر سوار ہوں لیکن سرکارؐ نے نہ مانا آپ کی سیرت اور کردار کا یہ پہلو بڑا تابناک ہے کہ آپؐ نے ان کے اصرار اور التجا کے باوجود طے شدہ اصول سے انحراف کو پسند نہ فرمایا، انسانی تاریخ کا یہ انوکھا منظر فی الواقع حیرت انگیز ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چل رہے ہیں اور آپ کے غلام اونٹ پر سوار ہیں۔

یاد رہے کہ یہ غزوہ رمضان سنہ ۲ ہجری میں واقع ہوا ہے اس غزوہ میں ایک ہزار کفار مکہ کے مقابلہ میں تین سو تیرہ مجاہدین اسلام نے شجاعت کے جوہر دکھائے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان مٹھی بھر اللہ والوں کو نصرت اور غلبہ عطا فرمایا تھا ستر طاغوت جہنم رسید ہوئے اور ان کے ستر آدمی گرفتار کیے گئے اس غزوہ کے بعد مشرکین مکہ کے حوصلے پست ہو گئے، اور سیاسی لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وزن محسوس کیا جانے لگا غزوہ سے واپسی پر مدینہ کے اکثر لوگوں نے اسلام قبول کیا اور دشمن خوف محسوس کرنے لگے۔

آنحضرتؐ کا مقام بندگی

(۱۶۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ سَمِعَ عُمَرَ يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى عِيسَى بْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُولُوا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ۔

(بخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ واذکر فی الکتاب مریم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے (کہ لوگو!) میری تعریف میں حد سے آگے نہ بڑھو۔ جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسٰیؑ بن مریم کی مدح میں مبالغہ کیا میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں۔ پس تم کہو (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔

تشریح: یہ حدیث اپنے مضمون کے لحاظ سے نہایت اہم ہے اس میں نہایت صفائی کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور مقام بتایا گیا ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ آپؐ فی الواقع اللہ کے بندے ہیں۔ آپؐ نے اپنی پوری زندگی میں اللہ کی بندگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور اس کا حق ادا کر دیا ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی انسان کے انتہائی مقرب اور مقبول ہونے کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ "خود اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے صالح بندوں میں شمار کیا ہے" انسان کا آخری مرتبہ یہ ہے کہ وہ اپنی پوری زندگی میں اللہ کا بندہ بن کر رہے اور اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو کر اسے اپنا بندہ قرار دے۔ دوسری حقیقت یہ ہے کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو صحیح راستہ دکھانے کے لیئے اور اس پر چلانے کے لیے حضور اکرمؐ کو اپنا آخری نمائندہ بنا کر بھیجا ہے آپؐ نے اللہ کی طرف سے قرآن لا کر دیا۔ زندگی بسر کرنے کے لیے ایک نظامِ حیات پیش کیا اور خدا کی زمین پر خدا کے قانون کو نافذ اور غالب کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف یہ دعویٰ کیا ہے

"میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں" اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نہ تو خدا ہوں اور نہ خدا کا شریک ہوں اور نہ میں اللہ کا مدمقابل اور ہم پلہ ہوں بلکہ میں صاف صاف کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے نہیں ہیں۔ میں نہ غیب داں ہوں اور نہ فرشتہ ہوں۔ میں اپنے نفع ونقصان کا مالک بھی نہیں ہوں۔ نہ تمہیں فائدہ پہنچا سکتا ہوں اور نہ تمہارا کچھ بگاڑ سکتا ہوں۔ میں ایک انسان ہوں۔ البتہ اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے میری طرف وحی نازل کی ہے اس لیے میں اس کی جانب سے تمہاری طرف رسول بن کر آیا ہوں۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ تم مجھے مقامِ بندگی سے اُٹھا کر تختِ الوہیت پر متمکن کر دو اور مجھے خدا کا شریک اور ساجھی قرار دے کر ظلم کرو۔ یا تم میری طرف وہ صفات منسوب کرو جو اللہ کے ساتھ خاص ہیں۔ میں اللہ کی بادشاہی میں اس کا شریک نہیں ہوں۔ میں معبود نہیں ہوں بلکہ میں اس ذاتِ گرامی کا "عبد" ہوں جو ساری کائنات کا حاکم اور مالک ہے میں اس ذات کی عبادت اور پرستش کرتا ہوں جس کا اقتدار سارے جہاں پر مسلط ہے میں نہ رازق ہوں اور نہ خالق ہوں، کسی کی زندگی اور موت میرے قبضہ میں نہیں ہے میں نہ کسی کو بیمار کر سکتا ہوں نہ تندرستی بخش سکتا ہوں۔ بس میں صرف اللہ کا بندہ اور اس کا غلام ہوں۔ اس نے ہدایت کے لیے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے میرے اس مرتبہ پر ایمان لاؤ اور میری بتائی ہوئی راہ پر چلو۔

عیسائیوں کی طرح حد سے بڑھنے کی کوشش نہ کرو۔ ان ظالموں نے خدا کے بندے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو خدا کا بیٹا بنا ڈالا۔ ان کی تعریف میں مبالغہ کیا ان کی بشریت کا انکار کر کے انہیں الوہیت کے مقام تک پہنچا دیا، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خود بھی صحیح راستہ سے بھٹک گئے اور دینِ حق کا بھی چہرہ بگاڑ کر رکھ دیا اور دین کو ایک ناقابل فہم چیستاں بنا کر رکھ دیا اس عقیدے کو بنیاد بنا کر انہوں نے دین کا جو نقشہ مرتب کیا انسانیت نے اسے نظامِ زندگی کی حیثیت سے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

بالآخر زمین الحاد کے لیے تیار ہو گئی اور خدا کے نبی کی آمد سے جو کام سرانجام پانا تھا بالکل اس کے الٹ سرانجام دیا جانے لگا عیسائی عُلماء خدا کے ہاں اس کی جوابدہی کریں گے۔

حضور اکرمؐ کے اخلاقِ حمیدہ

(۱۶۵) عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ الْجَدَلِیِّ یَقُوْلُ: سَأَلْتُ عَائِشَۃَ عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ لَمْ یَکُنْ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَلَا صَخَّابًا فِی الْاَسْوَاقِ وَلَا یَجْزِیْ بِالسَّیِّئَۃِ السَّیِّئَۃَ

وَلٰكِنْ يَعْفُوْ وَيَصْفَحُ۔ (ترمذی ابواب الصلٰۃ)

ابو عبداللہ جدلی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بد اخلاق تھے اور نہ بد اخلاق بننے کی کوشش فرماتے تھے آپؐ بازاروں میں چیخنے چلّانے والے بھی نہ تھے آپؐ نے کبھی بھی برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیا بلکہ آپ زیادتی کرنے والے کو معاف فرما دیتے اور اس کی غلطیوں سے درگزر فرماتے تھے۔

تشریح: سبحان اللہ! شرافت وحسن اخلاق کے پیکر نے کبھی اپنی پاک زبان کو فحش باتوں سے ملوث نہیں کیا اور نہ کبھی فحش کام کیا اور نہ زندگی میں کبھی بے شرمی کی باتوں کو پھیلانے کی کوشش کی۔ بازار میں آپؐ کبھی نہ چیخے اور نہ چلّائے، نہ شور وغل کیا۔ کسی نے برائی کی تو اسے معاف کر دیا۔ غلط کاروں سے چشم پوشی کی۔ ستانے والوں کو دُعا دی جس نے بھی آپؐ سے برا سلوک کیا، آپؐ نے اس پر احسان کیا۔ نہایت سنجیدہ، باوقار اور متین تھے بازار میں تشریف لاتے تو محسوس ہوتا ایک باوقار شخصیت سنجیدگی کے ساتھ چل رہی ہے اور نسیم سحری نے گلستان کو متبسم کر دیا ہے اور خوشبو ہوا کے دوش پر صحن چمن کی سیر کر رہی ہے۔

مقامِ نبوت

(۱۶۶) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَنْبَغِيْ لِعَبْدٍ اَنْ يَّقُوْلَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ يُّوْنُسَ بْنِ مَتّٰى۔

(بخاری عن ابی ہریرۃ کتاب الانبیاء مسلم کتاب الفضائل من فضائل موسٰی علیہ السلام)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندے کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ کہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے بہتر ہیں۔

تشریح: بظاہر اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی نبی کسی دوسرے نبی سے مرتبہ

بیں بڑھ کر نہیں ہے، حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ آپ سب نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں۔ درج ذیل احادیث سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے مثلاً آپؐ نے فرمایا۔

(الف) لَا تُخَيِّرُوا بَيْنَ الْاَنْبِيَاءِ (مسلم کتاب الفضائل)

تم نبیوں کو ایک دوسرے پر ترجیح نہ دو۔

(ب) لَا تُفَضِّلُوا بَيْنَ اَنْبِيَاءِ اللّٰهِ (مسلم کتاب الفضائل)

تم بعض نبیوں کو دوسرے نبیوں سے افضل نہ کہو۔

(ج) لَا تُخَيِّرُوْنِيْ عَلٰى مُوْسٰى (مسلم کتاب الفضائل)

تم مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ترجیح نہ دو۔

لیکن قرآن مجید میں اس کے برعکس یہ نظریہ ملتا ہے کہ ہم سب رسولوں اور نبیوں پر ایمان لانے کے مکلف ہیں اور ان سب کا احترام کرنا ہم پر لازم ہے البتہ مرتبہ کے لحاظ سے ان بزرگوں میں تفاوت ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ط (بقرہ آیت ۲۵۳)

یہ (اللہ کے) رسول ہیں (جنہیں اس نے بندوں کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے) ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے خود اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوا ہے اور اس نے ان میں سے بعض کے مرتبے بلند کیے ہیں۔

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ط

(بنی اسرائیل آیت ۵۴)

اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض نبیوں پر مرتبہ میں برتری دی ہے اور داؤد علیہ السلام کو ہم نے زبور دی۔

یعنی وہ اللہ کے نزدیک مرتبہ اور درجہ میں برابر نہیں ہیں، ان میں بعض

نہایت بلند مرتبہ ہیں اور بعض رسول ایسے بھی ہیں جو دوسرے رسولوں سے افضل ہیں۔ بعض نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے نبیوں پر ترجیح دی ہے کسی کا درجہ بہت اونچا ہے اور کسی کا درجہ بہت کم ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (سبا آیت ۲۸)

اے نبی! ہم نے تمہیں تمام انسانوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (اعراف آیت ۱۵۸)

اے نبی! کہہ دو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ اِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَّبُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ عَامَّةً۔ (بخاری باب التیمم)

"پہلے نبی صرف اپنی قوم کے لیے مبعوث ہوتا تھا اور میں سب انسانوں کے لیے مبعوث ہوا ہوں"۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہر نبی اور ہر رسول صرف اپنی قوم کو "دعوت الی اللہ" دینے کے لیے مبعوث ہوتا تھا حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بعثت کے وقت سے قیامت تک دنیا بھر کے سب انسانوں (چاہے وہ کسی ملک کے رہنے والے ہوں اور کسی قوم سے ہوں) کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے آپ بین الاقوامی رسول ہیں۔

ظاہر بات ہے کہ یہ شرف اور مرتبہ کسی دوسرے نبی اور رسول کو نہیں ملا۔ علاوہ ازیں بہت سی احادیث میں بصراحت موجود ہے کہ سیدنا "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور مقام سب رسولوں سے بلند ہے آپ پوری نسلِ انسانی (سب انبیاء اور رُسُل اس میں شامل ہیں) کے سردار اور امام ہیں مثلاً آپؐ نے فرمایا:

اَنَا سَیِّدُ وَلَدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَاَوَّلُ مَنْ یَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ وَاَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ۔ (مسلم کتاب الفضائل)

قیامت کے دن میں سب انسانوں کا سردار ہوں گا۔ میں سب سے پہلے اپنی قبر سے باہر آؤں گا اور میں سب سے پہلے سفارش کروں گا اور میں وہ ہوں جس کی سفارش سب سے پہلے قبول ہو گی۔

اَنَا اَکْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ عَلَی اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ۔

(مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین بحوالہ ترمذی)

میں اللہ کی نگاہ میں سب اگلوں پچھلوں سے زیادہ عزت والا ہوں اور (یہ اللہ کا خاص فضل وکرم ہے) میں اس پر فخر نہیں کرتا۔

اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَلَا فَخْرَ۔

(مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین بحوالہ دارمی)

میں سب رسولوں کا امام ہوں یہ کوئی فخر کی بات نہیں میں آخری نبی ہوں (میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا) میں اس پر فخر نہیں کرتا۔ (بلکہ اللہ تعالیٰ کی اس عنایت پر میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں)

ان دلائل سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں لیکن آنجناب کی تعریف کرنے میں اس حد تک مبالغہ کرنا کہ اس سے کسی نبی کی تحقیر اور تنقیص ہوتی ہو تو یہ سراسر ناجائز ہے "نبوت" کے مرتبہ میں سب انبیاء برابر کے شریک ہیں رسالت کے منصب پر سب رسول فائز ہیں اگر کسی رسول کو دوسرے رسولوں پر کوئی فضیلت حاصل ہے تو وہ دوسری خصوصیات کی وجہ سے ہے نہ یہ کہ جس پر فضیلت حاصل ہے وہ حقیر اور ناقص ہے امام الانبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سب رسولوں کا امام اور سردار کہنے کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ باقی سب پیغمبروں کی یا ان میں سے کسی کی بھی تنقیص کی جائے۔ یہی مطلب ہے آپ کے اس ارشاد گرامی کا کہ:

(۱) "تم مجھے حضرت یونس علیہ السلام سے بہتر نہ کہو" یعنی میرے مقابلہ میں ان کی تحقیر نہ کرو۔

(۲) "نبیوں کو ایک دوسرے پر ترجیح نہ دو اور بعض نبیوں کو دوسرے نبیوں سے افضل نہ کہو۔"

یعنی بعض پیغمبروں کی محبت اور احترام میں اس حد تک غلو نہ کرو کہ دوسرے پیغمبروں کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کرنے لگو۔

(۳) "مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ترجیح نہ دو۔"

یعنی میرے اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان موازنہ کر کے ایسا رویہ اختیار نہ کرو کہ وہ میرے مقابلہ میں بالکل معمولی درجہ کے انسان نظر آئیں۔

کیونکہ کسی ایک نبی کا انکار یا اس کی گستاخی اور توہین کفر ہے یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ بعض نادان شاعروں نے اپنے نعتیہ کلام میں بعض رسولوں کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کی ہے بعض واعظ قسم کے علماء انبیاء علیہم السلام کا باہمی تقابل کر کے کسی کو بڑھاتے ہیں اور کسی کو گراتے ہیں اس طرح کی بے احتیاطی کی روک تھام کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس "تقابل" سے منع فرمایا ہے بہر حال نبیوں اور رسولوں کا مقام بہت بلند اور نازک ہے ان کی شان میں گستاخی اور بے ادبی سے ہزار سالہ عبادت بھی تلف ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس جرم سے بچائے۔

باب ہفتم

اقامت دین

داعیان حق

(۱۶۷) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ غَرِیْبًا فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ

(مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب الایمان۔ ترمذی عن عبداللہ بن مسعود ابواب الایمان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اسلام" آغاز میں اجنبی تھا اور عنقریب اپنے آغاز ہی کی طرح اجنبیت کے دور میں داخل ہو جائے گا پس (اسلام پر عمل کرنے اور اس کی دعوت دینے والے) اجنبیوں کی زندگی قابلِ رشک ہے۔

تشریح: عربی میں "غریب" اس آدمی کو کہا جاتا ہے جو اپنے وطن سے دُور اور غیر معروف ہو مکّہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا الٰہ الا اللہ" کی تحریک کا آغاز کیا اور چند پاک روحوں نے اسے قبول کیا تو اسلام کے یہ چند پروانے پوری عرب آبادی میں نامانوس اور انوکھے تھے تحریک اقامتِ دین شروع شروع میں کچھ ایسی لگتی ہے جیسے ایک معاشرہ میں ان دیکھی اور اجنبی چیز نے اپنے وجود کا اعلان کیا ہو اور وہ معاشرہ اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا اور کہہ رہا ہو کہ آپ یہاں کیسے اور کیوں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ عروج کے بعد پھر اسلام پر "غربت" (انوکھے، نامانوس اور اجنبی کے معنی میں) کا دور آئے گا اسلام اصلی اور جامع شکل میں نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گا لوگ اسلام کے داعیوں اور جانثاروں کو عجیب و غریب سمجھیں گے کیونکہ مروّج نظاموں اور مقبول عام نظریات کی مارکیٹ میں ایسے نظامِ زندگی کے لیے کوئی جگہ نہ ہو گی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسلامی نظام برپا کرنے والوں کو الحاد اور بے دینی کے دور میں ہر قسم کے جانی اور مالی خطرات کو انگیز کرنا پڑے۔ ان حالات میں اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے والوں کو بارگاہِ نبوت سے یہ خوشخبری ملی ہے کہ وہ بڑے سعادت مند اور خوش بخت ہیں اور قابلِ رشک ہے ان کا یہ مثالی کردار کہ وہ دُنیا میں حق کی شہادت

دیتے ہیں، بگاڑ اور فساد کی اصلاح کے لیے جہاد کرتے ہیں اور آخرت میں بہت بڑے انعام کے مستحق بنتے ہیں۔

دعوت دین اور رشتہ دار

(۱۶۸) قَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ اَنْزَلَ اللهُ: وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" قَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! اِشْتَرُوْا اَنْفُسَكُمْ لَا اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا، يَا بَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ! لَا اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا. يَا عَبَّاسُ ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! لَا اُغْنِيْ عَنْكَ مِنَ اللهِ شَيْئًا وَيَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُوْلِ اللهِ لَا اُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتَ رَسُوْلِ اللهِ! سَلِيْنِيْ مَا شِئْتِ مِنْ مَالِيْ لَا اُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا۔

(بخاری عن ابی ہریرۃ کتاب الوصایا۔ کتاب التفسیر)

جس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:-

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔ (الشعراء آیت ۲۱۴)

"اے نبی! اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ"۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا:- اے گروہِ قریش! اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچا لو میں تم سے اللہ کے عذاب کو نہیں ٹال سکتا۔ اے عبد مناف کی اولاد! میں تم سے اللہ کے عذاب کو نہیں ہٹا سکتا اے عباس بن عبد المطلب میں تم کو اللہ کے عذاب سے نجات نہیں دلا سکتا اے صفیہ! رسول اللہ کی پھوپھی میں تم سے اللہ کے عذاب کو نہیں ہٹا سکتا۔ اے فاطمہ رسول اللہ کی بیٹی میرے مال میں سے جو کچھ چاہے مانگ سکتی ہے میں تم سے بھی اللہ کے عذاب کو نہیں ہٹا سکتا

تشریح: آخرت میں دوزخ کے پہاڑ جیسے شعلوں سے بچ نکلنے کی صرف ایک ہی راہ ہے وہ یہ کہ "انسان، اللہ تعالیٰ کے دین (اسلام) کی پیروی کرے اور لوگوں کو اس کی دعوت دے" جو اس راہ پر چلے وہ اللہ کا وفادار بندہ ہے، وہ انعام پائے گا اور آخرت کی سزا سے بچ جائے گا۔ اور جو اس راہ پر چلنے سے انکار کر دے، روڑے اٹکائے یا اس کے خلاف سازش کرے وہ جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں جائے گا چاہے وہ پیغمبر کا رشتہ دار ہو یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قریب ترین رشتہ داروں سے صاف طور پر فرما دیا تھا کہ تم اللہ پر ایمان لا کر اور اس کی اطاعت کر کے آگ سے بچنے کی کوشش کرو ـــــ ورنہ مجھ سے خاندانی اور نسلی نسبت تمہاری نجات کی ضامن نہیں ہے بلکہ آپؐ نے اپنی قابل احترام پھوپھی اور لخت جگر بیٹی سے بغیر کسی لاگ لپیٹ کے صاف فرما دیا:۔ کہ میرے مال میں سے جو کچھ لینا ہو، مجھے اس سے انکار نہیں، رشتہ قرابت کا حق ادا کرنے کے لیے میں ہر وقت تیار ہوں۔ لیکن میرے لیے یہ بالکل ناممکن ہے کہ گمراہی اور نافرمانی کی سزا سے میں تمہیں چھڑا لوں۔

اس حدیث پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دین کی دعوت کا آغاز اپنے قریب ترین اعزہ سے ہونا چاہیئے نادان ہے وہ شخص جو اقامتِ دین کی جدوجہد میں اپنے کنبہ اور خاندان کو نظر انداز کرتا ہے۔ صلۂ رحمی کا تقاضا بھی ہے کہ انسان اپنے رشتہ داروں کو اس خیر اور بھلائی سے محروم نہ کرے جسے وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ بڑے رنج اور دکھ کی بات ہے کہ بہت سے خادمانِ دین اپنے بال بچوں، بھائیوں اور قریب کے رشتہ داروں پر دعوت کا کام کرنے میں تساہل برتتے ہیں۔

دین خیر خواہی ہے

(۱۶۹) عَنْ تَمِيْمِنِ الدَّارِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ

وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ۔

(مسلم کتاب الایمان ابوداؤد کتاب الادب فی النصیحۃ)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا دین، خلوص اور خیر خواہی ہے ہم نے عرض کیا کس کے لیے خلوص اور خیر اہی؟ آپؐ نے فرمایا

(۱) اللہ کے لیے۔

(۲) اس کی کتاب کے لیے۔

(۳) اور اس کے رسول کے لیے۔

(۴) اور مسلمانوں کے لیڈروں اور حکمرانوں کے لیے۔

(۵) اور عام مسلمانوں کے لیے۔

تشریح: دین کا تعلق زندگی کے ہر گوشے سے ہے اور ملک کے ہر فرد سے ہے چاہے وہ عالم ہو یا جاہل، غریب ہو یا خوشحال، حاکم ہو یا کسی گروہ کا لیڈر اور راہنما

(۱) اللہ تعالیٰ کے لیے مخلصانہ خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ساری کائنات کا مالک، آقا اور حاکم تسلیم کیا جائے اور مانا جائے کہ وہ کسی کی مدد اور مداخلت کے بغیر پوری کائنات کا نظام سنبھالے ہوئے ہے وہ ہر نقص، کمزوری اور عیب سے پاک ہے، آدمی صرف اسی ایک معبود حقیقی کا بندہ بن کر رہے اس کی عبادت میں کسی کو ساجھی اور شریک نہ ٹھہرائے۔ اور اس کی نعمتوں کا اعتراف کرے۔

(۲) اس کی کتاب کے لیے خیر خواہی" نام ہے اس عقیدہ کا کہ انسانوں کی راہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو کتابیں نازل کی ہیں وہ برحق ہیں ان میں سے آخری کتاب قرآن ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے اس کی تلاوت کی جائے، اس کا علم حاصل کیا جائے۔ اس کا احترام کیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ زندگی بسر کرنے کا جو طریقہ قرآن نے بتایا ہے اسے خلوص دل سے اپنا لیا جائے۔

(۳) اس کے رسول کے لیے خلوص اور خیر خواہی یہ ہے کہ زندگی کے ہر معاملہ میں آنجنابؐ کی پیروی کی جائے اور آپؐ کی راہنمائی پر مکمل اعتماد کیا جائے اس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دین اسلام پر عمل کرنے اور دنیا میں اسے غالب کرنے کا جو کام کیا ہے ہم اسے اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیں ہم سب آپؐ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی بسر کریں۔ اور اسے قائم کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیں۔

(۴) مسلمانوں کے حکمرانوں سے خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی ریاست کی حفاظت اور سالمیت کے لیے ان سے بھرپور تعاون کیا جائے معروف اور نیکی میں ان کی اطاعت کی جائے اگر وہ غلطیوں اور گناہوں میں مبتلا ہو رہے ہوں تو ان پر دلسوزی کے ساتھ تنقید کی جائے اور ان کی خوشامد کرنے سے پرہیز کیا جائے

(۵) عام مسلمانوں کے لیے خیر خواہی یہ ہے کہ ان کی جان و مال اور عزت و آبرو پر حملہ نہ کیا جائے انہیں آپس میں لڑانے اور ایک دوسرے سے متنفر کرنے سے پرہیز کیا جائے وہ اگر بیمار پڑ جائیں تو ان کی مزاج پرسی اور تیمارداری کی جائے اگر وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوں تو ان کی مدد کی جائے۔

کتاب وسنت کا مقام

(۱۷۰) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَخَیْرَ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

(مسلم عن جابر کتاب الجمعۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین کلام، اللہ کی کتاب ہے اور سب سے اچھا طریقہ وہ ہے جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا ہے۔

تشریح: یعنی قرآن اور سنت سے زندگی بسر کرنے کا جو طریقہ ثابت ہے

اسے اختیار کرو۔ ان کے دائرہ سے جو کچھ باہر ہے غلط ہے اور گمراہی ہے دنیا اور آخرت میں کامیابی اور فلاح کی راہ وہی ٹھیک ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں پیش کیا ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تئیس سالہ زندگی میں جس کے نقوش ثبت کیے ہیں نادان ہے وہ شخص جو زندگی کے مسائل حل کرنے کے لیے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو چھوڑ کر، دنیا کے لیڈروں اور مفکروں کا طواف کرتا پھرتا ہے کیونکہ بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے اور بہترین سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی راہنمائی کے لیے نہایت اعلیٰ درجہ کے اصول بنائے ہیں جن کو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نافذ کرنے سے انسانی تمدن نہایت متوازن ہو جاتا ہے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بسر کرنے کا جو طریقہ اختیار فرمایا وہ نہایت معتدل معقول اور فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں انسان کو زندگی بسر کرنے کے لیے صرف ان دو چیزوں سے راہنمائی لینا چاہیئے۔

(۱) قرآن

(۲) سنت

سیاست و معاشرت، معیشت، اخلاق اور تمدن میں کتاب اور سنت سے رہنمائی حاصل نہ کرنا سخت ترین گمراہی ہے زندگی کے ہر معاملہ میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کے متعلق کیا حکم دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں کیا رہنمائی ملتی ہے؟

جب اللہ کا حکم اور اس کے رسولؐ کا طریقہ ایک راہ متعین کر دے تو پھر مسلمان کا کام یہ ہے کہ آنکھیں بند کر کے اس راہ پر چل پڑے اور اِدھر اُدھر نہ بھٹکے۔

تعلیمِ قرآن کی فضیلت

(۱۷۱) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ (بخاری عن عثمان بن عفان کتاب فضائل القرآن)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔

تشریح: دین کی اقامت کا کام جن بنیادوں پر قائم ہوتا ہے ان میں سے پہلی بنیاد یہ ہے کہ قرآن کے علم کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے۔

جو لوگ قرآن مجید ناظرہ یا حفظ پڑھتے اور پڑھاتے ہیں یا اس کا ترجمہ اور تفسیر سیکھتے اور سکھاتے ہیں یا لکھتے ہیں وہ سب سے زیادہ بلند مرتبہ اور صاحبِ فضیلت ہیں اس آسمان کے نیچے خالقِ کائنات کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا طریقہ صرف قرآن سے ہی معلوم کیا جا سکتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۲۳ برس تک اس کتاب کی رہنمائی سے اسلامی نظام کی تشکیل فرماتے رہے بالآخر یہ دین مکمل ہو گیا کتاب کی تنزیل اختتام کو پہنچی اور صاحبِ قرآن اپنے کام سے فارغ ہو کر اپنے رب سے جا ملے۔ ایسی عظیم الشان کتاب کا مرتبہ اور مقام بہت بلند ہے یہ اللہ رب العالمین کا کلام ہے اور اسلامی نظامِ حیات کا دستور ہے آخری رسولؐ پر نازل ہوا ہے اور قیامت تک کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

عالمِ قرآن کا مرتبہ

(۱۷۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِيْ يَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهٗ اَجْرَانِ۔

(مسلم عن عائشہ کتاب فضائل القرآن۔ ترمذی ابواب القرآن۔ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (قیامت کے دن) قرآن کا عالم، فرمانبردار، بزرگ فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو رسولوں کو اللہ کے پیغامات پہنچانے پر مامور تھے اور جو شخص قرآن کو اٹک اٹک کر بڑی مشقت سے پڑھے اس کو دُہرا ثواب ملے گا۔

تشریح: "ماہر بالقرآن" (جس کا ترجمہ ہم نے عالمِ قرآن سے کیا ہے) کے معنی ہیں:

(۱) قرآن مجید کو بلا تکلف پڑھنے والا جو ادب اور صحت کے ساتھ اس کی تلاوت پر قادر ہو۔

(۲) قرآن مجید کا حافظ، جس نے اعلیٰ درجہ کا حافظہ پایا ہو، قرآن کی تلاوت اور قرأت اس کے لیے آسان ہو۔

(۳) قرآن کا عالم، جو اسے سمجھ کر پڑھتا ہو، اس میں غور و تدبر کرتا ہو اور اس سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہو۔

حدیث کے الفاظ میں یہ سارے مفہوم شامل ہیں بشرطیکہ "ماہر بالقرآن" کی زندگی، قرآنی تعلیمات کے مخالف نہ ہو ورنہ قرآن کی تلاوت اور اس کے علم کا اس شخص کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا جو عملاً قرآن کے احکام اور ہدایات کا تمسخر اڑاتا ہو اور اس کی زندگی میں اللہ سے بغاوت پائی جاتی ہو۔

یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ قرآن کی تلاوت اور حفظ کا ثواب، اور قرآن کے ترجمہ و تفسیر کے پڑھنے پڑھانے کا فائدہ صرف اس صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ آدمی قرآن حکیم پر عمل کرنے کی کوشش کرے اور اس سے ہدایت طلب کرنے کا خواہشمند ہو۔

"قرآن کا عالم، بزرگ فرشتوں کے ساتھ ہوگا" کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن قرآن کا عالم باعمل معززین میں ہوگا۔ اور اسے اللہ کے خاص مقربین کے ساتھ جگہ ملے گی قرآن کی تلاوت کرنے پر اللہ اجر دیتا ہے ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں مثلاً الف، لام، میم (الٓمٓ) تین حرف ہیں ان کی تلاوت پر اللہ تعالیٰ تیس نیکیاں

عطا فرماتا ہے لیکن جس کی زبان میں لکنت ہو اور وہ آسانی سے تلاوت نہ کر سکتا ہو بلکہ تلاوت کے وقت الفاظ ادا کرتے ہوئے اسے سخت مشقت برداشت کرنی پڑتی ہو اسے دُہرا ثواب ملے گا۔

تلاوت کے اور وہ مشقت برداشت کرنے پر بھی اسے اجر ملے گا یہ بات اس کی حوصلہ افزائی کرنے اور اسے قرآن کی ترغیب دینے کی غرض سے فرمائی گئی ہے۔ تاکہ جو شخص زبان میں لکنت کی وجہ سے قرآن کی تلاوت بآسانی نہ کر سکتا ہو وہ یہ محسوس نہ کرے کہ اس فطری کمزوری کی وجہ سے وہ اجر و ثواب سے محروم رہے گا۔

ورنہ ظاہر بات ہے کہ زبان میں لکنت کی وجہ سے جو شخص صحیح طریقہ سے قرآن کی تلاوت نہیں کر سکتا وہ ثواب اور مرتبہ میں اس عالم قرآن سے کیسے افضل ہو سکتا ہے جو اپنی زندگی کا بیشتر حصہ قرآن میں غور و تدبر کرنے، اس کی تعلیمات کو پھیلانے اور اس پر عمل کرنے میں صرف کر چکا ہو ۔۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا "عالمِ قرآن" نہ صرف یہ کہ عام تلاوت کرنے والوں سے بہتر ہے بلکہ اللہ کی نگاہ میں وہ سب سے زیادہ باعزت اور مقرب بھی ہے۔

قرآن کی اجتماعی تلاوت

(۱۷۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ بِهٖ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهٗ بَيْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ وَمَنْ بَطَّاَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ۔ (مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب الذکر والدعاء ترمذی ابواب فضائل القرآن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (دین کا) علم حاصل کرنے کے لیے سفر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی راہ آسان کر دیتا ہے جب اہل ایمان اللہ کے کسی گھر میں قرآن کی تلاوت کرنے اور اس کے پڑھنے پڑھانے کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں تو ان پر "سکینہ" نازل ہوتی ہے رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں، اور اللہ تعالے اپنے مقرب فرشتوں سے ان کا ذکر کرتا ہے اور جس شخص کو اس کے عمل نے مؤخر کر دیا اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھائے گا۔

تشریح: جنت کی راہ آسان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل و کرم سے صحیح راہ پر چلنے اور اپنے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عنایت فرماتے ہیں"۔ اور یہی جنت کی راہ ہے اس انعام کا وعدہ اس شخص کے لیے ہے جو شہرت عزت و جاہ اور حصولِ دولت کے ارادے سے نہیں بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جو شخص بھی اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے اٹھے اسے اس دین کا علم لازماً حاصل ہونا چاہیئے۔ آخر اسے معلوم تو ہونا چاہیئے کہ وہ جس دین کا علمبردار ہے وہ ہے کیا؟

علم دین کی روح، قرآن مجید ہے۔ اجتماعی طور پر قرآن کی تلاوت کرنے اور اس کے معانی و مطالب پر غور و فکر کرنے والوں کا اللہ کے ہاں بہت بڑا مرتبہ ہے جو لوگ قرآن حکیم کے اصول اور احکام کی تشریح کرنے کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں اور اس کے رموز و اسرار کی نقاب کشائی کے لیے علمی بحثیں کرتے ہیں اور اس کی تفسیر کے لیے ایک دوسرے سے تبادلۂ افکار کرتے ہیں۔

(۱) ان کے دلوں پر قرار اور سکون نازل ہوتا ہے، نفسانی تاریکی دور ہو جاتی ہے۔

(۲) اللہ کی رحمت انہیں اپنے آغوش میں لے لیتی ہے۔

(۳) اللہ کے فرشتے ــــ جو قرآن کی تلاوت کرنے اور اسے پڑھنے والوں کو دیکھنے کی خاطر زمین کا چپہ چپہ چھان مارتے ہیں ــــ آکر ان کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں۔

(۷) اللہ تعالیٰ اپنے مقرب فرشتوں سے فرماتے ہیں دیکھو! میری فلاں مسجد میں انسانوں کا ایک گروہ میری کتاب کی تلاوت کر رہا ہے اور اس کے علوم پر غور و تدبر کرتے ہیں ایک دوسرے کی مدد کر رہا ہے اور اس کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور اس کے پڑھنے پڑھانے کا یہ انعام صرف ان لوگوں کو ملتا ہے جو خلوص قلب سے اس پر عمل کرنا چاہتے ہیں اور طلب ہدایت کے لیے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو قرآن کریم پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں وہ یقیناً اس "انعام" کے مستحق نہیں ہیں جس کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے چاہے وہ بہت اونچے خاندان کے چشم و چراغ ہوں۔

ہمارے دور کے سادات کی اکثریت ـــــ جو نہ تو قرآن پر عمل کرتی ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اتباع کرتی ہے ـــــ اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نسبی تعلق کی بنا پر لازماً جنت میں جائیں گے اور ان پر دوزخ کی آگ حرام ہے حالانکہ اس حدیث کا آخری جملہ اور حدیث نمبر ۱۶۸ کا مضمون اس کے برعکس یہ حقیقت واضح کر رہا ہے کہ کوئی شخص (چاہے وہ سید ہی کیوں نہ ہو) ایمان اور عمل صالح کے بغیر نہ تو دوزخ کی آگ سے بچ سکتا ہے اور نہ جنت میں جا سکتا ہے۔

اس حدیث سے مسجد میں اجتماعی طور پر قرآن مجید کی تلاوت کرنے کا ثبوت ملتا ہے درسگاہوں اور صاف ستھرے مکانوں میں بھی اجتماعی تلاوت کی جا سکتی ہے۔

عامل بالقرآن کے والدین کا اعزاز

(۱۷۴) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَ عَمِلَ بِمَا فِیْہِ اُلْبِسَ وَالِدَاہُ تَاجًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ضَوْءُہٗ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِیْ بُیُوْتِ الدُّنْیَا، لَوْ کَانَتْ فِیْکُمْ فَمَا ظَنُّکُمْ بِالَّذِیْ عَمِلَ بِھٰذَا۔ (ابوداؤد عن معاذ الجہنی کتاب الصلوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا قیامت کے دن اس کے ماں باپ کو ایک ایسا تاج پہنایا جائیگا جس کی روشنی اس سورج کی روشنی سے زیادہ ہوگی جو تمہارے دنیا کے گھر میں ہو۔ (بالفرض) اگر سورج اپنی روشنی اور خوبصورتی کے ساتھ تمہارے گھر میں ہو تو وہ کس قدر پُرکشش، جاذبِ نگاہ اور حسین لگے گا یہ تو اس کے ماں باپ کو جزا ملے گی لیکن، تم خود اندازہ کرو قیامت کے دن اس آدمی کو اللہ تعالیٰ کیا انعام دے گا جس نے قرآن پڑھ کر اس پر عمل کیا؟

تشریح: قرآن پر عمل کرنے والے کے والدین کو سورج سے زیادہ خوبصورت تاج پہنایا جائے گا لیکن قرآن کو سمجھ کر پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والے کو جو عزت اور بادشاہت ملے گی تمہارا تنگ ذہن اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

ملتِ اسلامیہ کے عروج و زوال کا سبب

(۱۷۵) اِنَّ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ۔

(مسلم عن عمر بن الخطاب کتاب فضائل القرآن)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ قرآن سے بہت سے لوگوں کو بلند کرتا ہے اور اس سے دوسروں کو پستی میں گراتا ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو افراد یا جماعتیں قرآن کو اللہ کی کتاب مان کر اس پر عمل کریں گی اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں عزت، خوشحالی اور اقتدار عطا فرمائے گا اور آخرت میں انہیں اپنے انعام یافتہ بندوں میں شامل فرمائے گا۔ رہے وہ لوگ جو اسے کتاب اللہ ماننے کے باوجود اس پر عمل نہیں کریں گے اور اس سے رہنمائی نہیں لیں گے وہ دنیا میں ذلیل ہوں گے اور قیامت کے دن رُسوا ہو کر دوزخ میں جائیں گے۔

قرآن میں مشغول ہونے کا صلہ

(۱۷۶) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِكْرِيْ وَمَسْئَلَتِيْ أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِى السَّائِلِيْنَ وَفَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ۔ (ترمذی عن ابی سعید ابواب القرآن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو شخص قرآن میں مشغول ہونے کی وجہ سے نہ تو میرا ذکر کر سکے اور نہ (وہ مجھ سے اپنی ضروریات کے لیے) سوال کر سکے تو میں اسے سوال کرنے والوں سے بڑھ کر عطا کروں گا اللہ کا کلام (قرآن) ساری کائنات کے کلام سے برتر و اعلیٰ ہے جیسے اللہ اپنی ساری خلقت سے برتر و افضل ہے۔

تشریح: قرآن میں مشغول ہونے کے معنی ہیں قرآن کی تلاوت کرنا، اس کے معانی میں غور و فکر کرنا، اس کے ترجمہ و تفسیر کا پڑھنا پڑھانا، لکھنا اور پھیلانا۔

جو شخص قرآن میں مشغول ہو، اللہ کی نگاہ میں اس کا مرتبہ ذکر کرنے والوں اور دعا کرنے والوں سے زیادہ ہے اس لیے خادم قرآن کو اللہ تعالیٰ دوسروں سے بڑھ کر عنایت فرماتا ہے۔

اقامتِ دین سے انحراف کی سزا

(۱۷۷) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوْشِكَنَّ أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْهُ فَتَدْعُوْنَهٗ فَلَا يَسْتَجِيْبُ لَكُمْ

(ترمذی عن حذیفہ ابواب الفتن مسند احمد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری زندگی

ہے (اے امت مسلمہ!) تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک ایسے (خطرناک) عذاب میں مبتلا کر دے گا کہ اس سے نجات پانے کے لیے تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو گے مگر وہ تمہاری دعاؤں کو قبول نہیں کرے گا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں "امت مسلمہ" کے ذمہ یہ کام سپرد کیا ہے کہ "وہ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نیکیوں کو غالب کرے اور برائیوں کو روکے۔" اگر وہ اپنے اس مقصدِ زندگی کو فراموش کر دے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں اسے ایسی سزا دیتے ہیں جسے دعاؤں سے بھی نہیں ٹالا جا سکتا یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بالکل ترک کر دینے کی سزا یہ ہے کہ یہ امت، غیر مسلم اقوام کی محکوم بن جائے گی یا مسلم قوم کے ظالم اور بدکار افراد ان پر حکومت کریں گے۔ بہ صورتِ حال اللہ ذوالجلال کے غضب اور غصہ کی مظہر ہے۔ جسے دعاؤں سے بھی دور نہیں کیا جا سکتا۔

اقامتِ دین کے راہنما اصول چار ہیں۔

پہلا اصول یہ ہے کہ آدمی جس دین کو زمین پر قائم کرنے کے لیے اُٹھے اسے سب سے پہلے اپنے جسم کے ظاہر اور باطن پر قائم کرے وہ شخص معاشرے کو اسلامی نہیں بنا سکتا جس کا اپنا جسم مُسلم نہ ہو۔ جو شخص لوگوں کو نیکی کی دعوت دینے اور برائی سے روکنے کے لیے اٹھے وہ سب سے پہلے ان نیکیوں پر خود عمل کرے جس کی دعوت اس نے دوسروں کو دینی ہے اور ان برے کاموں سے دستبردار ہو جائے جن سے اس نے دوسروں کو روکنا ہے۔

جس شخص کی زندگی اس کی دعوت پر گواہ نہ ہو، اس کے قول اور عمل میں ہم آہنگی نہ ہو وہ نہ صرف یہ کہ دین کی کمزوری اور بدنامی کا موجب بنتا ہے بلکہ وہ اس جرم کی سزا آخرت میں بھی بھگتنے گا (ملاحظہ ہو حدیث ۱۹۱)

دوسرا اصول یہ ہے کہ دین کی دعوت کا آغاز اپنے گھر سے کرنا چاہیئے۔ آدمی، بیوی بچوں اور گھر کے دوسرے افراد کو اسلام کی تعلیم دے اور ان کی اصلاح کرے

اور انہیں مُسلم (اللہ کا فرمانبردار) بنائے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا۔ (التحریم آیت ۶)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے آپ کو اور اپنے بال بچوں کو آگ سے بچاؤ۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو دین کی تعلیمات سے آگاہ کرنا، داعی الی اللہ، انہیں خلوص اور محبت سے دین حق پر عمل کرنے کی دعوت دے (ملاحظہ ہو حدیث ۱۶۸) دین کی دعوت دینے کا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے کہ انہیں ایک دو بار جمع کر کے اسلامی احکام سنا دے اور بس، بلکہ اس مقصد کے لیے ان سے مسلسل اور بار بار ملاقاتیں ہوتی رہیں لیکن یاد رہے کہ دعوت میں تاثیر داعی کی عملی زندگی سے پیدا ہوتی ہے۔

چوتھا اصول یہ ہے کہ اپنے پڑوسیوں پر دین کی دعوت کا کام کرے اور ان سے مسلسل ربط رکھے۔

برائی کے خلاف جہاد ایمان کا تقاضا ہے۔

(۱۷۸) رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ رَأَى مِنكُمْ مُنكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ۔

(مسلم عن ابی سعید کتاب الایمان - ترمذی ابواب الفتن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے تو اسے طاقت سے بدل ڈالے۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو پھر زبان سے (اس کے خلاف) جہاد کرے اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم پھر اپنے دل ہی میں اس سے نفرت کرے اور یہ آخری کیفیت نہایت کمزور ایمان (کی نشانی) ہے۔

اسلام میں اجتماعیت

(۱۷۹) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ یَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِی الْوَحْدَۃِ مَا سَارَ رَاکِبٌ بِلَیْلٍ اَبَدًا۔ (مسند احمد عن عبداللہ بن عمر نمبر ۵۲۵۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اکیلا اور تنہا ہونے میں کیا کیا خرابیاں ہیں تو کوئی آدمی رات کو کبھی بھی سفر نہ کرتا۔

تشریح: سفر پر تنہا جانے سے طرح طرح کے حادثوں کا اندیشہ ہوتا ہے۔

(۱۸۰) اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ الْوَحْدَۃِ اَنْ یَّبِیْتَ الرَّجُلُ وَحْدَہٗ اَوْ یُسَافِرَ وَحْدَہٗ۔ (مسند احمد عن ابن عمر نمبر ۵۶۵۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں اکیلا رات بسر کرنے اور تنہا سفر کرنے سے روکا ہے۔

تشریح: رات گزارنے اور سفر کرنے میں جب انفرادی حالت کو پسند نہیں کیا گیا تو دین کی اقامت کا کام انفرادی طور پر کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اس لیے دین پر عمل کرنے اور اسے غالب کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے وفادار بندے جماعت کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔

جماعت سے وابستگی

(۱۸۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَۃِ وَاِیَّاکُمْ وَالْفُرْقَۃَ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَھُوَ مِنَ الْاِثْنَیْنِ اَبْعَدُ، مَنْ اَرَادَ بُحْبُوْحَۃَ الْجَنَّۃِ فَلْیَلْزِمِ الْجَمَاعَۃَ، مَنْ سَرَّتْہُ حَسَنَتُہٗ وَسَاءَتْہُ سَیِّئَتُہٗ فَذٰلِکَ الْمُؤْمِنُ۔ (ترمذی عن عمر ابواب الفتن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جماعت سے چمٹے رہو، تفرقہ بازی

سے بچو۔ تنہا آدمی پر شیطان حملہ آور ہوتا ہے اور دو آدمیوں سے بہت دور ہوتا ہے۔ جو شخص (قیامت کے دن) بہشت کے وسط میں رہنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ جماعت سے جدا نہ ہو۔ جس کا دل اپنی نیکی سے خوش ہو اور اپنے گناہ سے غمزدہ ہو وہ مؤمن ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تم جماعت بن کر رہو۔ الگ الگ ہونے سے بچو۔ تنہا آدمی کو شیطان نہیں چھوڑتا۔ انفرادی زندگی کو پسند نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان ہر قسم کی خوبیوں کا حامل ہونے کے باوجود شیطان کے پوشیدہ حملوں اور نفس کی حیلہ جوئیوں سے بچ نہیں سکتا اگر اجتماعی فضا اس کے ساتھ تعاون نہ کرے۔

• جماعتی زندگی میں

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

نیکی اور تقویٰ کو قائم کرنے اور گناہ اور ظلم کو مٹانے کے لیے تم ایک دوسرے کے ساتھ بھرپور تعاون کرو کی روح، جماعت کے ہر فرد کو بھٹکنے سے بچا لیتی ہے اور جماعت بحیثیت مجموعی، ترغیب اور تنقید کی فضا میں ترقی کی منزلیں طے کرتی رہتی ہے۔

جماعت سے علیحدگی

(۱۸۲) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَيَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شَذَّ اِلَى النَّارِ۔ (ترمذی عن ابن عمر ابواب الفتن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے (اللہ اس کی نگرانی کرتا ہے) جو شخص جماعت سے علیحدہ ہوا وہ تنہا رہ کر دوزخ میں گیا۔

تشریح: اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام انفرادی زندگی کا قائل نہیں ہے۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اس جماعت کے ساتھ تعاون کرے جو دین کو قائم کرنے کے لیے کام کر رہی ہو اگر ایسی جماعت موجود نہ ہو تو وہ خدا کے ہاں جوابدہ ہوگا اگر اس نے اس

غرض کے لیے جماعت نہ بنائی۔ ایک فرد اپنی بہتر بن سیرت اور ذہانت کے باوجود شیطان اور نفس کے فریب میں مبتلا ہو سکتا ہے اس لیے "اسلام" میں انفرادی زندگی کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی بلکہ مختلف اسلوب سے یہ بات ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ تم دین کو قائم کرنے اور رکھنے کے لیے جماعت بن کر رہو۔ پوری جماعت مل جُل کر شیطان کی راہ پر نہیں چل سکتی، اللہ اسے بھٹکنے نہیں دیتا۔ باطل کے حملوں اور سازشوں سے اس کی حفاظت فرماتا ہے اور اس کی ان دیکھی قوت و طاقت، جماعت کے اثر و رسوخ کو بڑھاتی رہتی ہے۔

انتخاب امیر

(۱۸۳) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا کَانَ ثَلٰثَۃٌ فِیْ سَفَرٍ فَلْیُؤَمِّرُوْا اَحَدَھُمْ۔ (ابو داؤد عن ابی ہریرہ کتاب الجہاد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تین آدمی سفر پر نکلیں تو اپنے میں سے کسی ایک کو وہ امیر بنا لیں۔

تشریح: دین کی دعوت و تبلیغ کے لیے جدوجہد میں اجتماعی نظم اور امیر کا انتخاب تو عام سفر سے زیادہ اہم اور ضروری ہے اس حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کے افراد، اپنی مرضی سے امیر کا انتخاب کریں نہ یہ کہ ایک شخص اپنے امیر ہونے کا اعلان کر دے اور لوگوں سے کہے تم مجھے اپنی جماعت کا امیر بنا لو۔ ظاہر بات ہے کہ افرادِ جماعت، اجتماعی معاملات کی باگ ڈور اس آدمی کے ہاتھ میں دیں گے جو علم، تقویٰ، معاملہ فہمی اور اصابت رائے میں سب سے زیادہ بہتر ہو۔ کتاب و سنت میں گہری بصیرت رکھتا ہو۔ اس کی دیانتداری پر اعتماد کیا جا سکتا ہو۔ بلند اخلاق اور بے داغ سیرت رکھتا ہو۔

پانچ احکام

(۱۸۴) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ، اَللّٰهُ اَمَرَنِيْ بِهِنَّ، اَلسَّمْعِ، وَالطَّاعَةِ وَالْجِهَادِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجَمَاعَةِ فَاِنَّهٗ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ اِلَّا اَنْ يُّرَاجِعَ

(ترمذی عن الحارث الاشعری ابواب الامثال)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے۔

(۱) (امیر جماعت کی بات) غور سے سننا۔

(۲) اس کے حکم کی اطاعت کرنا۔

(۳) جہاد کرنا۔

(۴) راہ خدا میں وطن کو چھوڑنا۔

(۵) جماعت بن کر رہنا۔

جو شخص جماعت سے بالشت بھر الگ ہوا اس نے اسلام (کی رسی) کا پھندا اپنی گردن سے اتار پھینکا اِلّا یہ کہ وہ دوبارہ جماعت میں لوٹ آئے۔

تشریح: قرآن مجید نے بتایا ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے مبعوث ہوئے تھے آنجناب ؐ کے بعد امت مسلمہ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ "دین کے غلبہ" کے لیے اُٹھے۔ انفرادی طور پر یہ کام نہیں ہو سکتا۔

(۱) جو افراد اللہ کی خوشنودی کی خاطر خدا کے دین کو غالب کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں ان کے لیے جماعت بنانا ناگزیر ہے۔

(۲)۔(۳) جماعت کا نظم ایک دن کے لیے بھی نہیں چل سکتا اگر افراد جماعت، اپنے امیرِ جماعت کی ہدایات اور احکام کو غور سے نہ سنیں اور اس کی اطاعت نہ کریں۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی تقاضا کرتی ہے کہ جماعت کا ایک ایک فرد، دین کے غلبہ کے لیے بھرپور زور لگائے، جان اور مال کے علاوہ اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو قربان کر دے۔

(۵) یہاں تک کہ حالات اگر ترک وطن کا تقاضا کر رہے ہوں تو محبوب حقیقی کی راہ میں اپنے وطنِ عزیز کو بھی خیر باد کہہ دے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کو اقامتِ دین کی تحریک کے یہ پانچ بنیادی اصول بتا کر کام کرنے کا نقشہ دے دیا ہے آخر میں فرمایا "جس نے بالشت بھر جماعت سے علیحدگی اختیار کی اس نے اسلام (کی رسّی) کے پھندے سے اپنی گردن نکال لی" یعنی وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو گیا۔ اس سے مراد صرف وہ جماعت ہے جو براہِ راست نبی کی سرپرستی اور نگرانی میں کام کر رہی ہو ایسی جماعت سے علیحدگی اور اختلاف کرنے کے صاف معنی ہیں اسلام سے اپنا تعلق منقطع کر لینا۔ رہی وہ جماعت جو مصلحین امت اور داعیان حق کی کوششوں سے اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے اور زمین پر اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے معرضِ وجود میں آئے اس سے علیحدگی اختیار کرنے سے آدمی دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، لیکن گناہ گار ہو جاتا ہے اور اسے خدا کے ہاں اس کی جوابدہی کرنا ہو گی بہرحال کسی دینی جماعت سے کسی عذر شرعی کے بغیر علیحدہ ہونا سخت مکروہ ہے۔

انفرادی زندگی غیر مسنون ہے کتاب وسنت کا مجموعی مزاج اس طرزِ زندگی کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا خصوصاً ہمارے اس پرفتن دور میں جبکہ دنیا کی ترقی یافتہ قوموں نے زندگی کے ہر محاذ پر اسلام کو چیلنج دے رکھا ہے۔

دین حق اور گروہ بندی

(۱۸۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَرْضٰى لَكُمْ ثَلَاثًا وَيَكْرَهُ لَكُمْ ثَلَاثًا فَيَرْضٰى لَكُمْ اَنْ تَعْبُدُوْهُ وَلَا

تُشْرِكُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّاَنْ تَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ــــ وَیَکْرَہُ لَکُمْ قِیْلَ وَقَالَ وَکَثْرَۃَ السُّؤَالِ وَ اِضَاعَۃَ الْمَالِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ عَنْ مَالِكٍ، بَعْدَ قَوْلِہٖ وَاَنْ تَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا، وَاَنْ تُنَاصِحُوْا مَنْ وَّلَاہُ اللّٰہُ اَمْرَکُمْ۔

(مسلم عن ابی ہریرہ کتاب الاقضیۃ، المسوی من احادیث المؤطا للشاہ ولی اللہ الجزء الثانی ص ۲۹۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تین کاموں کو تمہارے لیے پسند کرتا ہے۔

(۱) تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔

(۲) تم سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور فرقوں میں نہ بٹ جاؤ۔

(۳) اپنے حکمرانوں کے ساتھ خیر خواہی کا رویہ اختیار کرو۔ اور اللہ تعالیٰ (ان) تین کاموں کو تمہارے لیے پسند نہیں کرتا۔

(۱) فضول باتیں کرنا۔

(۲) کثرت سے سوال کرنا۔

(۳) اور مال ضائع کرنا۔

تشریح: "اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے یہ کام کر کے تم اس کی رضا حاصل کر سکتے ہو اور وہ تمہیں اس پر انعام دے گا وہ یہ ہیں۔

(۱) تم اس کی عبادت کرو۔ اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ" یعنی تم اس کے غلام اور بندے بن جاؤ اپنی پوری زندگی میں (چاہے وہ انفرادی ہو یا اجتماعی) اس کی اطاعت کرو۔ وہ تمہارا معبود ہے اس کی پرستش اور پوجا کرو اس کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس کے حقوق اور اختیارات میں کسی شخص کی مداخلت نہ مانو۔

(۲) "تم سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لو"۔

کا مطلب یہ ہے کہ فرداً فرداً ہر شخص دین کی اتباع کو کافی نہ سمجھے بلکہ امتِ مسلمہ جماعت کی حیثیت سے دین پر عمل کرے اور اپنی اجتماعی زندگی میں اسے نافذ کرے۔

"وَ اَن تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا" کا دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "تم پورے دین کو مضبوطی سے تھام لو" حَبْلُ اللّٰه "اللہ کی رسّی" ــــ جس کا ترجمہ ہم نے "دین" سے کیا ہے ــــ کا عام طور پر قرآن پر اطلاق ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا میں زندگی بسر کرنے کا ضابطۂ حیات ہے جسے اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نازل فرمایا ہے۔ تم اس کتابِ ہدایت کے مطابق زندگی بسر کرو۔ اس کے اصول، احکام، قوانین اور ہدایات ابدی ہیں، ان میں ترمیم کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے تم اس کی اتباع کرو۔ قرآن کے حصے بخرے نہ کرو۔ نہ یہ کہ اس کے ایک حصے پر عمل کرو اور اس کے دوسرے حصہ کو معطل کر کے رکھ دو، یہ چیز خدا کے غضب کو بھڑکانے والی ہے۔ بنی اسرائیل نے بھی اللہ کی کتاب کو اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے اللہ کے غضب کو دعوت دی تھی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت اور اجماع امت کو نظر انداز کر کے صرف قرآن پر عمل کرنے کی کوشش کرو۔ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت اور اجماع امت پر بھی اللہ کی رسّی (حَبْلُ اللّٰهِ) کا اطلاق ہوتا ہے بلکہ یہ اس میں شامل ہیں۔ حضور کی سنت اور اجماع امت کو دین سے خارج کر دینے کے بعد قرآن پر مشقِ ستم کرنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس آسانی کو حاصل کرنے کے لیے "منکرین حدیث" نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت کے خلاف محاذ کھول رکھا ہے۔

"اور فرقوں میں نہ بٹ جاؤ" کے معنی یہ ہیں کہ فرقہ بندی سے پرہیز کرو مسلمانوں کے درمیان تفرقہ نہ ڈالو۔ ان کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا کر جدا کرنے کی کوشش نہ کرو۔ کیونکہ اللہ کی نگاہ میں یہ بڑا سنگین جرم ہے تکفیر اور تفسیق کی توپوں کے دہانے کھول دینے سے بگڑے ہوئے لوگوں کی اصلاح نہیں ہوتی۔ حکمت، محبت، اخلاق اور اخلاص کے ساتھ دعوتِ دین میں بے پناہ کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ فتووں

سے ضد اور چڑ تو پیدا ہو جاتی ہے لیکن کوئی گمراہ یا فریب خوردہ شخص اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی پر مجبور نہیں ہو سکتا

(۳) اپنے حکمرانوں کے ساتھ خیر خواہی کا رویہ اختیار کرو۔

حکمرانوں سے خیر خواہی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم انہیں فساد اور برائی کے سرچشموں کو بند کرنے پر آمادہ کرو۔ مفید منصوبوں کو ملک میں نافذ کرنے کا انہیں مشورہ دو اور ان کو ترقی دینے میں ان سے تعاون کرو۔ اور حکمران بھی عوام کی بھلائی، خوشحالی اور امن کے لیے خلوص کے ساتھ سرگرمِ عمل ہوں۔ عوام اور حکمرانوں کے باہمی مخلصانہ تعاون اور محنت کرنے سے ہی اسلامی ریاست قائم رہ سکتی ہے اور ترقی بھی کر سکتی ہے۔

اس سے یہ بات بھی اخذ کی جا سکتی ہے کہ اسلامی تنظیم کے کارکن، اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے اپنے قائد سے پر خلوص تعاون کریں۔ اس مقصد کے فروغ اور ترقی کی راہ میں رکاوٹوں کی نشاندہی کریں۔ بلکہ ان رکاوٹوں کو دور کرنے میں اس سے تعاون کریں۔ اسلامی تنظیم کے قائد اور کارکنوں کے باہمی مخلصانہ تعاون اور ایثار کے بغیر یہ عظیم الشان مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

"اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ان تین کاموں کو پسند نہیں کرتا" کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمہیں ان سے روکتا ہے اگر تم نے یہ کام کیے تو وہ سزا دے گا۔

(۱) فضول باتیں کرنے کو اللہ پسند نہیں کرتا"

یعنی تم فضول اور بے فائدہ باتوں میں وقت ضائع نہ کرو آخر یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ آدمی گپ شپ میں اپنا وقت ضائع کر دے؟ جس بات کا فائدہ نہ دنیا میں ہو اور نہ آخرت میں فضول اور لغو ہے۔

(۲) کثرت سے سوال کرنے کو اللہ پسند نہیں کرتا"

دین پر عمل کرنے اور قرآن و سنت کی اتباع کرنے کی طرف توجہ نہ ہو لیکن دینی مسائل کی باریک بینی کا بڑا شوق ہو اور بال کی کھال اتارنے میں وقت ضائع کیا

جائے اور بڑی کثرت سے سوالات کرنے کی عادت بنالی جائے۔ ہمارے ہاں بلا وجہ سوالات کرنے کی بیماری بہت پائی جاتی ہے مطلب یہ ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ اللہ اور رسول ؐ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے کی کوشش کرو۔ خواہ مخواہ بلا ضرورت سوالات کرنے سے پرہیز کرو۔

اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ تم اپنی ضروریات کے لیے لوگوں سے کثرت سے سوال نہ کرو اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں ہے کہ تم خلق خدا سے مانگتے پھرو اور اپنی معاش کے لیے ہر شخص کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھرو۔

(۳) اللہ تعالیٰ مال ضائع کرنے کو پسند نہیں کرتا۔

انسان کو جائز ذرائع سے جو مال حاصل ہوتا ہے وہ اللہ کی نعمت ہے اور اس کی طرف سے بندے کے پاس امانت ہے جو شخص فضول خرچی کرتا ہے وہ اللہ کی نعمت کی بے قدری کرتا ہے گناہ بے حیائی اور نمود و نمائش پر مال ضائع کرنا اللہ کی امانت میں خیانت کرنا ہے بدکاری، خدا کی نافرمانی اور فضول خرچی پر مال ضائع کرنے کو اللہ سخت ناپسند کرتا ہے قیامت کے دن اس جرم کی سخت سزا ملے گی۔

اپنے مال کی حفاظت نہ کرنا بھی اسے ضائع کرنا ہے اس پر بھی بازپرس ہوگی۔

اطاعت امیر کی حدود

(۱۸۶) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاطَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ۔

(مسلم عن علی کتاب الامارہ بخاری کتاب المغازی، کتاب الاحکام کتاب اخبار الاحاد ابوداؤد کتاب الجہاد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے کیونکہ اطاعت صرف نیکی اور بھلائی میں کی جاتی ہے۔

تشریح: ۹ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہم پر تین سو افراد کا جتھہ ایک انصاری کی قیادت میں روانہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "اپنے امیر کی اطاعت کرنا" دورانِ سفر امیر نے کسی بات پر خفا ہو کر انہیں آگ میں چھلانگ لگانے کا حکم دیا۔ یہ حکم سن کر وہ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے بعض نے کہا، کیا ہم آگ میں داخل ہوں جبکہ اس آگ سے بچنے کی خاطر ہی تو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ہے بالآخر واپسی پر یہ معاملہ آنجناب کی بارگاہ میں پیش کیا گیا آپ نے فرمایا "اگر یہ لوگ (امیر کے کہنے پر) آگ میں کود جاتے تو پھر قیامت تک اس سے باہر نہ نکلتے خدا کی نافرمانی میں کسی امیر کی اطاعت جائز نہیں ہے صرف اچھے کاموں میں امیر کا حکم مانا جاتا ہے"

امیر جماعت اپنے کارکنوں سے کسی ایسے کام کی فرمائش کرے جس سے خدا اور اس کے رسولؐ نے منع کیا ہے تو کارکنوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے امیرِ جماعت کا حکم ماننے سے صاف انکار کر دیں۔ مؤمن کا کام ہی یہ ہے کہ وہ ہر معاملہ میں اللہ رب العالمین، کی اطاعت کرے اور اس کے قابل اعتماد نمایندوں (انبیا علیہم السلام) کی اس لیے اطاعت کرے کہ اللہ نے ہم سے ان کی اطاعت کا مطالبہ کیا ہے اگر کوئی ادارہ یا شخص ہم سے یہ مطالبہ کرے کہ "تم اللہ کی نافرمانی کرو" تو ہمیں یہ بات رد کر دینی چاہیے یہ مطالبہ باپ، مرشد، حاکمِ وقت، کی طرف سے ہو یا امیرِ جماعت کی جانب سے۔

کیونکہ اطاعت صرف معروف میں جائز ہے امرِ حق کے خلاف حکم دینے والا اور حکم ماننے والا دونوں مجرم ہیں مزید وضاحت کے لیے حدیث نمبر ۲۶۲ ملاحظہ ہو۔

دینی جماعت کے کارکنوں کے باہمی تعلقات

(۱۸۷) لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ أَتَاهُ الْمُهَاجِرُوْنَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ـــــ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

— مَا رَأَيْنَا قَوْمًا أَبْذَلَ مِنْ كَثِيرٍ وَلَا أَحْسَنَ مُوَاسَاةً مِنْ قَلِيلٍ مِنْ قَوْمٍ نَزَلْنَا بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ لَقَدْ كَفَوْنَا الْمُؤْنَةَ وَأَشْرَكُونَا فِي الْمَهْنَأِ حَتَّى لَقَدْ خِفْنَا أَنْ يَذْهَبُوا بِالْأَجْرِ كُلِّهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا، مَا دَعَوْتُمُ اللّٰهَ لَهُمْ وَأَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِمْ۔

(ترمذی عن انس ابواب صفۃ القیامۃ)

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو انصار کے مخلصانہ ایثار اور تعاون کو دیکھ کر مہاجرین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم جن لوگوں کے ہاں آکر ٹھہرے ہیں ان کے مالداروں کو سب سے کشادہ دل اور سخی اور ان کے غریب افراد کو بہترین غمگسار پایا ہے۔ حصول معیشت کے لیے وہ مشقت خود اٹھاتے ہیں لیکن اپنے مال سے انہوں نے ہمیں بھی لطف اندوز کر رکھا ہے ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ وہ (ہمارا) سارا اجر (بھی) سمیٹ کر لے جائیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بات نہیں ہے جب تک تم اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دعا کرتے رہو گے اور ان کے حق میں کلمۂ خیر کہتے رہو گے۔

تشریح: انصارؓ نے مہاجرینؓ کے ساتھ جو حسن سلوک کیا تھا وہ مثالی تھا انسانی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی انہوں نے مہاجرین کو رہنے کے لیے اپنے مکانوں اور معاش کے لیے اپنے باغوں میں حصہ دار بنا دیا تھا۔ مال دار انصاریوں نے بڑی فیاضی سے ان سے مالی تعاون کیا۔ ان کے غریب افراد نے بھی اپنی استطاعت سے بڑھ کر ان کی مالی مدد کی۔ کھیتوں اور باغوں کی آمدنی کا حصہ تو وہ لازماً اپنے مہاجر بھائیوں کو دیتے لیکن ان کی دیکھ بھال اور آبپاشی کا بوجھ ان پر نہ ڈالتے حالانکہ مواخاۃ کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کام کرنے کی ذمہ داری مہاجرین نے قبول کر لی تھی انصار کے اس طرز عمل کو دیکھ کر مہاجرین کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہماری نیکیوں

(مثلاً مکہ سے مدینہ ہجرت، اور خدا و رسول کی اطاعت) کا اجر و ثواب انہیں نہ عطا فرما دے محض اس وجہ سے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ حسن سلوک کرنے میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس اندیشے کو غلط قرار دیا اور فرمایا۔ اللہ کا فضل بڑا وسیع ہے جب تم ان کے بے مثال مالی تعاون پر ان کے حق میں کلمۂ خیر کہتے رہو گے اور اللہ تعالیٰ سے ان کی بھلائی کے لیے دعا کرتے رہو گے تو پھر رحمان کریم تمہاری نیکیوں کا اجر انہیں کیوں دے گا؟ اس کے خزانۂ رحمت میں کس چیز کی کمی ہے؟ وہ تمہارے اعمال کا پورا پورا اجر نہیں دے گا۔ اور انصار نے اللہ کی رضا کے لیے تمہارے ساتھ جو تعاون کیا ہے اس پر انہیں اپنی طرف سے بہترین انعام عطا فرمائے گا اور ان کے حق میں تمہاری دعاؤں کو قبول فرمائے گا۔

اللہ کا کلمہ بلند کرنے والی جماعت (انصار) نے مکہ سے آنے والی جماعت (مہاجرین) کے ساتھ محبت، ایثار، خلوص اور تعاون کا جو مظاہرہ کیا تھا مادہ پرست ذہن اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بلکہ سگے بھائی بھی اس طرح کا برتاؤ نہیں کرتے۔

ایمانی رشتے کی ایک اور جھلک

جب مہاجرین مدینہ میں آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کے اور انصار کے درمیان بھائی چارے کا رشتہ قائم کیا اس سلسلے میں آپ نے) عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ (مہاجر) اور سعد بن ربیعؓ (انصاری) کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے ــــــ جو کہ سب انصار سے زیادہ خوشحال اور مال دار تھے ــــــ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا میں اپنی جائداد کو دو حصوں میں تقسیم کر کے اس کا ایک حصہ آپ کو دینا چاہتا ہوں۔ میری دو بیویاں ہیں ان میں سے جو آپ کو پسند آئے میں اسے طلاق دیتا ہوں۔ عدت گزرنے کے بعد آپ اس سے شادی کر لیں۔

عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ نے ان کی یہ پیشکش قبول نہ کی اور کہا اللہ تعالیٰ آپ کے مال اور اہل میں برکت دے، یہ کہہ کر انہوں نے کاروبار کے لیے بازار کا رخ کیا۔

(بخاری باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

خواتین کا اجتماع

(۱۸۸) جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ذَهَبَ الرِّجَالُ بِحَدِيْثِكَ فَاجْعَلْ لَنَا مِنْ نَفْسِكَ نَأْتِيْكَ فِيْهِ تُعَلِّمُنَا مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ فَقَالَ اجْتَمِعْنَ فِيْ يَوْمِ كَذَا وَكَذَا فِيْ مَكَانِ كَذَا وَكَذَا فَاجْتَمَعْنَ فَأَتَاهُنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَّمَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَهُ اللّٰهُ۔ (بخاری عن ابی سعید کتاب الاعتصام)

ایک خاتون نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دعوت تو صرف مردوں تک محدود رہتی ہے (خواتین اس سے محروم ہیں براہ کرم) ہمارے لیے وقت مقرر فرمائیے تاکہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دین کا وہ علم سیکھیں جو اللہ نے آپ کو سکھایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں تم (سب خواتین) فلاں دن فلاں جگہ جمع ہو جاؤ (پروگرام کے مطابق) خواتین نے اجتماع کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے اور انہیں دین کی تعلیم دی۔

تشریح: عہد نبوی میں مرد و زن کا مخلوط اجتماع نہیں ہوتا تھا اس لیے خواتین نے شکایت کی کہ آنجنابؐ کی دعوتی سرگرمیاں مردوں تک محدود ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان عورتیں، دین کا علم حاصل کرنے کے لیے اپنا الگ اجتماع منعقد کیا کرتی تھیں اسلام کی تعلیم اور دین کی دعوت کے لیے خواتین کا اجتماع منعقد کرنا ضروری اور مفید ہے۔ اجتماع منعقد کرنے کے لیے جگہ اور وقت کا تعین اور پابندی مسنون ہے دینِ حق کی اقامت کے لیے خواتین کا منظم ہونا، اجتماعی ہیئت اختیار کرنا۔ اور مردوں

کی طرح باقاعدہ اجتماعات منعقد کرنا دین کے مزاج کے عین مطابق ہے جب اسلامی معاشرت، دینی اجتماع میں مرد و زن کے اختلاط کی اجازت نہیں دیتی تو پھر درس گاہوں، کلبوں یا ثقافتی تقریبات میں مردوں اور عورتوں کا ملا جلا پروگرام کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

دعوت الی اللہ میں حکمت

(۱۸۹) اِنَّ اَعْرَابِيًّا بَالَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَامُوْا اِلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُزْرِمُوْهُ ثُمَّ دَعَا بِدَلْوٍ مِنْ مَاءٍ فَصَبَّ عَلَيْهِ۔ (بخاری عن انس کتاب الادب مسلم کتاب الطہارۃ)

ایک بدوی نے مسجد میں پیشاب کیا تو صحابہؓ اسے زدوکوب کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے پیشاب کرنے سے نہ روکو پھر آپؐ نے پانی کا ڈول منگوا کر پیشاب پر بہا دیا۔

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے ذوالخویصرہ نامی بدوی نے آ کر دو رکعت نماز ادا کی فارغ ہو کر اس نے مسجد کے گوشہ میں پیشاب کرنا شروع کیا۔ صحابہؓ نے یہ منظر دیکھا تو جلدی سے اٹھے تاکہ اس کی پٹائی کریں اور اسے مسجد کی بے حرمتی کا مزہ چکھائیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ٹھہرو! تم داعی الی اللہ ہو اور دین میں آسانی پیدا کرنے والے ہو۔ تمہارا یہ منصب نہیں ہے کہ سخت رویہ اختیار کر کے لوگوں کو دین سے متنفر کرو۔

آنجنابؐ نے اس موقعہ پر جو طرز عمل اختیار فرمایا اس سے دعوت و تبلیغ کی حکمت پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے آپؐ نے پہلا کام تو یہ کیا کہ مشتعل افراد کو بدوی پر ہاتھ اٹھانے سے روک دیا دوسرا کام یہ کیا کہ اسے اطمینان سے پیشاب کرنے دیا گیا رحمت کے پیکر نے گوارا نہ کیا کہ پیشاب کا عمل درمیان میں رکوا کر ایک انسان کو بیمار کر دیا جائے۔ آپؐ نے بدوی کو اس غلطی پر ڈانٹ ڈپٹ نہ کی اور نہ صحابہ کرامؓ

کو اجازت دی کہ وہ اسے برا بھلا کہیں یا اسے زدوکوب کریں۔ اس فحش غلطی اور مسجد نبوی کی بے ادبی پر بدوی کو سزا دینے کے بجائے اسے بعد میں نرمی سے سمجھا دیا کہ بھائی! مسجدیں صرف نماز، تلاوت قرآن اور یادِ خدا کے لیے ہوتی ہیں ان میں بول و براز نہیں کیا جاتا۔

پُرفتن دور

(۱۹۰) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ فِتَنًا کَقِطَعِ اللَّیْلِ الْمُظْلِمِ یُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَ یُمْسِیْ کَافِرًا اَوْ یُمْسِیْ مُؤْمِنًا وَیُصْبِحُ کَافِرًا یَبِیْعُ دِیْنَہٗ بِعَرَضٍ مِّنَ الدُّنْیَا۔ (مسلم عن ابی ہریرہ کتاب الایمان ترمذی ابواب الفتن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک کام کرنے میں جلد بازی کرو ان فتنوں سے پہلے جو کالی رات کی پیہم اور لگاتار تاریکیوں کی طرح آنے والے ہیں۔ صبح کا مؤمن شام کو کافر ہو جائے گا (یا فرمایا) شام کا مؤمن صبح ہوتے ہی کفر اختیار کرلے گا۔ اور دنیا کے چند ٹکوں میں اپنا دین بیچ ڈالے گا۔

تشریح: اس حدیث میں جن فتنوں سے خبردار کیا گیا ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) ایمان باللہ پر قائم رہنا دشوار ہوگا، انقلاب ایک دن میں اپنا کرشمہ دکھا دیگا دین فروشی معمول بن جائے گی مسلمانوں کا زوال اس حد تک پہنچ جائے گا کہ وہ صرف "مادی فائدوں" کی خاطر بہت جلد اپنے دین کو داؤ پر لگا دیں گے یہاں تک کہ معاشی ترقی کی خاطر وہ اس چیز کو حرام قرار دیں گے جسے اللہ نے حلال کیا ہے اور اس چیز کو حلال قرار دیں گے جسے اللہ نے حرام کیا ہے یعنی لین دین اور معاملات کے غیر اسلامی طریقوں کو اپنا لیں گے۔

(۲) وہ باہمی عداوت میں مبتلا ہو جائیں گے دینی امور میں اختلاف کی وجہ سے

ملت اسلامیہ میں شدید تفرقہ بازی رونما ہوگی اور جاہلی عصبیتوں کی وجہ سے ان کے درمیان لڑائی، جھگڑا ہوتا رہے گا ہر گروہ، دوسرے گروہ کے خون اور مال کو اپنے لیے حلال قرار دے گا قتل اور لوٹ مار کا بازار گرم ہوگا۔

(۳) اقتدار پر ظالم اور فاسق و فاجر حکمران مسلط ہوں گے وہ مسلمانوں کا خون بہائیں گے اور ناحق ان کی جائداد پر قبضہ کرلیں گے لوگ ان کی حمایت کریں گے علماء سوء ان کی لوٹ مار اور ظلم و تشدد کے جواز کا فتویٰ دیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن فتنوں کی خبر دی تھی ہمارے دور میں ان کا سیلاب آگیا ہے اب ایمان کے علمبرداروں کا فرض ہے کہ وہ بگڑے ہوئے مسلمانوں کی اصلاح اور فلاح کے لیے سر توڑ کوشش کریں۔ اللہ کا کلمہ بلند کرنے والوں کو ان اہل ایمان سے سابقہ ہے جو ڈانواں ڈول ہونے کے علاوہ دین کے معاملہ میں کمزور ہیں۔ دنیاوی فائدوں کی خاطر اپنا دین چھوڑ دینے پر آمادہ ہیں مزید وضاحت کے لیے حدیث (۱۶۷) ملاحظہ ہو۔

واعظ بے عمل

(۱۹۱) عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يُجَاءُ بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْقٰى فِي النَّارِ فَتَنْدَلِقُ اَقْتَابُهٗ فِي النَّارِ فَيَدُوْرُ كَمَا يَدُوْرُ الْحِمَارُ بِرَحَاهُ فَيَجْتَمِعُ اَهْلُ النَّارِ عَلَيْهِ فَيَقُوْلُوْنَ اَيْ فُلَانُ مَا شَأْنُكَ اَلَيْسَ كُنْتَ تَأْمُرُنَا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهٰنَا عَنِ الْمُنْكَرِ؟ قَالَ كُنْتُ اٰمُرُكُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَا اٰتِيْهِ وَاَنْهٰكُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاٰتِيْهِ۔

(بخاری کتاب بدء الخلق۔ کتاب الفتن مسلم کتاب الزھد)

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے دن ایک آدمی لایا جائیگا

اور اسے آگ میں ڈالا جائے گا۔

دوزخ میں اس کے پیٹ کی آنتیں (دبر سے) بہت جلد باہر نکل آئیں گی وہ ان کے اردگرد اس طرح چکر لگائے گا جیسے گدھا چکی کے گرد چکر لگاتا ہے دوزخی اس کے گرد جمع ہو کر پوچھیں گے اے فلاں! یہ تیرا کیا حال ہے؟ کیا تو (دنیا میں) ہمیں نیکی کا حکم نہیں دیتا تھا اور برائی سے نہیں روکتا تھا؟ وہ جواب میں کہے گا (ہاں یہ سچ ہے) میں تمہیں نیکی کا حکم دیتا تھا لیکن اس پر عمل نہ کرتا تھا میں تمہیں تو برائی سے روکتا تھا لیکن خود اس برائی میں مبتلا تھا اس لیے یہ سزا بھگت رہا ہوں)

تشریح: "معروف" سے مراد اسلام کے وہ احکام اور اوامر ہیں جن پر عمل کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور منکر سے مراد وہ گناہ اور برائیاں ہیں جن سے دور رہنے کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے یہ حدیث ایک لمحہ فکریہ ہے ان لوگوں کے لیے جو دین کی دعوت اور تبلیغ کا کام کرتے ہیں۔ علماء اور دینی جماعتوں کے افراد کو چاہیئے کہ وہ اس "معروف" پر خود بھی عمل کریں جس کا لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور اس "منکر" سے اجتناب کریں جس سے لوگوں کو روکتے ہیں ورنہ قیامت کے دن وہ اس سزا کے مستحق ہوں گے جو اس حدیث میں بیان کی گئی ہے۔

تبلیغ کی اہمیت

(۱۹۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً وَحَدِّثُوْا عَنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ وَلَا حَرَجَ وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔

(بخاری عن عبداللہ بن عمرو۔ کتاب الانبیاء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری طرف سے لوگوں کو پہنچا دو۔ اگرچہ ایک آیت ہو بنی اسرائیل سے روایت کرو اس میں کوئی حرج نہیں

ہے جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنائے۔

تشریح: دین اسلام میں زندگی کے تمام شعبوں کے لیے مکمل اور جامع ہدایات اور احکام ہیں ان سب کا منبع اور مرکز قرآن حکیم ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اس کی شرح اور توضیح ہے اور قرآن ہی کی طرح حجت ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ قرآن اور سنت کے علوم کو زیادہ سے زیادہ خلق خدا تک پہنچاؤ قطع نظر اس بات کے، کہ تمہارے وسائل اور ذرائع کتنے اور کیسے ہیں؟ اگر تم زیادہ استطاعت نہیں رکھتے تو قرآن کی ایک آیت کی تبلیغ کرنے میں کوتاہی نہ کرو۔ انسان اسلام کے احکام اور ہدایات پر عمل نہیں کر سکتا جب تک اسے قرآن اور سنت کا علم اور شعور نہ ہو اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کو حکم دیا ہے کہ میں خدا کی طرف سے انسانوں کی ہدایت اور نجات کے لیے جو علم لایا ہوں تم زیادہ سے زیادہ لوگوں تک اسے پہنچانے کی کوشش کرو لیکن آگاہ رہو کہ اسلام کے نام پر لوگوں کو کوئی ایسی بات نہ پہنچاؤ جو میں نے نہیں کہی جو شخص جان بوجھ کر میری طرف ایسی بات منسوب کرتا ہے جو میں نے نہیں کہی تو وہ دوزخ میں جائیگا

امت مسلمہ کی اصلاح کرنے والوں کا فرض ہے کہ وہ قرآن اور حدیث کا براہ راست علم حاصل کریں پھر خلوص اور محنت سے اس علم کو خلقِ خدا تک پہنچائیں۔

اس حدیث میں ان لوگوں کو سخت دھمکی دی گئی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف موضوع حدیثوں کو منسوب کر کے بزعم خویش نیکیوں کا سرمایہ جمع کر رہے ہیں۔

افسوس ہے کہ بعض خادمانِ دین کم علمی کی وجہ سے اور بعض لوگ عمداً غلط اور گھڑی ہوئی روایات کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان کے پیشِ نظر اگرچہ عام مسلمانوں کی اصلاح اور تربیت ہوتی ہے لیکن وہ شاید نہیں جانتے کہ اس سے دین کا حلیہ بگڑ جاتا ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اس "دینِ کامل" کو جھوٹی اور موضوع روایات کے سہارے کی بالکل ضرورت نہیں ہے یہ اپنی جامع مانع اور مکمل صورت میں موجود ہے ضرورت صرف اس پر عمل کرنے اور اسے زندگی کے تمام شعبوں پر نافذ کرنے کی ہے۔

روایات کے سلسلہ میں اس طرح کی بے احتیاطی سے دنیا میں اسلام کو سخت نقصان پہنچا ہے صحیح اور قابل اعتماد احادیث کے ذخیروں کی موجودگی میں آخر بے سروپا اور مبالغہ آمیز باتوں کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

ریاکار عالم، سخی اور مجاہد

(۱۹۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ یُقْضٰی عَلَیْهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔

(۱) رَجُلٌ اُسْتُشْهِدَ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهَا نِعْمَتَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْهَا؟ قَالَ قَاتَلْتُ فِیْكَ حَتّٰی اسْتُشْهِدْتُ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِاَنْ یُّقَالَ جَرِیْءٌ فَقَدْ قِیْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْهِهٖ حَتّٰی اُلْقِیَ فِی النَّارِ۔

(۲) وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهٗ وَقَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعْمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْهَا؟ قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهٗ وَقَرَأْتُ فِیْكَ الْقُرْاٰنَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِیُقَالَ اِنَّكَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ لِیُقَالَ قَارِیٌٔ فَقَدْ قِیْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْهِهٖ حَتّٰی اُلْقِیَ فِی النَّارِ۔

(۳) وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَعْطَاهُ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهٖ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعْمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْهَا؟ قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِیْلٍ تُحِبُّ اَنْ یُّنْفَقَ فِیْهَا اِلَّا اَنْفَقْتُ فِیْهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِیُقَالَ هُوَ جَوَّادٌ فَقَدْ قِیْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْهِهٖ ثُمَّ اُلْقِیَ فِی

فِي النَّارِ۔ (مسلم عن ابی ہریرہ کتاب الامارۃ ترمذی ابواب الزھد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے قیامت کے دن سب سے پہلے ان (تین قسم کے افراد) کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا۔

(۱) ایک شہید کو اللہ کی بارگاہ میں حاضر کیا جائے گا، اللہ اسے اپنی نعمتوں کا تعارف کرائے گا تو وہ اعتراف کرے گا (کہ مجھے قوت اور شجاعت فی الواقع آپ نے عطا فرمائی تھی) اس کے بعد اللہ اس سے فرمائے گا میری اس مہربانی کا حق تُو نے کس طرح ادا کیا؟ وہ جواب دے گا آقا! تیری راہ میں لڑتے لڑتے "شہید" ہُوا اللہ فرمائے گا تُو جھوٹ کہتا ہے، تُو لڑتا رہا ہے تاکہ تجھے دلیر کہا جائے (باطل کے خلاف لڑائی میں تُو نے جو حصہ لیا تھا وہ اللہ کی رضا کے لیے نہیں بلکہ بہادر کہلوانے کے لیے تھا) پس کہا گیا (کہ یہ بڑا دلیر اور بہادر ہے) اللہ حکم دے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹ کر آگ میں پھینکو بالآخر اسے پھینک دیا جائے گا۔

(۲) (اللہ کی بارگاہ میں) ایک ایسا آدمی لایا جائے گا جو (دین کا) علم سیکھتا اور سکھاتا رہا ہے اور قرآن پڑھتا رہا ہے اللہ اسے اپنی نعمتوں کا تعارف کرائے گا اور وہ اعتراف کرے گا (کہ دنیا میں اللہ نے اسے دین کا علم پڑھنے اور پڑھانے کی توفیق بخشی ایسے وسائل اور ذرائع مہیا فرما دیئے کہ کہ وہ قرآن کو نہایت عمدہ طریقے سے پڑھتا رہا) اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا، بتا، تُو نے میری ان نعمتوں کا شکریہ کس طرح ادا کیا؟ وہ کہے گا مالک! میں دین کا علم صرف تیری رضا کے لیے سیکھتا اور سکھاتا رہا ہُوں۔ اور میں نے قرآن بھی تیری ہی خاطر پڑھا، اللہ فرمائے گا تُو جھوٹ بولتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ تُو نے "عالم" کہلوانے کے لیے دین کا علم حاصل کیا اور تُو نے قرآن پڑھا تاکہ تجھے "قاری" کہا جائے۔ پس کہا گیا (عوام نے

تجھے عالم اور قاری جانا اور مانا۔ تیرے دل کی یہ تمنا پوری ہوگئی) پھر اللہ کے حکم سے اسے منہ کے بل گھسیٹ کر آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

(۳) ایک (نہایت امیر کبیر دولت مند) شخص لایا جائے گا جسے اللہ نے بڑی وسعت کے ساتھ ہر قسم کے مال سے نوازا تھا، اللہ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا اور وہ ان نعمتوں کا اعتراف کرے گا، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا میری ان بے شمار نعمتوں کی تو نے کس طرح قدر کی؟ وہ کہے گا پروردگار! میں نے تیری رضا کے لیے اپنی دولت ہر اس کام میں لٹائی جس پر خرچ کرنا تجھے پسند تھا (مطلب یہ ہے کہ خیرات صدقہ کرنے میں میں نے کوتاہی نہیں کی، دل کھول کر تیری راہ میں خرچ کرتا رہا۔ جونہی میرے علم میں یہ بات آئی کہ آپ فلاں کام میں خرچ کرنے کو پسند فرماتے ہیں میں نے اس کام میں مال کھپایا) اللہ فرمائے گا تو نے جھوٹ بولا ہے، حقیقت یہ ہے کہ بہت بڑا سخی کہلوانے کے لیے تو نے یہ کام کیا ہے اور (تیری خواہش کے مطابق) کہا گیا کہ یہ بڑا فیاض اور سخی ہے) پھر اللہ رب العالمین حکم دے گا کہ اس (بڑے سخی) کو منہ کے بل گھسیٹ کر لے جاؤ پھر دوزخ میں ڈال دو۔ (اللہ کے فرشتے حکم کی فوراً تعمیل کریں گے)

تشریح:۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی نگاہ میں وہ عمل مقبول ہے جو اللہ کے لیے ہو، شہرت، ناموری اور دنیا کمانے کے ارادہ سے جو نیکی بھی کی جائے اس پر اجر نہیں بلکہ سزا ملے گی، غازی، عالم اور سخی ہیں اگر اخلاص نہ ہو تو اسے منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اخلاص کے معنی ہیں صرف اللہ کی رضا کے لیے کام کرنا۔

تبلیغِ قرآن کی راہ میں رکاوٹوں کا حل

(۱۹۴) كَانَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ يَعْرِضُ نَفْسَهٗ بِالْمَوْقِفِ فَقَالَ اَلَا رَجُلٌ يَحْمِلُنِىْ اِلٰى قَوْمِهٖ؟ فَاِنَّ قُرَيْشًا قَدْ مَنَعُوْنِىْ

اَنْ اُبَلِّغَ کَلَامَ رَبِّیْ۔ (ترمذی عن جابر بن عبداللہ ابواب فضائل القرآن)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم حج کے زمانہ میں اپنے آپ کو قبائل کے سامنے پیش کرتے تھے آپؐ ان سے فرماتے قریش نے مجھے اپنے رب کا کلام پہنچانے سے روک دیا ہے کیا کوئی شخص مجھے اپنی قوم کے پاس لے جانے کے لیے تیار ہے؟

تشریح: اپنے چچا ابوطالب کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثقیف کو دعوت دینے اور ان کا تعاون حاصل کرنے کے لیے طائف تشریف لے گئے ثقیف کے سرداروں نے نہ صرف یہ کہ آپ کی حوصلہ افزائی نہ کی بلکہ انہوں نے استہزاء اور توہین سے آپ کا استقبال کیا اور ان کے آوارہ چھوکروں نے آپؐ کو لہولہان کر دیا۔ طائف سے واپس لوٹنے پر آپ نے حج پر آنے والے تقریباً سب قبائل سے ملاقاتیں کیں۔ آپؐ نے ہر با اثر قبیلے کے سردار سے فرمایا: "میں تمہیں کسی بات کے ماننے پر مجبور نہیں کرتا میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنے ہاں پناہ دو اور ظالموں کو میرے خلاف تشدد کرنے سے روک دو تاکہ میں خلقِ خدا تک اپنے رب کا پیغام پہنچا سکوں" لیکن کسی نے مان کر نہ دیا بلکہ بڑی بے رخی اور سنگدلی سے یہ جواب دیا کہ آدمی کی قوم اسے سب سے زیادہ جانتی ہے بالآخر رجب کے مہینہ میں مدینہ سے انصار کے ایک وفد نے آنجنابؐ سے ملاقات کی۔ اسلام پر انہوں نے بیعت کی آپؐ کے ساتھ تعاون کا مخلصانہ وعدہ کیا اور وفا کی۔

اللہ کے دین کو زمین پر قائم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے اس مقصد کے حصول کے لیے اللہ کے وفادار بندوں کو تضحیک، ملامت اور اذیت سے دوچار ہونا پڑتا ہے ذہنی اور جسمانی مصیبتوں کا حملہ بھی برداشت کرنا پڑتا ہے ہر طرف سے عدم تعاون کی صدائیں بھی کانوں سے ٹکراتی ہیں لیکن اللہ کی محبت سے سرشار و مخمور بندے باطل کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالتے۔ حالات کو ناسازگار پا کر وہ مایوس اور بددل بھی نہیں ہوتے۔ مخالفین کے دباؤ میں آکر وہ ہمت ہار کر بیٹھ نہیں جاتے بلکہ خلوص اور صبر کے

کے ساتھ مسلسل محنت کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم خلاف توقع انہیں کامیابی سے ہمکنار کر دیتا ہے۔

دُنیا پرست علماء

(۱۹۵) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا لِغَیْرِ اللّٰہِ اَوْ اَرَادَ بِہٖ غَیْرَ اللّٰہِ فَلْیَتَبَوَّ أْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ۔

(ترمذی عن ابن عمر ابواب العلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دین کا علم غیر اللہ کے لیے سیکھے وہ اپنے اس گھر میں ٹھہرنے کے لیے تیار ہو جائے جو دوزخ میں ہے

(۱۹۶) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا یُبْتَغٰی بِہٖ وَجْہُ اللّٰہِ لَا یَتَعَلَّمُہٗ اِلَّا لِیُصِیْبَ بِہٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْیَا لَمْ یَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّۃِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَعْنِیْ رِیْحَھَا۔

(ابو داؤد عن ابی ہریرۃ کتاب العلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو علم (یعنی قرآن وسنت کا علم) اللہ کی رضا کے لیے سیکھا جاتا ہے اگر کوئی شخص مال ومتاع حاصل کرنے کے لیے اسے سیکھتا ہے تو وہ قیامت کے دن بہشت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔

تشریح: علم دین (قرآن وسنت کا علم) حاصل کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان اس سے اپنی حیثیت کا شعور حاصل کرے اور دنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ جان لے اور اپنے مالک کو راضی کرنے کے لیے اس راستہ پر چل پڑے۔ اپنے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں اس سے راہنمائی حاصل کرے تاکہ وہ آخرت میں کامیاب ہو۔

یہ ہے وہ عظیم الشان مقصد، جس کی خاطر قرآن اور سنت کا علم حاصل کرنا چاہیئے

لیکن اگر کوئی نادان "عزت و شہرت یا دولت حاصل کرنے کے لیے اس علم کو پڑھتا ہے یا دوسرے دنیاوی مقاصد کے لیے اس میں مہارت حاصل کرتا ہے تو وہ "عالمِ دین" نہیں بلکہ خائن ہے وہ اللہ کی نگاہ میں سخت معتوب ہے اور دین کے نام سے اپنے نفس کی بندگی کر رہا ہے اس جرم کی پاداش میں وہ نہ صرف یہ کہ بہشت کی خوشبو سے محروم رہے گا بلکہ وہ دوزخ میں جائے گا۔

علماء میں نفاق کی کثرت

(۱۹۷) رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اَكْثَرَ مُنَافِقِيْ اُمَّتِيْ قُرَّاءُهَا۔ (مسند احمد عن عبد اللہ بن عمرو نمبر ۶۶۳۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے میری امت کے منافقوں کی بڑی تعداد ان افراد پر مشتمل ہے جو قرآن پڑھنے والے ہیں۔

تشریح: قرآن پڑھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ثواب حاصل کرنے، ہدایت لینے اور اس پر عمل کرنے کے لیے اس کی تلاوت کی جائے جو شخص قرآن کو عمدہ طریقے سے پڑھتا ہے لیکن دنیا کے معاملات میں وہ اس سے رہنمائی نہیں لیتا۔ وہ بار بار اس کی تلاوت کرتا ہے لیکن اس کے احکام اور قوانین پر عمل نہیں کرتا بلکہ کھلم کھلا بڑے بڑے گناہوں میں ملوث ہوتا ہے وہ منافق اور دورنگا ہے۔

اسی طرح اس عبادت گزار صوفی کے منافق ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے جو اوراد و وظائف اور نوافل کی پابندی کے باوجود لین دین، معاملات، کاروبار اور اخلاق میں قرآن کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے اکثر عالمانِ دین کو اس لیے منافق قرار دیا ہے کہ وہ خلقِ خدا کو جس دین کی دعوت دیتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علماء امت کی اقلیت نفاق سے کوسوں دور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کا حق ادا کرتی رہے گی۔ یہ اللہ تعالے کا

امت مسلمہ پر بہت بڑا فضل ہے، کہ علماء حق (اگرچہ ان کی تعداد تھوڑی ہے) ہر دور میں حق کی شہادت دیتے رہے ہیں اور اب بھی دے رہے ہیں اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرتے اور اسلام کو غالب کرنے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ قرآن و سنت کے ان پروانوں پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور اللہ کے فرشتے ان کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

دعوت و اصلاح کا کام

(۱۹۸) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ فَوَاللّٰهِ لَأَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَّاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ أَنْ يَّكُوْنَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ

(بخاری عن سہل بن سعد کتاب المغازی مسلم کتاب فضائل الصحابۃ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ تیرے ذریعہ سے ایک آدمی کو راہ راست پر چلنے کی توفیق دے تو یہ تیرے لیے بہتر ہے اس سے کہ تجھے سرخ اونٹ ملیں۔

تشریح: عرب میں سرخ اونٹوں کو بڑی نفیس اور قیمتی جائداد سمجھا جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مفہوم یہ ہے کہ فتح کے بعد مال غنیمت سے نہایت نفیس اور بیش قیمت اونٹ تیرے حصہ میں آئیں تو ظاہر بات ہے کہ اس سے تجھے خوشی ہوگی کہ تیری جائداد میں بہترین اونٹوں کا اضافہ ہو گیا ہے لیکن تیری کوشش سے اگر ایک آدمی راہ راست پر آجائے اور اللہ تعالیٰ اسے اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق دے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تیرے اس عمل کی ایسی بہترین جزا عنایت فرمائے گا کہ مال غنیمت سے ملنے والے نفیس اونٹوں کی مالیت کو اس سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے بلکہ اس اخروی انعام کے مقابلہ میں یہ بالکل حقیر اور بے وزن ہے۔

اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مؤمن کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ وہ

وہ بگڑے ہوئے لوگوں کی اصلاح کرے اور گم کردہ راہ لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرے اس کے نتیجہ میں جو لوگ مُسلم (اللہ کے فرمانبردار) بن جائیں گے اور اپنی گردنوں میں اللہ کی غلامی کا طوق ڈال لیں گے وہ آخرت میں اس کا بہترین سرمایہ ثابت ہوں گے۔

داعی الی اللہ

(۱۹۹) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَعَا اِلٰی ھُدًی کَانَ لَہٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَہٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْئًا وَمَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَۃٍ کَانَ عَلَیْہِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَہٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اٰثَامِھِمْ شَیْئًا۔

(مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب العلم ترمذی ابواب العلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (لوگوں کو) ہدایت کی طرف دعوت دے (اور وہ اس کی دعوت کو قبول کر کے صحیح راستہ پر چل پڑیں) تو اسے اس کے پیروکاروں کے ثواب کی مانند اجر ملے گا بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔ اور جو شخص (لوگوں کو) گمراہی کی طرف دعوت دے تو اسے اپنے پیروکاروں کے گناہوں کی مانند بوجھ برداشت کرنا پڑے گا بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کوئی کمی کی جائے۔

تشریح: ہدایت سے مراد ہے زندگی بسر کرنے کا وہ سیدھا راستہ جو اللہ کے پیارے رسولوں نے بتایا ہے یعنی "تم اپنی پوری زندگی میں اللہ کے بندے بن کر رہو اس کے قانون کے مطابق زندگی بسر کرو اس نے اپنے بندوں کے لیے جو ضابطۂ حیات نازل کیا ہے اس کی پیروی کرو۔ اور جو سیدھی راہ اس نے دکھائی ہے اس پر چل پڑو۔"

جو شخص یا گروہ اس دعوت کو لے کر اٹھتا ہے وہ اللہ کا نائب اور مقرب ہے

بے شک اللہ کی طرف دعوت دینے والے کا اللہ کے ہاں بہت بڑا مرتبہ ہے داعیِ حق کی کوششوں سے جو لوگ بھی راہِ حق پر چل پڑیں ظاہر ہے کہ وہ اجر اور ثواب کے مستحق ہیں لیکن داعی حق کو بھی ان کے برابر ثواب ہوگا۔ دعوت حق پر لبیک کہنے والوں کو جو انعام ملے گا اس سے ایک حصہ کاٹ کر داعی الی اللہ کو نہیں دیا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ مزید اپنی رحمت سے داعی الی اللہ کو علیحدہ انعام دے گا اور یہ معمولی انعام بھی نہ ہوگا۔ بلکہ اسے ان سب آدمیوں کے برابر انعام سے نوازا جائے گا جنہوں نے یہ دعوت قبول کر لی تھی۔ بالکل یہی حال کفر اور گمراہی کا ہے جو شخص کفر، گمراہی یا اللہ کی نافرمانی کی دعوت دے اور خلقِ خدا کو راہِ راست سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرے تو وہ اللہ کے ہاں معتوب اور مجرم ہے۔ اسے اپنی غلط کاری کی سزا تو ملے گی ہی لیکن اس کے علاوہ اسے ان سب غلط کاروں کی مجموعی سزا بھی بھگتنی پڑے گی جو اس اس کی پیروی کرنے والوں کو دی جائے گی کیونکہ اس کی تحریک اور کوشش سے ان لوگوں نے حق سے منہ موڑ کر باطل کا راستہ اختیار کیا تھا ہر غلط کار کو اپنے جرم کی پوری سزا ملے گی اس میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

باب ہشتم

جہاد فی سبیل اللہ

بہتر انسان کون ہے؟

(۲۰۰) قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اَيُّ النَّاسِ اَفْضَلُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُؤْمِنٌ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ۔ (بخاری عن ابی سعید کتاب الجہاد، مسلم کتاب الامارۃ)

کہا گیا (یعنی ایک اعرابی نے آکر سوال کیا) اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے افضل کون ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن، جو اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرتا ہے۔

تشریح: یعنی اللہ کی نگاہ میں سب سے زیادہ قابل احترام اور ذی مرتبہ وہ مؤمن ہے جو اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے بہت زور لگاتا ہے، سرتوڑ کوشش کرتا ہے اپنے مال و متاع کا بڑا حصہ اس مقصد کے لیے صرف کرتا ہے اپنی جسمانی قوتوں اور صلاحیتوں کو اس پر لگاتا ہے اگر دین حق کی سربلندی اس سے اس کی جان کا مطالبہ کرتی ہے تو وہ راہِ حق میں اپنا سر دے کر بھی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔

غلط کار حکمرانوں کے خلاف جہاد

(۲۰۱) اِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي اُمَّةٍ قَبْلِي اِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ اُمَّتِهِ حَوَارِيُّوْنَ وَاَصْحَابٌ يَاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهِ ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ وَيَفْعَلُوْنَ مَا لَا يُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ۔ (مسلم عن عبداللہ بن مسعود کتاب الایمان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے جس نبی کو بھیجا، اس کی امت میں سے اس کے مددگاروں اور ساتھیوں نے اس کے بتائے ہوئے طریقہ کو اپنایا اور اس کی حکم کی پیروی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ پھر ہوا یوں کہ ان کے بعد غلط کار جانشینوں نے ان کی جگہ لے لی۔ وہ اپنی کہی ہوئی باتوں پر عمل نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ ایسے کاموں میں منہمک ہو گئے جن کے کرنے کا حکم خدا اور رسول نے انہیں نہیں دیا تھا۔ جس نے ان کے خلاف اپنے ہاتھ سے جہاد کیا وہ مؤمن ہے اور جو زبان (اور قلم) سے ان کے خلاف جہاد کرے وہ بھی مؤمن ہے اور جو اپنے دل سے ان کے خلاف جہاد کرے وہ بھی مؤمن ہے اور جو شخص اپنے دل میں بھی ان سے نفرت نہ کرے سمجھ لیجئے کہ اس میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

تشریح: امتِ مسلمہ کے غلط حکمرانوں کی دو نشانیاں ہیں۔

(۱) وہ زبان سے اسلام کی حمایت اور اس کے نظام کی خوبیوں پر لچھے دار تقریریں کرتے ہیں لیکن ان کی انفرادی زندگی اور اجتماعی و سیاسی معاملات میں ان پر اسلام کا سایہ بھی نہیں پڑتا۔

(۲) وہ اپنے اقتدار کے دَور میں ایسے قوانین نافذ کرتے ہیں جن کی سند خدا اور رسول سے ثابت نہیں ہوتی وہ نفس کے بندے اور خواہش کے غلام ہوتے ہیں۔

ہر مؤمن کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ان بگڑے ہوئے اور غلط کار حکمرانوں کے خلاف جہاد کرے ان کے خلاف ہاتھ سے جہاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آئینی اور معقول ذرائع سے انقلابِ قیادت کی کوشش کی جائے۔ انہیں مسند اقتدار سے ہٹا کر حکومت کی باگ ڈور صالح اور خدا ترس افراد کے ہاتھ میں دی جائے۔

اگر یہ نہ ہو سکے تو پھر زبان اور قلم سے ان کی غلطیوں پر تنقید کی جائے یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ طنز اور تحقیر کے نیزوں سے نہیں بلکہ خیر خواہی اور اصلاح کی غرض سے ان کی کوتاہیوں پر گرفت کی جائے انہیں مفید مشورے دیئے جائیں اور نہایت دلسوزی کے

ساتھ قرآن اور سنت کی تعلیمات ان پر واضح کی جائیں اور ان کی خلافِ اسلام سرگرمیوں کا نوٹس لیا جائے۔

ایمان کا آخری اور کمزور پہلو یہ ہے کہ فاسق و فاجر حکمرانوں کے خلاف دل میں نفرت ہو اگر خدانخواستہ غیر اسلامی نظام اور گمراہ حکمرانوں کے خلاف دل میں کسی قسم کی خلش بھی نہ ہو تو وہ دل ایمان سے بالکل خالی ہے اور رائی کے برابر بھی اس میں ایمان کی مقدار نہیں ہے۔

سب سے بڑا جہاد

(۲۰۲) اِنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَدْ وَضَعَ رِجْلَہٗ فِی الْغَرْزِ اَیُّ الْجِھَادِ اَفْضَلُ؟ قَالَ کَلِمَۃُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ۔

(نسائی عن طارق بن شہاب کتاب البیعۃ)

ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ (اس حال میں کہ آپ اپنا پاؤں رکاب میں رکھ چکے تھے) ــــ کونسا جہاد افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا ظالم حکمران کے سامنے حق بات کہنا۔

تشریح: کیونکہ کوئی شخص اپنی جائداد اور جان کا خطرہ مول لیے بغیر ظالم حاکم کے سامنے حق بات کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

غازی یا شہید

(۲۰۳) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ تَکَفَّلَ اللّٰہُ لِمَنْ جَاھَدَ فِیْ سَبِیْلِہٖ ــــ لَا یُخْرِجُہٗ اِلَّا الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِہٖ وَتَصْدِیْقُ کَلِمَاتِہٖ ــــ بِاَنْ یُّدْخِلَہُ الْجَنَّۃَ اَوْ یَرْجِعَہٗ اِلٰی مَسْکَنِہِ الَّذِیْ خَرَجَ مِنْہُ مَعَ مَا نَالَ مِنْ اَجْرٍ اَوْ غَنِیْمَۃٍ۔

(بخاری عن ابی ہریرہ کتاب التوحید)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے —— اس کو گھر چھوڑنے پر کوئی چیز مجبور نہیں کرتی مگر اللہ کی راہ میں جہاد اور اس کی باتوں کی تصدیق —— اللہ نے اس کے لیے یہ ضمانت دی ہے کہ (اگر وہ شہید ہو گیا) اسے بہشت میں داخل کرے گا یا مال غنیمت اور ثواب کے ساتھ اسے گھر لوٹا دے گا۔

تشریح: "اس کی باتوں کی تصدیق" سے مراد ہیں اللہ تعالیٰ کے وہ وعدے اور بشارتیں جو اس نے قرآن مجید میں راہ حق میں شہید ہونے والوں سے کیے ہیں "اللہ کی راہ میں جہاد کرنے" کا مفہوم اگرچہ بہت وسیع ہے لیکن اس حدیث میں صرف اس جنگ کو کہا گیا ہے جو محض خدا کے دین کو غالب کرنے کے لیے یا کافر حکومت کے مکارانہ حملے کو روکنے کے لیے لڑی جا رہی ہو۔ مسلمان فوج کے سپاہی، کامیابی اور غلبہ کی صورت میں مال غنیمت کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑے اجر و ثواب کے مستحق ہوتے ہیں یا پھر شہید ہوتے ہی بہشت میں داخل کیے جاتے ہیں۔

آنحضرت اور شہادت کی تمنا

(۲۰۴) اِنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ .... وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُ اَنِّيْ اُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ۔ (بخاری کتاب الجہاد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں اور (اللہ کی راہ میں) پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر (اس کی راہ میں) شہید ہو جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر

(اس کی راہ میں) شہید ہو جاؤں۔

تشریح: آنجناب ﷺ نے اللہ کی راہ میں بار بار شہید ہونے کی تمنا کا اظہار فرمایا ہے اس لیے کہ جہاد اور شہادت اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

راہ حق میں جان دینے کا انعام

(۲۰۵) قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ اَرَاَيْتَ اِنْ قُتِلْتُ فَاَيْنَ اَنَا؟ قَالَ فِي الْجَنَّةِ فَاَلْقٰى تَمَرَاتٍ فِي يَدِهٖ ثُمَّ قَاتَلَ حَتّٰى قُتِلَ۔ (بخاری عن جابر بن عبداللہ کتاب المغازی مسلم کتاب الامارۃ)

غزوۂ احد (۳ھ) کے دن ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا (اے اللہ کے رسول) (صلی اللہ علیہ وسلم) بتائیے اگر میں قتل کیا گیا تو کہاں جاؤں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا بہشت میں اس کے ہاتھ میں کھجوریں تھیں وہ انہیں پھینک کر کفار مکہ سے لڑائی میں مشغول ہو گیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔

تشریح: اسلام کو غالب کرنے کے لیے جنگ کی نوبت بھی آ سکتی ہے اس راہ میں جان دینے والوں کو بہشت میں پہنچا دیا جاتا ہے بہشت تک جانے کا شہادت راہ حق قریب ترین راستہ ہے۔

(۲۰۵ الف) اِنْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ حَتّٰى سَبَقُوا الْمُشْرِكِيْنَ اِلٰى بَدْرٍ وَجَاءَ الْمُشْرِكُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَقَدَّمَنَّ اَحَدٌ مِنْكُمْ اِلٰى شَيْءٍ حَتّٰى اَكُوْنَ اَنَا دُوْنَهٗ فَدَنَا الْمُشْرِكُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا اِلٰى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ قَالَ يَقُوْلُ عُمَيْرُ بْنُ الْحُمَامِ الْاَنْصَارِيُّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، جَنَّةٌ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ قَالَ نَعَمْ قَالَ بَخٍ بَخٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَحْمِلُكَ عَلٰى قَوْلِكَ بَخٍ بَخٍ قَالَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا رَجَاءَةَ اَنْ اَكُوْنَ مِنْ اَهْلِهَا قَالَ فَاِنَّكَ مِنْ اَهْلِهَا قَالَ فَاَخْرَجَ تُمَيْرَاتٍ مِنْ قَرَنِهٖ فَجَعَلَ

يَأْكُلُ مِنْهُنَّ ثُمَّ قَالَ لَئِنْ أَنَا حَيِيتُ حَتَّى آكُلَ تَمَرَاتِي هٰذِهِ إِنَّهَا لَحَيٰوةٌ طَوِيلَةٌ قَالَ فَرَمَى بِمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ التَّمْرِ ثُمَّ قَاتَلَهُمْ حَتَّى قُتِلَ۔

(مسلم عن انس بن مالک کتاب الامارۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ (مدینہ سے) چلے یہاں تک کہ انہوں نے مشرکین مکہ سے پہلے بدر کے اہم مقام پر ڈیرے ڈال دیئے مشرکین آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے صحابہ سے) فرمایا تم میں سے کوئی شخص کسی چیز کی طرف پیش قدمی نہ کرے یہاں تک کہ میں اس کے آگے ہوں گا۔ مشرکین قریب ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی طرف لپکو جو زمین اور آسمانوں جیسی وسیع ہے۔ حضرت عُمیر بن حُمام انصاری نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم جنت، زمین اور آسمانوں جیسی وسیع ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں، اس نے کہا واہ واہ (کیسا بہترین انعام ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے کس چیز نے واہ واہ کہنے پر اکسایا ہے؟ (یعنی یہ بات تو نے سنجیدگی سے کہی ہے یا غیر ارادی طور پر یہ بات تیری زبان پر آگئی ہے؟) اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی قسم، میں نے یہ بات نہیں کہی مگر اس امید پر کہ میں اہل جنت میں سے ہو جاؤں آپ نے فرمایا تو یقیناً جنتی ہے، پھر اس نے اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکال کر کھانی شروع کیں پھر (کھانے کے دوران اپنے آپ سے) کہنے لگا، "اگر میں زندہ رہا تو کھجور کھاؤں گا (کیا میں اب مزید تاخیر کروں) یہاں تک کہ میں اپنی یہ کھجوریں کھالوں زندگی طویل (ہوتی جارہی) ہے" (میں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کر سکتا) باقی کھجوروں کو پھینک کر اس نے (میدان جنگ میں مشرکین سے) لڑائی شروع کر دی یہاں تک کہ وہ (لڑتے لڑتے) شہید ہو گیا۔

تشریح: "جنت کی طرف لپکو" یعنی تم بہت جلد اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ اس کا نقد انعام جنت ہے۔

انس رضی اللہ عنہ بن نضر کا شوق شہادت

(۲۰۶) قَالَ اَنَسٌ، عَمِّيْ ـــــ سُمِّيْتُ بِهٖ ـــــ لَمْ يَشْهَدْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدْرًا فَشَقَّ عَلَيْهِ قَالَ اَوَّلُ مَشْهَدٍ شَهِدَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غِبْتُ عَنْهُ وَاِنْ اَرَانِيَ اللّٰهُ مَشْهَدًا فِيْهَا بَعْدُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَرَانِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَا اَصْنَعُ قَالَ فَهَابَ اَنْ يَّقُوْلَ غَيْرَهَا فَشَهِدَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ فَقَالَ فَاسْتَقْبَلَ سَعْدَ بْنَ مَعَاذٍ فَقَالَ لَهٗ اَنَسٌ يَا اَبَا عَمْرٍو اَيْنَ؟ فَقَالَ وَاهًا لِرِيْحِ الْجَنَّةِ اَجِدُهٗ دُوْنَ اُحُدٍ قَالَ فَقَاتَلَهُمْ حَتّٰى قُتِلَ قَالَ فَوُجِدَ فِيْ جَسَدِهٖ بِضْعٌ وَّثَمَانُوْنَ مِنْ بَيْنِ ضَرْبَةٍ وَطَعْنَةٍ وَرَمْيَةٍ قَالَ فَقَالَتْ اُخْتُهٗ عَمَّتِي الرُّبَيِّعُ بِنْتُ النَّضْرِ فَمَا عَرَفْتُ اَخِيْ اِلَّا بِبَنَانِهٖ وَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا۝ قَالَ فَكَانُوْا يَرَوْنَ اَنَّهَا نَزَلَتْ فِيْهِ وَفِيْ اَصْحَابِهٖ۔

(مسلم کتاب الامارۃ ترمذی ابواب التفسیر بخاری کتاب الجہاد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (وہ اپنے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کے ہمنام تھے) کہ میرے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کو غزوہ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ جاسکنے کا بڑا صدمہ تھا، انہوں نے کہا (اسلام میں) یہ سب سے پہلا غزوہ ہے

جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود تشریف لے گئے اور میں (مدینہ سے باہر ہونے کی وجہ سے) اس میں شرکت نہیں کر سکا (مطلب یہ ہے کہ غزوۂ بدر سے میری غیر حاضری افسوسناک بھی ہے اور ناقابل برداشت بھی) اگر اللہ تعالیٰ نے پھر کبھی مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میدان جنگ دکھایا تو اللہ تعالیٰ میرے کارناموں کو دیکھ لے گا (کھلے دل سے لڑوں گا یہاں تک کہ اس کی راہ میں شہید ہو جاؤں گا) وہ اس سے زیادہ کوئی بات کہتے ہوئے ڈرتے تھے (ایک سال بعد) انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر قیادت غزوۂ احد میں حاضر ہونے کی توفیق ملی تو وہ حضرت سعد بن معاذ رضؓ کے سامنے آئے اور ان سے کہا ابو عمرو! (یہ سعد بن معاذ کی کنیت ہے) کہاں کا ارادہ ہے؟ (اس سوال کے جواب کا انتظار کیے بغیر) پھر خود ہی کہنے لگے کتنی اچھی ہے جنت کی خوشبو، میں تو اسے احد کے نیچے سونگھ رہا ہوں (یہ کہہ کر میدان جنگ میں کود پڑے) اور کفارِ مکہ سے لڑتے لڑتے راہ حق میں شہید ہو گئے۔ (اس واقعہ کے راوی انس بن مالک رضؓ کہتے ہیں کہ) اس جنگ میں ان کے جسم پر تلواروں، برچھیوں اور تیروں کے نوّے (۹۰) کے قریب زخم پائے گئے۔ ان کی بہن رُبیّع بنت نضر رضؓ کا بیان ہے میں نے اپنے مقتول بھائی کو صرف اس کی انگلیوں سے پہچانا ہے (کیونکہ مشرکین نے قتل کے بعد ان کا مُثلہ کیا تھا) بہت سے صحابہ رضؓ کی رائے میں قرآن کی یہ آیت حضرت انس بن نضر رضؓ اور ان کے رفقا کے بارے میں نازل ہوئی تھی جس میں فرمایا گیا ہے کہ

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا

(احزاب ۲۳)

ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے

کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے۔ ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا (اللہ کی راہ میں جان دے دی) اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے انہوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

تشریح: حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا خلوص اور تعلق باللہ قابل صد رشک ہے کہ دین حق کے غلبہ کے لیے جنگ کے میدان میں کفن بر دوش ہو کر نکلے کیونکہ بدر میں کفر اور اسلام کی پہلی فیصلہ کن جنگ میں شرکت سے محرومی کا صدمہ انہیں بے چین رکھتا تھا پھر انہیں یہ غم بھی تھا کہ میں ایک ایسے معرکہ میں شریک نہ ہو سکا جس کی قیادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی۔ چنانچہ انہوں نے اللہ سے عہد کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر سایہ اگر کبھی جہاد کرنے کا موقع ملا تو وہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنی ساری طاقت جھونک دیں گے اور اس میں کسی قسم کی غفلت، سستی اور کوتاہی نہ کریں گے یہ عہد کیا تھا؟ ان کے ایمان باللہ کا تقاضا اس عہد کی شکل میں نمودار ہوا تھا گویا یہ ان کی روح کی آواز تھی، انہوں نے حضرت سعدؓ سے کہا تھا کہ میں اُحد کے دامن میں جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں یہ بات انہوں نے استعارے کی زبان میں نہیں کی بلکہ فی الواقع جنت کی خوشبو ان کے حواس سے ٹکرائی اور اس میں اچنبھے کا کوئی پہلو نہیں۔ ایمان کی روحانی طاقت باطل کے پہاڑوں کو خاطر میں نہیں لاتی موت سے ڈرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بندگانِ خدا کی رگوں میں اللہ کی محبت خون کی طرح گردش کرتی ہے اس راہ میں سب کچھ لٹا دینے کے باوجود یہ حسرت رہتی ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ حضرت انس رضؓ نے باطل کے سرغنوں کا سر کچلا بہتوں کو جہنم رسید کیا اور آخر میں جنت کے شوق میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ کفر کے علمبرداروں نے تلواروں سے تابڑ توڑ حملے کیے۔ تیر چلائے اور نیزے برسائے۔ سارا جسم زخموں سے چور ہو گیا ان کی لاش پہچانی نہیں جاتی تھی جسم کا کوئی حصہ اپنی اصلی شکل میں نظر نہیں آرہا تھا۔

پیاری بہن نے صرف انگلیوں کو پہچان کر کہا یہ ہے میرا عزیز بھائی جس نے

عشقِ حق کی وادی کو بڑی جرأت کے ساتھ طے کیا۔

بہشت تلواروں کے سایہ میں

(۲۰۷) اِنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّۃَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ۔ (بخاری عن عبداللہ بن ابی اوفی کتاب الجہاد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یقین کرو کہ بہشت تلواروں کے سایہ میں ہے۔

تشریح: کفر اور اسلام کی جنگ میں حصہ لینے والا ہر مجاہد، جنت کا مستحق ہے وہ غازی بن کر لوٹے یا راہِ حق میں شہید ہو۔ خلوص کے ساتھ دین کے لیے جان کی بازی لگا دینا جنتی ہونے کی دلیل ہے۔

راہ حق کا غبار

(۲۰۸) عَنْ اَبِیْ عَبْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاہُ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ حَرَّمَہُ اللہُ عَلَی النَّارِ۔ (بخاری کتاب الجمعۃ)

ابو عبس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے جس کے قدم "اللہ کی راہ" میں غبار آلود ہوں، اللہ نے اس پر جہنم کی آگ حرام کی ہے۔

تشریح: "اللہ کی راہ" کا اطلاق ہر اس کام پر ہوتا ہے جو صرف اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے۔ مثلاً علم دین حاصل کرنے، نماز جنازہ میں شریک ہونے۔ بیمار کی عیادت کرنے، مسجد میں نماز با جماعت کے لیے جانے، حج کرنے اور اس طرح کے دوسرے فرائض کو ادا کرنے کے لیے سفر کرنا لیکن بالعموم یہ اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے جد و جہد کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

"قدموں کے غبار آلود ہونے" کے معنی یہ ہیں کہ اس کے جسم پر گرد و غبار کی دھول آئے یا اسے جسمانی تکلیفوں سے دوچار ہونا پڑے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ شخص دوزخ میں نہیں جائے گا جو اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے سر توڑ کوشش کرے اور اس راہ کی تکلیفوں اور آزمائشوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے۔

راہ حق میں زخمی ہونا

(۲۰۹) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُكْلَمُ اَحَدٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ــــ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَنْ يُّكْلَمُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ــــ اِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ وَالرِّيْحُ رِيْحُ الْمِسْكِ۔ (بخاری عن ابی ہریرہ کتاب الجہاد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو شخص اللہ کی راہ میں زخمی ہوتا ہے (اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوا ہے؟) قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ (اس کے زخموں سے) خون بہہ رہا ہوگا۔ اور (اس کے جسم سے) مشک کی خوشبو آ رہی ہوگی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں مجروح ہونے والوں کو قیامت کے دن اس حال میں اٹھائے گا کہ ان کے زخموں سے خون رستا ہوگا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ دنیا میں راہِ حق کے سپاہیوں نے شہادتِ حق کے جرم میں کس قدر اذیت برداشت کی تھی۔ اس پر انہیں کیا انعام ملے گا؟ یہ حدیث خاموش ہے البتہ یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے جسم سے پیپ اور غلیظ خون کی سڑاند نہیں بلکہ مشک کی سی خوشبو پھوٹ رہی ہوگی۔

کسی شخص کا یہ کہہ دینا کہ میں اللہ کی راہ میں زخمی ہوا ہوں اس سے یہ ثابت

نہیں ہوتا کہ وہ فی الواقع اللہ کی راہ میں زخمی ہوا ہے اس کا فیصلہ وہ غیب دان خدا کرے گا جو دل و دماغ کے مخفی گوشوں سے پوری طرح آگاہ ہے "جہاد" اگر خالص اللہ کے لیے ہو تو قابل ستائش ہے لیکن اگر اس سے مقصود تقوٰی کی نمائش، حصول شہرت یا دنیا کمانا ہو تو پھر خدا کے ہاں اس "جہاد" کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے اور اس کے دین کو زمین پر قائم کرنے کے لیے سعی و جہد کا محرک اللہ کی رضا کا حصول ہو۔ اور دین کی اقامت، اللہ کی رضا کے لیے نہیں بلکہ مادی مفادات کے لیے بہت بڑے خسارہ کا موجب ہے قیامت کے دن ایسے دین فروش اور ریاکار بہروپیوں کو جہنم کی وادیوں میں بھٹکتے پھرنا ہوگا۔ انعام کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

شوقِ شہادت

(۲۱۰) اُصِيبَ حَارِثَةُ يَوْمَ بَدْرٍ وَهُوَ غُلَامٌ فَجَاءَتْ أُمُّهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَدْ عَرَفْتَ مَنْزِلَةَ حَارِثَةَ مِنِّي فَإِنْ يَكُ فِي الْجَنَّةِ أَصْبِرْ وَأَحْتَسِبْ وَإِنْ تَكُنِ الْأُخْرَى تَرَى مَا أَصْنَعُ فَقَالَ وَيْحَكِ أَوَهَبِلْتِ أَوَجَنَّةٌ وَاحِدَةٌ هِيَ إِنَّهَا جِنَانٌ كَثِيرَةٌ وَإِنَّهُ لَفِي جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ۔ (بخاری عن انس کتاب الجهاد۔ کتاب المغازی)

غزوۂ بدر میں حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ (جو کہ بالکل نوجوان لڑکے تھے) شہید ہو گئے تو ان کی والدہ ـــــ مشہور خادم رسول حضرت انس بن مالک رض کی پھوپھی تھیں ـــــ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میرے دل میں حارثہ کی کیا قدر و منزلت ہے؟ اگر وہ جنت میں ہو تو صبر کروں اور اللہ سے اجر کی توقع رکھوں ورنہ آپ دیکھ لیں گے

جو کچھ مجھے کرنا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افسوس ہے تیری عقل ماری گئی ہے کیا ایک جنت ہے جنتیں بہت ہیں اور حارثہ تو جنتِ فردوس میں ہے۔

تشریح: حضرت حارثہ بن سُراقہ رضی اللہ عنہ، نوجوان لڑکے تھے اور اپنی ماں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ان سے پوچھا حارثہ! کیسے ہو؟ عرض کیا حضور! میں فی الواقع مؤمن ہو گیا ہوں۔ آپؐ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے شہید ہونے کی توفیق دے۔ پھر وہ انصاری نوجوان، غزوۂ بدر میں آیا۔ پانی پینے کے لیے حوض پر گیا تو حبّان بن عَرِقہ نے اچانک، ایک تیر اس کی طرف پھینکا جو اس کی گردن میں لگا اور جان لیوا ثابت ہوا اور وہ شہید ہو گیا۔

غزوۂ بدر سے فارغ ہو کر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ لوٹے تو حضرت حارثہؓ کی والدہ حضرت رُبیّع بنت نضر رضی اللہ عنہا نے آکر عرض کیا حضور! حارثہؓ کی بات بتائیے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بتایا کہ وہ جنّتِ فردوس میں ہے تو وہ ہنسی اور یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے گھر کا رخ کیا کہ شاباش، حارثہ! اس انصاری لڑکے نے اللہ کی راہ میں شہید ہونے کی تمنا کی تھی۔ بدر کے میدان میں اس کے شوقِ شہادت کی تکمیل ہو گئی۔ ان کی والدہ محترمہ ام حارثہ رضؓ کا حوصلہ اور عزم بھی مثالی تھا۔ اس کے شہید ہونے پر نہ تو ان کے دل پر دورہ پڑا اور نہ انہوں نے نوحہ کر کے آسمان کو سر پر اٹھا لیا حضورؐ سے جب اس کے جنتی ہونے کی بشارت سنی تو خوشی اور مسرت سے ہنستی ہوئی گھر لوٹ گئی حضرت رُبیّع بنت نضرؓ جیسی خواتین کے بچے ہی اللہ کی راہ میں شہید ہونے کی تمنا کر سکتے ہیں۔

شہید کی تمنا

(۱۱۱) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَحَدٌ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ اَنْ يَّرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا وَلَهٗ مَا عَلَى الْاَرْضِ مِنْ شَيْءٍ

اِلَّا الشَّهِيْدُ يَتَمَنّٰى اَنْ يَّرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا يَرٰى مِنَ الْكَرَامَةِ۔ (بخاری عن انس، کتاب الجہاد و مسلم کتاب الامارۃ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص جنت میں جانے کے بعد اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ وہ دنیا میں لوٹ جائے چاہے اسے روئے زمین کی سب نعمتوں کا مالک بنا دیا جائے سوائے شہید کے وہ اپنی عزت افزائی کو دیکھ کر یہ تمنا کرتا ہے کہ وہ دنیا میں لوٹ جائے اور اللہ کی راہ میں دس بار قتل کیا جائے۔

تشریح: جو شخص اللہ کی راہ میں جان دے کر حق کی گواہی دیتا ہے وہ "شہید" ہے فرشتے اس کی پاکیزہ روح کو فوراً بہشت میں پہنچا دیتے ہیں شہادت کے صلہ اور اپنے اعزاز و اکرام کو دیکھ کر وہ دنیا میں لوٹ جانے کی تمنا کرتا ہے تاکہ وہ بار بار اللہ کی راہ میں سر کٹا کر مزید انعامات کا مستحق ہو سکے۔ لیکن کوئی دوسرا شخص بہشت میں جانے اور اس کی نعمتوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد دنیا میں لوٹنے کا نام ہی نہیں لیتا بلکہ اگر اس سے کہا جائے کہ تُو دنیا میں لوٹ جا روئے زمین کی ساری دولت اور نعمتوں کا تجھے مالک بنایا جاتا ہے تو وہ اس پیشکش کو قبول نہیں کرتا۔

شہداء سبز گنبد میں

(۲۱۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلشُّهَدَاءُ عَلٰى بَارِقٍ نَهْرٍ بِبَابِ الْجَنَّةِ فِيْ قُبَّةٍ خَضْرَاءَ يَخْرُجُ عَلَيْهِمْ رِزْقُهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلاً۔ (مسند احمد نمبر ۲۳۹۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہشت کے دروازے پر "بارق" نامی ایک نہر ہے (راہ حق کے) شہیدوں (کی ارواح) کو اس کے کنارے پر ایک نہایت سبز رنگ کے گنبد میں ٹھہرایا جاتا ہے صبح و شام جنت سے انہیں رزق پہنچتا رہتا ہے۔

تشریح: شہداء قیامت تک اللہ کے ہاں معزز مہمانوں کی طرح رہتے ہیں۔

عالم برزخ میں شہداء کو رزق دیا جاتا ہے

(۲۱۳) عَنْ مَسْرُوْقٍ، قَالَ سَأَلْنَا عَبْدَ اللّٰہِ عَنْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ ٥ قَالَ اَمَا اِنَّا قَدْ سَأَلْنَا عَنْ ذٰلِکَ فَقَالَ: اَرْوَاحُھُمْ فِیْ جَوْفِ طَیْرٍ خُضْرٍ لَھَا قَنَادِیْلُ مُعَلَّقَۃٌ بِالْعَرْشِ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّۃِ حَیْثُ شَاءَتْ ثُمَّ تَأْوِیْ اِلٰی تِلْکَ الْقَنَادِیْلِ فَاطَّلَعَ اِلَیْھِمْ رَبُّھُمْ اِطِّلَاعَۃً فَقَالَ ھَلْ تَشْتَھُوْنَ شَیْئًا؟ قَالُوْا اَیَّ شَیْءٍ نَشْتَھِیْ وَنَحْنُ نَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّۃِ حَیْثُ شِئْنَا فَفَعَلَ ذٰلِکَ بِھِمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَلَمَّا رَأَوْا اَنَّھُمْ لَنْ یُّتْرَکُوْا مِنْ اَنْ یُّسْأَلُوْا قَالُوْا یَا رَبِّ اَنْ تَرُدَّ اَرْوَاحَنَا فِیْ اَجْسَادِنَا حَتّٰی نُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِکَ مَرَّۃً اُخْرٰی فَلَمَّا رَاٰی اَنْ لَّیْسَ لَھُمْ حَاجَۃٌ تُرِکُوْا۔

(مسلم کتاب الامارۃ)

مسروق کہتے ہیں ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے (مفہوم کے) متعلق سوال کیا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ ٥ (آل عمران ۱۶۹)

(جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں تم انہیں مردہ نہ سمجھو۔ وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں) اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔

انہوں نے کہا ہم نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) اس آیت کا مفہوم پوچھا تو آپؐ نے فرمایا ان کی روحیں سبز پرندوں میں ہوتی ہیں

ان کے لیے عرش سے لٹکے ہوئے چراغ ہیں۔ جنت میں جہاں چاہتے ہیں، چرتے چگتے ہیں پھر وہ ان چراغوں میں لوٹ آتے ہیں پھر ان کے رب نے (اپنی تجلّی سے) ان پر جھانکا اور فرمایا کیا تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہم کس چیز کی خواہش کریں؟ بہشت میں جہاں ہمارا جی چاہے چرتے چگتے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے ان پر جھانک کر تین بار یہ بات دُہرائی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان سے سوال کرنے کا سلسلہ ترک نہیں ہوا (اور بار بار ان سے یہ بات فرمائی جا رہی ہے) تو انہوں نے عرض کیا اے رب! ہم چاہتے ہیں کہ اب ہماری روحیں، ہمارے جسموں میں لوٹا دیں تاکہ ہم دوبارہ تیری راہ میں قتل کیے جائیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ انہیں کوئی حاجت نہیں ہے تو پھر ان سے (یہ) سوال ترک کر دیا گیا (کہ تمہیں کس چیز کی خواہش ہے؟)

تشریح: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ پوچھا تھا کہ اس آیت میں، اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے کو زندہ قرار دیا گیا ہے حالانکہ دنیا میں، جسم سے اس کے روح کے جدا ہو جانے سے موت واقع ہو جاتی ہے تو پھر اُن کے زندہ ہونے اور رزق پانے کا مطلب کیا ہے؟ یہ سوال سن کر آپ نے فرمایا کہ شہداء عالم برزخ میں بایں معنی زندہ ہیں کہ ان کی ارواح کو سبز رنگ کے پرندوں کا پیکر عطا کیا جاتا ہے وہ عرش سے لٹکے ہوئے فانوسوں میں رہتے ہیں گویا کہ یہ فانوس، ان کے گھونسلے ہیں جنت میں ان کے جانے پر کوئی پابندی نہیں وہ اپنی پسند اور خواہش کے مطابق جنت سے رزق پاتے ہیں اور اس کی لذیذ نعمتوں اور خوبصورت نظاروں سے لطف اندوز ہوتے ہیں، کھانے پینے سے فارغ ہو کر وہ اپنے فانوسوں میں لوٹ آتے ہیں۔ انہیں اللہ رب العالمین کا قرب حاصل ہوتا ہے اور اس کے لطف و کرم سے

ان کے درجات میں ترقی ہوتی رہتی ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہیگا۔ جب قیامت برپا ہو گی تو ہر روح اپنے اس جسم میں لوٹ آئے گی جو دنیا میں اس کا مسکن تھا۔

شہداءِ احد کا پیغام

(۲۱۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أُصِيْبَ إِخْوَانُكُمْ بِأُحُدٍ جَعَلَ اللّٰهُ أَرْوَاحَهُمْ فِيْ جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ تَرِدُ أَنْهَارَ الْجَنَّةِ تَأْكُلُ مِنْ ثِمَارِهَا وَتَأْوِيْ إِلٰى قَنَادِيْلَ مِنْ ذَهَبٍ مُعَلَّقَةٍ فِيْ ظِلِّ الْعَرْشِ فَلَمَّا وَجَدُوْا طِيْبَ مَأْكَلِهِمْ وَمَشْرَبِهِمْ وَمَقِيْلِهِمْ قَالُوْا مَنْ يُبَلِّغُ إِخْوَانَنَا عَنَّا أَنَّا أَحْيَاءٌ فِي الْجَنَّةِ نُرْزَقُ لِئَلَّا يَزْهَدُوْا فِي الْجِهَادِ وَلَا يَنْكُلُوْا عِنْدَ الْحَرْبِ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى أَنَا أُبَلِّغُهُمْ عَنْكُمْ قَالَ وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ إِلٰى آخِرِ الْآيَات

(ابوداؤد عن ابن عباس کتاب الجہاد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ غزوۂ احد (۳ھ) میں جب تمہارے بھائیوں کو شہید کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحیں سبز پرندوں میں ڈال دیں۔ وہ جنت کے پھل فروٹ کھانے (اور اس کے مشروبات مثلاً دودھ، شہد اور پانی پینے) کے لیے بہشت کی نہروں پر آتے رہتے ہیں۔ اور عرش کے سایہ میں لٹکے ہوئے سونے کے چراغوں میں لوٹ آتے ہیں۔ جب وہ شہداء اچھے کھانوں، عمدہ مشروبات اور بہترین آرامگاہ سے لطف اندوز ہوئے تو انہوں نے کہا، ہمارے بھائیوں کو ہماری طرف سے یہ پیغام کون پہنچائے کہ ہم زندہ ہیں، جنت

میں کھا پی رہے ہیں۔ تاکہ وہ جہاد سے منہ نہ موڑیں اور جنگ میں بزدلی نہ دکھائیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہارا یہ پیغام ان تک پہنچا دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

(آل عمران ۱۶۹ تا ۱۷۱)

(جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں، جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اُس پر خوش و خرّم ہیں، اور مطمئن ہیں کہ جو اہل ایمان ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی وہاں نہیں پہنچے ہیں ان کے لیے بھی کسی خوف اور رنج کا موقعہ نہیں ہے۔ وہ اللہ کے انعام اور اس کے فضل پر شاداں و فرحاں ہیں اور ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔)

تشریح: حق اور باطل کی لڑائی میں بزدلی کا مظاہرہ کرنا بڑا سنگین جرم ہے اس لیے شہداء اُحد نے اپنے پیغام میں یہ کہا کہ ہم حقیقت میں زندہ ہیں اور جنت میں کھا پی رہے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم موت کے ڈر سے جہاد سے منہ موڑ لو۔ اور جنگ میں بزدل بن کر دین حق کو نقصان پہنچاؤ۔

جہاد فی سبیل اللہ کے سامان کی قدر و قیمت

(۲۱۵) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَبَسَ فَرَسًا فِيْ

سَبِیْلِ اللّٰہِ اِیْمَانًا بِاللّٰہِ وَتَصْدِیْقًا بِوَعْدِہٖ فَاِنَّ شِبَعَہٗ وَرِیَّہٗ وَرَوْثَہٗ وَبَوْلَہٗ فِیْ مِیْزَانِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

(بخاری عن ابی ہریرہ کتاب الجہاد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ پر ایمان اور اس کے وعدہ کو سچا ثابت کرنے کے لیے جس نے راہِ خدا میں گھوڑا باندھا (صرف اس مقصد کے لیے اسے تیار رکھا اور اس کی خدمت کی) قیامت کے دن اس گھوڑے کی خوراک، پانی، لید اور پیشاب کو اس کی ترازو میں ڈالا جائے گا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

وَاَعِدُّوْا لَہُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْہِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِہِمْ لَا تَعْلَمُوْنَہُمْ اَللّٰہُ یَعْلَمُہُمْ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ٥ (انفال آیت ۶۰)

"اور تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلہ کے لیے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کر دو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا۔"

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہلِ ایمان کو حکم دیا ہے کہ تم جنگی اسلحہ اور سامان کی فراہمی اور تیاری کا کام جاری رکھو اور اس سلسلہ میں کھلے دل سے مال بھی خرچ کرو، اس حکم پر عمل کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ قیامت کے دن وہ انہیں اس کا پورا پورا اجر دے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے خالص اس کی رضا کے لیے گھوڑا باندھتا ہے، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے اسے تیار رکھتا ہے اور ساتھ ہی وہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر بھی یقین رکھتا ہے جو اس نے اس حکم پر عمل کرنے والوں سے کر رکھا ہے تو قیامت کے دن اسے اس عمل پر بہت بڑا اجر ملے گا۔" گھوڑے کی لید اور پیشاب کو میزان عمل میں رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ اسے ان سب چیزوں کا ثواب ملے گا جن کا تعلق گھوڑے سے ہے نہ یہ کہ بعینہ ان چیزوں کا وزن کیا جائے گا۔

اللہ کی راہ میں کام آنے والی سواریوں کی دیکھ بھال اور ان پر اٹھنے والے اخراجات پر بھی اللہ تعالیٰ سے ثواب اور اجر کی توقع ہے۔

عہدِ حاضر کی جیپ گاڑیاں، موٹر کاریں، سکوٹر، ٹرک اور اس نوع کا دوسرا جنگی سامان بھی اجر و ثواب کا باعث ہے بشرطیکہ اس سے مقصود اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہو اور صرف اللہ کے لیے ہو۔

مجاہدین سے تعاون

(۲۱۶) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَھَّزَ غَازِیًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَہٗ فِیْ اَھْلِہٖ بِخَیْرٍ فَقَدْ غَزَا۔

(مسلم عن زید بن خالد الجہنی کتاب الامارۃ ۔ بخاری کتاب الجہاد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کو سامانِ سفر مہیا کر دیا اس نے جہاد کیا۔ جو شخص اس کے بال بچوں میں اس کا جانشین ہوا اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا وہ مجاہد ہے۔

تشریح: وہ شخص بھی (عملاً جہاد میں حصہ نہ لینے کے باوجود) اللہ کی نگاہ میں مجاہد ہے جو مجاہد کا سامانِ سفر ــــ مثلاً اسلحہ، پارچات، اجناس اور نقدی ــــ مہیا کرتا ہے یا اس کے بال بچوں میں اس کا جانشین ہو کر ان کی سرپرستی کرتا ہے اور نیک نیتی کے

ساتھ ان کی کفالت کرنا ہے اور ان کی عزت و ناموس کی حفاظت کرنا ہے۔

لیکن جو شخص بُری نیت سے کسی مجاہد کا جانشین بنتا ہے قیامت کے دن اس کی زندگی بھر کی نیکیوں کا اجر اس مجاہد کو منتقل کر دیا جائے گا جس کی عزت و ناموس پر اس نے حملہ کیا تھا۔

غلبۂ دین کے لیے بے لوث تعاون

(۲۱۷) عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ نَادٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ غَزْوَۃِ تَبُوْكَ فَخَرَجْتُ اِلٰی اَھْلِیْ فَاَقْبَلْتُ وَقَدْ خَرَجَ اَوَّلُ صَحَابَةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَطَفِقْتُ فِی الْمَدِیْنَةِ اُنَادِیْ اَلَا مَنْ یَّحْمِلُ رَجُلًا لَہٗ سَهْمُهٗ فَنَادٰی شَیْخٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ لَنَا سَهْمُهٗ عَلٰی اَنْ نَّحْمِلَهٗ عُقْبَةً وَطَعَامُهٗ مَعَنَا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَسِرْ عَلٰی بَرَكَةِ اللّٰہِ قَالَ فَخَرَجْتُ مَعَ خَیْرِ صَاحِبٍ حَتّٰی اَفَاءَ اللّٰہُ عَلَیْنَا فَاَصَابَنِیْ قَلَائِصُ فَسُقْتُهُنَّ حَتّٰی اَتَیْتُهٗ فَخَرَجَ فَقَعَدَ عَلٰی حَقِیْبَةٍ مِّنْ حَقَائِبِ اِبِلِهٖ ثُمَّ قَالَ سُقْهُنَّ مُدْبِرَاتٍ ثُمَّ قَالَ سُقْهُنَّ مُقْبِلَاتٍ فَقَالَ مَا اَرٰی قَلَائِصَكَ اِلَّا كِرَامًا قَالَ اِنَّمَا هِیَ غَنِیْمَتُكَ الَّتِیْ شَرَطْتُ قَالَ خُذْ قَلَائِصَكَ یَا ابْنَ اَخِیْ فَغَیْرَ سَهْمِكَ اَرَدْنَا۔ (ابوداؤد کتاب الجہاد)

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک (۹ھ) کے سلسلہ میں اعلان فرمایا تو میں اپنے بال بچوں کے ہاں چلا گیا پھر میں آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا پہلا جتھہ تبوک روانہ ہو چکا تھا میں نے مدینہ میں یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ جو صاحب میرے لیے سواری کا بندوبست کریں گے میں مال غنیمت میں سے اپنا حصہ اسے دوں گا

ایک بوڑھے انصاری نے جواب دیا ہم آپ کا غنیمت کا حصہ اس شرط پر لیں گے کہ باری باری سوار ہونا پڑے گا اور آپ کھانا بھی ہمارے ساتھ کھائیں گے میں نے کہا ہاں (میں اس شرط کو قبول کرتا ہوں) وہ بولے بس اب چلیئے اللہ برکت دے گا۔ میں ایک بہترین رفیق کے ساتھ (مدینہ سے تبوک) روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ اللہ نے ہمیں غنیمت سے نوازا۔ چند جوان اونٹنیاں میرے حصہ میں آئیں میں انہیں ہانک کر مدینہ لے آیا۔ آتے ہی بوڑھے انصاری کے ہاں پہنچا وہ گھر سے باہر آئے آپنے اونٹ کی خورجی پر بیٹھے اور پھر فرمایا۔ ذرا ان اونٹنیوں کو اس طرح ہانکو کہ میں ان کا اگلا اور پچھلا حصہ دیکھ سکوں (میں نے ان کے حکم پر عمل کیا)

پھر انہوں نے فرمایا آپ کی یہ اونٹنیاں نہایت عمدہ اور بہت اچھی ہیں میں نے کہا یہ غنیمت کا وہ حصہ ہے جس کا میں نے آپ سے عہد کیا تھا (براہِ عنایت اسے قبول فرمایئے) انہوں نے فرمایا

میرے بھتیجے اپنی اونٹنیاں لے جا، ہمیں تو آپ کے اجر اور ثواب کے حصہ میں شریک ہونے کا شوق تھا۔

عہد نبوی کے غازی

(۲۱۸) قَالَ الزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ مَا مِنِّيْ عُضْوٌ اِلَّا وَقَدْ جُرِحَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى انْتَهٰى ذٰلِكَ اِلٰى فَرْجِهٖ۔ (ترمذی ابواب المناقب)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (میں نے جہاد میں اس قدر حصہ لیا کہ) میرے جسم کا کوئی عضو ایسا نہیں ہے جو زخمی نہ ہوا ہو۔ یہاں تک کہ میری شرمگاہ بھی زخمی ہونے سے نہ بچ سکی۔

(۲۱۹) عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ مَا سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وَسَلَّمَ جَمَعَ اَبَوَیْہِ لِاَحَدٍ اِلَّا لِسَعْدِ بْنِ مَالِكٍ فَاِنِّیْ سَمِعْتُہُ یَقُوْلُ یَوْمَ اُحُدٍ یَا سَعْدُ اِرْمِ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ

(بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ احد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سُنا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور پر آپ نے اپنے ماں باپ کو قربان کیا ہو۔

میں نے اُحد کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ سعد! تیر پھینکو میرے ماں باپ تجھ پر نثار ہوں۔

تشریح: غزوۂ احد میں حضرت سعد رضؓ بڑے جوش اور قوت سے تیر پھینک پھینک کر طاغوت کے سرغنوں کو گرا رہے تھے ایک روایت کی رو سے انہوں نے اس دن ایک ہزار تیر پھینکے تھے۔

جہاد کا مقصد

(۲۲۰) سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ یُقَاتِلُ شُجَاعَۃً وَیُقَاتِلُ حَمِیَّۃً وَیُقَاتِلُ رِیَاءً اَیُّ ذٰلِكَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَاتَلَ لِتَکُوْنَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔

(مسلم عن ابی موسٰی کتاب الامارۃ ترمذی ابواب الجہاد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا ایک آدمی اپنی بہادری کے جوہر دکھانے کے لیئے لڑتا ہے اور ایک آدمی غیرت اور اپنی قوم کے دفاع میں تلوار اٹھاتا ہے اور کوئی صاحب نمود و نمائش کی خاطر لڑتے ہیں اور بعض لوگوں کو مال غنیمت کی کشش میدانِ جنگ میں لا کھڑا کرتی

ہے) ان میں سے خدا کی راہ میں لڑنے والا کون ہے ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے کلمہ (دین) کو بلند کرنے کے لیے لڑے بس صرف وہی خدا کی راہ کا مجاہد ہے۔

تشریح: جنگ، کش مکش اور انتخابی معرکہ کا محرک اگر صرف یہ ہو کہ اللہ کا کلمہ بلند کرنا ہے اس کے دبے ہوئے نظام حق کو نافذ کرنا ہے تو پھر یہ فی الواقع جہاد فی سبیل اللہ ہے لیکن اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کی بجائے اپنی ذاتی، گروہی اور مادی اغراض کی جنگ میں حصہ لینا جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہے اور جو شخص ان اغراض کے لیے کسی لڑائی میں حصہ لیتا ہے وہ فساد میں اضافہ کرتا ہے۔

مالی مفاد کے لیے جہاد

(۲۲۰ الف) اِنَّ رَجُلًا قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ، رَجُلٌ یُرِیْدُ الْجِهَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَهُوَ یَبْتَغِیْ عَرَضًا مِنْ عَرَضِ الدُّنْیَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا اَجْرَ لَهٗ فَاَعْظَمَ ذٰلِكَ النَّاسُ وَقَالُوْا لِلرَّجُلِ عُدْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَعَلَّكَ لَمْ تُفْهِمْهُ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، رَجُلٌ یُرِیْدُ الْجِهَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَهُوَ یَبْتَغِیْ عَرَضًا مِنْ عَرَضِ الدُّنْیَا قَالَ لَا اَجْرَ لَهٗ فَقَالُوْا لِلرَّجُلِ عُدْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ لَهٗ لَا اَجْرَ لَهٗ۔ (ابوداؤد عن ابی ہریرۃ کتاب الجہاد)

ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی دنیوی مفاد کے حصول کے لیے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہے (اس کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے؟) آپ نے فرمایا، اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔ لوگوں نے اس بات کو بڑی اہمیت دی اور اس آدمی سے کہا تو حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوسری بار یہ سوال کر شاید تو اپنی بات حضور پر واضح نہیں کر سکا۔ اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک شخص دنیوی مفاد کے حصول کے لیے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہے (اس کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے لوگوں نے اس سے کہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پھر یہ سوال عرض کر، اس نے تیسری بار حضور سے یہ سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔

تشریح: جو شخص مالی مفاد حاصل کرنے کے لیے اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے وہ آخرت میں اس کے اجر سے محروم ہو گا۔

بے وقوف مجاہد

(۲۲۰) جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَرَأَیْتَ رَجُلًا غَزَا یَلْتَمِسُ الْاَجْرَ وَالذِّکْرَ مَالَہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا شَیْءَ لَہٗ فَاَعَادَھَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ یَقُوْلُ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا شَیْءَ لَہٗ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا مَا کَانَ لَہٗ خَالِصًا وَابْتُغِیَ بِہٖ وَجْھُہٗ۔ (نسائی عن ابی امامہ کتاب الجہاد)

ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے کہا حضور! اس آدمی کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے جو "ثواب اور شہرت" (دونوں) کے حصول کے لیے جہاد کرتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے اس شخص نے تین بار یہ سوال دہرایا تو ہر بار حضورؐ نے فرمایا کہ اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے پھر آپؐ نے فرمایا اللہ صرف وہ عمل قبول کرتا ہے جو خالص اس کے لیے ہو اور اس کی رضا حاصل

کرنے کے لیے ہو۔

تشریح: جو شخص جہاد کرنے کا صلہ اور انعام اللہ سے چاہتا ہے اور اس کی مخلوق سے بھی، وہ دراصل شرک کا ارتکاب کرتا ہے، وہ جہاد کر کے اللہ سے اجر کی امید رکھتا ہے اور لوگوں سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ اس کے مجاہدانہ کارنامے کا اعتراف اور احترام کریں گے اور دور دور تک اس کی نیک نامی کے چرچے ہوں گے اس طرح کے بے وقوف مجاہد کو چاہے دنیا میں تھوڑی بہت شہرت حاصل ہو جائے لیکن اللہ کے ہاں تو اس کا کوئی وزن نہیں ہے، اجر تو رہا ایک طرف اسے تو شوقِ خود نمائی پر سنگین سزا ملے گی۔

اللہ کی راہ میں پہرہ دینے کا مرتبہ

(۲۲۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَيْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (ترمذی ابواب الجہاد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے دو آدمیوں کو آگ نہیں چھوئے گی۔

(۱) وہ آدمی جو اللہ کے ڈر سے روتا ہے اور

(۲) وہ آدمی جو اللہ کی راہ میں پہرہ دینے کی وجہ سے بیدار رہتا ہے (یعنی رات بھر نہیں سوتا)

تشریح: وہ لوگ دوزخ میں نہیں جائیں گے جو خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت کرنے کے باوجود اس کی عظمت اور جلال کے ڈر سے روتے رہتے ہیں۔

- جنگ کے دوران دشمن کے اچانک حملوں پر کڑی نگاہ رکھنے اور دین کے مرکزی اداروں اور اس کے سرپرستوں کی حفاظت کرنے کے لیے پہرہ دیتے ہیں۔

ترکِ جہاد کا انجام

(۲۲۲) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَئِنْ تَرَکْتُمُ الْجِھَادَ وَ اَخَذْتُمْ بِاَذْنَابِ الْبَقَرِ وَتَبَایَعْتُمْ بِالْعِیْنَۃِ لَیُلْزِمَنَّکُمُ اللّٰہُ مَذَلَّۃً فِیْ رِقَابِکُمْ لَا تَنْفَکُّ عَنْکُمْ حَتّٰی تَتُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ وَتَرْجِعُوْا عَلٰی مَاکُنْتُمْ عَلَیْہِ۔ (مسند احمد عن ابن عمر نمبر ۵۰۰۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم نے "جہاد" کو چھوڑ دیا اور بیلوں کی دموں کو پکڑ لیا اور "عینہ" کا کاروبار کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری گردنوں میں ذلت کا طوق ڈالے گا اور یہ ذلت تم سے چمٹی رہے گی اِلّا یہ کہ تم اللہ کی طرف رجوع کرو اور اس راہ پر لوٹ آؤ جس پر تم پہلے تھے۔

تشریح: "بیلوں کی دموں کو پکڑ لیا" کے معنی یہ ہیں کہ تم رات دن کھیتی باڑی کے کام میں مصروف ہوگئے۔

"عینہ" کے معنی ہیں بیچی ہوئی چیز کو دوبارہ کم قیمت پر خرید کرنا"

مثلاً خالد نے رشید کے ہاں ایک سال کے وعدہ پر گھڑی تین سو روپے میں فروخت کی ہے پھر خالد نے رشید سے یہ گھڑی دو سو روپے میں خرید لی ہے، خالد، رشید سے ایک سال کے بعد تین سو روپے وصول کرے گا حالانکہ اس نے اسے دو سو روپے دیئے تھے اس حیلہ سازی سے اسے ایک سو روپے کا نفع ہوا۔ اسلام کاروبار میں اس طرح کی سود خوارانہ ذہنیت کی اجازت نہیں دیتا۔ کسی معاشرے میں کاروبار کی اس ذہنیت کا پایا جانا اس بات کی علامت ہے کہ ان کی زندگی کا مقصد "روپیہ" ہے وہ ہر قیمت پر جائز اور ناجائز کی تمیز کیے بغیر زیادہ سے زیادہ روپیہ پیدا کرنا چاہتے ہیں فقہ کی اصطلاح میں اسے "بیع عینہ" کہتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ تمہاری گردنوں میں ذلت و خواری کا طوق ڈال دے گا" کا مطلب یہ ہے کہ غیر مسلم قوموں کی نگاہ میں نہ تو تمہاری عزت ہوگی اور نہ ان کے دلوں میں

تمہارا ڈر اور رعب ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم جہاد کو ترک کر کے رات دن کھیتی باڑی کے کام میں منہمک ہوگئے اور مال و دولت جمع کرنے کے جنون میں تم نے کاروبار میں حرام و حلال کا امتیاز ختم کر دیا تو پھر ذلت، اور پستی کے خوفناک گڑھے میں جاگرو گے، تم لاکھ جتن کرو اس گڑھے سے نہ نکل سکو گے، اس مصیبت سے نجات پانے کی صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ ہے "کہ تم گناہوں سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہو اور اس کے فرمانبردار بندے بن جاؤ، اسلام کے مطابق زندگی بسر کرو۔ اور اس کے دین کو غالب کرنے کے لیے جہاد کرو" لہٰذا کسی حال میں بھی جہاد کو ترک نہ کرو۔ جہاد سے دستبردار ہونے کا انجام بڑا خطرناک ہے۔

دو قابل رشک کام

(۲۲۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ اِلَّا فِي اثْنَيْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهٗ عَلٰى هَلَكَتِهٖ فِي الْحَقِّ وَ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ حِكْمَةً فَهُوَ يَقْضِيْ بِهَا وَيُعَلِّمُهَا۔

(مسلم عن ابن مسعود کتاب فضائل القرآن، بخاری کتاب العلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رشک نہیں کرنا چاہیئے مگر ان دو آدمیوں سے ایک تو وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے (بہت سا حلال) مال دیا ہے اور اسے راہ حق میں خرچ کرنے کی توفیق بھی دی ہے۔

دوسرا وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دین کا علم اور فہم عطا کیا ہے وہ اس پر عمل کرتا ہے اور اس کی روشنی میں (ہر طرح کے اختلاف و نزاع کا) فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو دین کا علم سکھاتا ہے۔

تشریح: اللہ کی راہ میں، مال خرچ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ دین کی سربلندی اور غلبہ

کے لیے مال خرچ کرتا ہے اور اپنی جائداد کا ایک پیسہ بھی فسق و فجور پر ضائع نہیں کرتا۔ یعنی وہ اللہ کی راہ میں اپنے مال سے جہاد کرتا ہے۔

وہ "عالم دین" بھی بڑا خوش بخت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے قرآن اور سنت کا علم اور فہم عطا کیا ہے وہ اس پر عمل کرتا ہے اور اس علم و فہم کی تبلیغ اور اشاعت میں بھرپور حصہ لیتا ہے اور جب بھی کسی جھگڑے کے تصفیہ کی نوبت آتی ہے تو وہ قرآن اور سنت کی روشنی میں فیصلہ کرتا ہے ہر طرح کے اختلاف اور تنازع پر وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

اسلام کی نظر میں اس طرح کے "صاحب مال" اور "صاحب علم" لوگ قابل رشک ہیں مسلمانوں کو ان کی تقلید کرنی چاہیئے اور ان کے کردار کو مشعلِ راہ بنا کر ان کی پیروی کرنی چاہیئے۔

صدقہ قبول کرنے کی شرط

(۲۲۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ ـــــ وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ ـــــ إِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهَا كَمَا يُرَبِّيْ أَحَدُكُمْ فَلُوَّهٗ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ۔

(بخاری عن ابی ہریرہ کتاب الزکوٰۃ مسلم کتاب الزکوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص حلال کمائی سے ایک کھجور کی مانند صدقہ کرتا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ تو صرف حلال اور پاک چیز کو ہی قبول فرماتے ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے قبول فرماتا ہے پھر وہ صاحب صدقہ کے لیے اس کی نشو و نما کرتا ہے یہاں تک کہ اس کھجور کا ثواب پہاڑ کے مانند ہو جاتا ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنے

بچھیرے کو پالتا ہے۔

تشریح: اللہ کی راہ میں مال بھی خرچ کرنا پڑتا ہے خالص اللہ کی رضا کے لیے حلال کمائی سے جو کچھ بھی خرچ کیا جائے ـــــ خواہ ایک کھجور کی قیمت ہو ـــــ اللہ تعالیٰ اس کا ثواب کئی گنا زیادہ عنایت فرماتا ہے ایک کھجور کی قیمت، اُحد پہاڑ کے برابر ثواب لے کر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مالِ حرام کو بالکل قبول نہیں کرتا اگر حرام کمائی سے لاکھوں روپے نیک کاموں میں دے ڈالے جائیں تو رائیگاں ہو جاتے ہیں۔ بعض حرام خور اور سود خوار لوگ مساجد کی تعمیر، دینی اداروں کی اعانت یا حج اور خیرات پر اپنی دولت کا کچھ حصہ صرف کر کے بزعم خویش جنت کے مالک بن جاتے ہیں کیا یہ ظالم خدا کی باریک بین نگاہ سے پوشیدہ ہیں؟

کوئی شخص اللہ کی راہ میں حرام مال دے کر علیم و بصیر خدا کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔

انفاق فی سبیل اللہ میں جذبۂ مسابقت

(۲۲۵) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ يَقُولُ اَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَتَصَدَّقَ وَوَافَقَ ذٰلِكَ عِنْدِي مَالًا فَقُلْتُ الْيَوْمَ اَسْبِقُ اَبَا بَكْرٍ اِنْ سَبَقْتُهُ يَوْمًا قَالَ فَجِئْتُ بِنِصْفِ مَالِي فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَبْقَيْتَ لِاَهْلِكَ فَقُلْتُ مِثْلَهُ وَاَتٰى اَبُو بَكْرٍ بِكُلِّ مَا عِنْدَهُ فَقَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ مَا اَبْقَيْتَ لِاَهْلِكَ؟ فَقَالَ اَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ قُلْتُ لَا اَسْبِقُهُ اِلٰى شَيْءٍ اَبَدًا۔

(ترمذی ابواب المناقب ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا، حسنِ اتفاق سے اس وقت میرے پاس (بہت سا) مال بھی تھا میں نے (دل میں) کہا اگر میں کبھی ابوبکرؓ سے بازی لے گیا تو وہ

آج ہی کا دن ہے میں آج ان سے اس معاملہ میں آگے بڑھ جاؤں گا (بالآخر) میں اپنا آدھا مال لے آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (عمر!) تم نے اپنے بال بچوں کے لیے کتنا مال باقی رہنے دیا ہے؟ میں نے عرض کیا جتنا مال یہاں لایا ہوں، ابوبکرؓ اپنا سارا اثاثہ لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا (ابوبکرؓ!) اپنے بال بچوں کے لیے کیا کچھ چھوڑ آئے ہو؟ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کی رضا۔

(اس واقعہ کے بعد) میں نے دل میں کہا میں اب کبھی ان سے آگے نہ بڑھ سکوں گا۔

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کا حکم دیا۔

ایک مؤمن نے اپنے گھر کی ساری پونجی اور دوسرے مؤمن نے آدھا مال لاکر حضور کے قدموں میں ڈال دیا۔ ان میں سے ہر ایک کی تمنا یہ تھی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا حاصل کرنے میں اپنے دوسرے رفیق سے سبقت لے جائے۔

حضرت عثمانؓ اور انفاق فی سبیل اللہ

(۲۱۶) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ جَاءَ عُثْمَانُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَلْفِ دِينَارٍ فِي كُمِّهِ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَنَثَرَهَا فِي حِجْرِهِ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَلِّبُهَا فِي حِجْرِهِ وَيَقُولُ مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ۔ (ترمذی ابواب المناقب)

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ تبوک کے لشکر کا سامان تیار کر رہے تھے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار دینار (دوسو اکانوے تولے آٹھ ماشے کے طلائی سکّے) لاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ڈال دیئے

جسے وہ اپنی آستین میں چھپا کر لائے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ (جو واقعہ کے عینی شاہد ہیں) کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دیناروں کو اپنی گود میں الٹ پلٹ کر دو بار فرمایا آج کے بعد عثمانؓ کی کوئی غلطی اسے نقصان نہ پہنچا سکے گی۔

(۲۲۷) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ خَبَّابٍ قَالَ شَهِدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَحُثُّ عَلٰى جَيْشِ الْعُسْرَةِ فَقَامَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيَّ مِائَةُ بَعِيْرٍ بِأَحْلَاسِهَا وَأَقْتَابِهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ حَضَّ عَلَى الْجَيْشِ فَقَامَ عُثْمَانُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيَّ مِائَتَا بَعِيْرٍ بِأَحْلَاسِهَا وَأَقْتَابِهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ حَضَّ عَلَى الْجَيْشِ فَقَامَ عُثْمَانُ فَقَالَ عَلَيَّ ثَلٰثُمِائَةِ بَعِيْرٍ بِأَحْلَاسِهَا وَأَقْتَابِهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَأَنَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ عَنِ الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَقُوْلُ مَا عَلٰى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ مَا عَلٰى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ۔ (ترمذی ابواب المناقب)

عبدالرحمٰن بن خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جبکہ آپ غزوۂ تبوک کے لشکر کی اعانت کے لیے اپیل فرما رہے تھے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اُٹھ کر عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کی راہ میں ایک سو اونٹ ان کی جھولوں اور پالانوں سمیت میرے ذمہ ہیں (اس کے بعد) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی اعانت کے لیے لوگوں سے اپیل کی۔ حضرت عثمان اٹھے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی راہ میں دو سو اونٹ ان کی

جھولوں اور پالانوں سمیت میرے ذمہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر (تیسری بار) لشکر کی اعانت کے لیے لوگوں سے اپیل کی تو حضرت عثمان نے کھڑے ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی راہ میں تین سو اونٹ ان کی جھولوں اور پالانوں سمیت میرے ذمہ ہیں (اس واقعہ کے عینی شاہد حضرت عبدالرحمن بن خبابؓ کہتے ہیں کہ) میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر سے اترتے ہوئے دوبار فرمایا اس نیکی کے بعد اگر عثمان نے کوئی غلطی کی تو اس سے مؤاخذہ نہ ہوگا۔

تشریح: غزوۂ تبوک پر جانے والے لشکر کو جَیْشُ الْعُسْرَۃِ (تنگی کا لشکر) اس لیے کہا جاتا ہے کہ شدید گرمی کے موسم میں مدینہ سے بہت دور جہاد کرنے کے لیے جانا تھا قحط سالی کے علاوہ کھجور کی فصل بالکل تیار تھی اور اس پر مستزاد یہ کہ مسلمانوں کے پاس نہ تو سوار ہونے کے لیے جانور تھے اور نہ کھانے پینے کا سامان۔

۳۰ ہزار مجاہدین کے اس لشکر میں دس ہزار سوار تھے، یہ غزوہ رجب ۹ھ میں ہوا تھا۔ سروسامان کی فراہمی کے لیے ہر ایک نے حصہ لیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار دینار اور چھ سو اونٹ دیئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی آدھی جائداد لا کر دی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا اثاثہ نذر کیا۔ بلکہ ہر صحابی نے اپنی استطاعت سے زیادہ اللہ کی راہ میں اپنا سرمایہ خرچ کیا۔

مال کا بہترین مصرف

(۲۲۸) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ دِیْنَارٍ یُنْفِقُہُ الرَّجُلُ دِیْنَارٌ یُنْفِقُہُ عَلٰی عِیَالِہٖ وَدِیْنَارٌ یُنْفِقُہُ الرَّجُلُ عَلٰی دَابَّتِہٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَدِیْنَارٌ یُنْفِقُہُ عَلٰی اَصْحَابِہٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ (مسلم عن ثوبان کتاب الزکوۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہتر دینار وہ ہے جسے آدمی

۱- اپنے بال بچوں پر خرچ کرتا ہے۔

۲- اللہ کی راہ میں سواری کے جانور پر خرچ کرتا ہے اور

۳- اللہ کی راہ میں اپنے ساتھیوں پر خرچ کرتا ہے۔

تشریح: "دینار" ساڑھے تین ماشہ کے طلائی سکّہ کو کہتے تھے۔ اس سے مال و دولت مراد ہے۔ مال خرچ کرنے کے جائز مصارف تو بہت ہیں لیکن ان تین شعبوں پر خرچ کرنا مال کا بہترین مصرف ہے۔

(۱) اپنے بال بچوں کی ضروریات مثلاً خوراک، لباس صحت اور تعلیم وغیرہ پر مال خرچ کرنا۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اسے تمام مصارف پر فضیلت ہے یہ سب سے زیادہ اہم اور مقدم ہے۔

(۲) سواری کے اس جانور پر مال خرچ کرنا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے مخصوص کر لیا جائے مال کا بہترین اور مفید مصرف ہے، سواری کے جانور پر مال خرچ کرنے کے معنی ہیں اسے خرید کرنا، اس کی خوراک کا انتظام کرنا اور اس کی خدمت کرنا ہمارے دور کے سائیکل، سکوٹر، جیپ گاڑی، موٹر، ٹرالی اور ٹرک وغیرہ کی خرید اور دیکھ بھال پر اس مقصد کے لیے مال خرچ کیا جاسکتا ہے۔

(۳) ان ساتھیوں کی کفالت اور اعانت کرنا جو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے دین کو غالب کرنے کے لیے جدوجہد کر رہے ہوں تاکہ وہ یکسو ہو کر دلجمعی کے ساتھ یہ کام کر سکیں۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا صلہ

(۲۲۹) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَنْفَقَ نَفَقَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كُتِبَتْ لَهٗ سَبْعُمِائَةِ ضِعْفٍ۔

(ترمذی عن خُریم بن فاتک ابواب الجہاد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں (تھوڑا یا
بہت جتنا) خرچ کرتا ہے (اس کے اعمالنامہ میں) سات سو گنا تک اس کا
اجر لکھ دیا جاتا ہے۔

تشریح: یہ ہے وہ کم از کم اجر جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر ملتا ہے لیکن اس سے بہت زیادہ ملے گا، انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ عالم آخرت کے حقائق اس چھوٹے سے ذہن کی گرفت میں کس طرح آ سکتے ہیں۔

صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا۔

(۲۳۰) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَانَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ۔ (مسلم عن ابی ہریرہ کتاب البر والصلۃ ترمذی ابواب الصلۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اللہ کی راہ میں) صدقہ کرنے سے
مال کم نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والے کی عزت میں اضافہ کرتا ہے اور
اپنے اس بندے کو بلند کرتا ہے جو صرف اللہ کے لیے منکسر مزاج بن کر رہتا
ہے۔

تشریح: صدقہ کرنے سے معنوی اور حسی برکت ہوتی ہے اور آخرت میں صدقہ کی کی برکت کا یہ حال بتایا گیا ہے کہ ایک کھجور کی قیمت احد پہاڑ کے برابر ثواب لائے گی۔

"عفو" کے معنی ہیں معاف کرنا۔ اپنے حق سے دستبردار ہونا، چشم پوشی کرنا غلطی اور خطا کا نوٹس نہ لینا، مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے حق سے دستبردار ہو جائے۔ قدرت کے باوجود ظلم اور زیادتی پر انتقام نہ لے۔ لوگوں کے قصور معاف کر دے وہ خدا اور خلق کی نگاہ میں قابل احترام ہوتا ہے ہر شخص کے دل میں اس کی عزت ہوتی ہے اور آخرت میں اس کی بہت عزت افزائی ہو گی۔

"منکسر مزاج" ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی کسی خوبی اور مرتبہ پر اِتراتا نہیں اور

ان لوگوں کو حقیر اور بے وزن بھی نہیں سمجھتا جو اس کے ہم پلہ نہیں ہیں مطلب یہ ہے کہ جو شخص صرف اللہ کے لیے عاجزی کرتا ہے اور منکسر مزاج بن کر رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ دنیا میں بلند کرتا ہے، لوگ اپنے دلوں میں اس کی عظمت کا احساس اور اعتراف کرتے ہیں قیامت کے دن اس کا مقام بہت بلند ہوگا۔

صدقہ کرنے کے لیے موت کا انتظار نہ کیجئے

(۲۳۰) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاَنْ يَّتَصَدَّقَ الْمَرْءُ فِيْ حَيَاتِهٖ بِدِرْهَمٍ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّتَصَدَّقَ بِمِائَةٍ عِنْدَ مَوْتِهٖ۔ (ابوداؤد عن ابی سعید الخدری کتاب الوصایا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مرتے وقت ایک سو درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے کہ آدمی اپنی زندگی میں ایک درہم صدقہ کرے۔

تشریح: تندرستی کی حالت میں صدقہ وخیرات کرنے کا اجر و ثواب موت کے وقت خیرات کرنے سے سو گنا زیادہ ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے، کہ موت کا یقین ہونے پر صدقہ خیرات کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ فائدہ تو ضرور ہوتا ہے لیکن عام حالات میں اگر آدمی اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اس کو بہت بڑا اجر اور ثواب ملے گا بعض لوگ اپنی زندگی میں صدقہ خیرات کرنے کا کوئی جذبہ نہیں رکھتے لیکن موت کے آثار دیکھ کر بڑی فیاضی کا ثبوت دیتے ہیں۔

خواتین خدا کی راہ میں خرچ کریں

(۲۳۱) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَمَعَهٗ بِلَالٌ فَظَنَّ اَنَّهٗ لَمْ يُسْمِعِ النِّسَآءَ فَوَعَظَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَجَعَلَتِ الْمَرْاَةُ تُلْقِي الْقُرْطَ وَالْخَاتَمَ وَبِلَالٌ يَاْخُذُ فِيْ طَرَفِ ثَوْبِهٖ۔ (بخاری عن ابن عباس کتاب العلم مسلم کتاب صلوٰۃ العیدین)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہمراہ (مسجد سے) باہر آئے تو آپؐ نے محسوس فرمایا کہ خواتین نے آپ کی باتیں نہیں سنیں۔ (آپ ان کے اجتماع میں تشریف لے گئے) ان کو نصیحت فرمائی اور صدقہ کرنے کا حکم دیا انہوں نے بالیاں اور انگوٹھیاں اتار کر حضرت بلال رضؓ کے حوالہ کیں اور وہ اپنے کپڑے کے پلو میں لیتے رہے۔

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید کے خطبہ سے فارغ ہو کر باہر تشریف لائے تو آپ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ آپ اپنے عید کے خطاب سے خواتین کو مستفیض نہیں فرما سکے کیونکہ وہ مردوں سے بالکل علیحدہ اور کچھ فاصلے پر تھیں۔ آپؐ حضرت بلال کے ساتھ خواتین کے ہاں تشریف لے گئے آپؐ نے انہیں ان گناہوں سے پرہیز کرنے کی نصیحت فرمائی جو عورتوں کو دوزخ میں لے جانے کا باعث بنتے ہیں۔ اور انہیں اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ رزق حلال کی کمائی سے اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے سے وہ سنگین گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں جو انسان کو دوزخ میں لے جانے کا باعث ہیں۔ آفتوں اور مصیبتوں سے بھی یہ نجات دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم کو بھی متوجہ کرتا ہے۔ خواتین کو چاہیے کہ وہ اپنی جائداد زیادہ سے زیادہ اللہ کی راہ میں صدقہ کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کریں۔

اپنی جائداد

(۲۳۳) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهِ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ؟ قَالُوا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا مَالُهُ اَحَبُّ اِلَيْهِ قَالَ فَاِنَّ مَالَهُ مَا قَدَّمَ وَمَالُ وَارِثِهِ مَا اَخَّرَ

(بخاری عن ابن مسعود کتاب الرقاق)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے وہ کون ہے جو وارث کے مال کو اپنے مال سے زیادہ محبوب رکھتا ہو؟ لوگوں نے عرض کیا اے اللہ

کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جو اپنے مال کو زیادہ محبوب نہ رکھتا ہو آپ نے فرمایا انسان کا اپنا مال تو وہ ہے جو اس نے آخرت کے لیے آگے بھیجا اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو (مرنے کے بعد) اس نے اپنے پیچھے چھوڑا ہے۔

تشریح: مرنے کے بعد ہر شخص کا مال اس کے وارثوں کی تحویل اور تصرف میں چلا جاتا ہے یہی ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ اور آخرت میں اس کے حصہ میں صرف وہ مال آئے گا جو اس نے اللہ کی خوشنودی کے لیے اس کی راہ میں خرچ کیا تھا۔ جو شخص آخرت میں سرمایہ جمع کرنا چاہتا ہو اسے چاہیئے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اور بہتر مال اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ "انسان جب مرجاتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اس نے کتنے اعمال آگے بھیجے ہیں؟ اور لوگ پوچھتے ہیں کہ اس نے اپنے پیچھے کتنا مال چھوڑا ہے؟ (مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

حرام مال سے خیرات نہ کرو

(۲۳۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَیْرِ طُهُوْرٍ وَلَا صَدَقَةٌ مِنْ غُلُوْلٍ۔ (مسلم کتاب الطہارۃ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی اور خیانت کے مال سے صدقہ (خیرات) قبول نہیں کیا جاتا۔

تشریح: اللہ کی راہ میں حلال کمائی سے خرچ کرنا چاہیے۔ حرام کمائی سے جو دولت جمع ہوتی ہے اس سے نہ تو حج کرنا جائز ہے اور نہ صدقہ خیرات کرنے سے اجر کی توقع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف اس صدقہ کو قبول فرماتا ہے جو رزقِ حلال سے

سے دیا جائے۔

بعض سود خوار، حرام خور، غریبوں کا مال کھانے والے سرمایہ دار، جواری، ڈاکو اور چور صدقہ خیرات کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ شاید اس سے ان کے گناہوں کی بخشش ہو جائے گی۔ اور وہ قیامت کے دن ان بڑے بڑے گناہوں پر نہ پکڑے جائینگے جن کی وجہ سے وہ اب مال و دولت کے خزانوں پر سانپ بنے بیٹھے ہیں۔

باب نہم

اقامت دین کی راہ میں آزمائش

دعوت الی اللہ کا مقام

(۲۲۳۵) قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ کَأَنِّیْ اَنْظُرُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
یَحْکِیْ نَبِیًّا مِنَ الْاَنْبِیَآءِ ضَرَبَہٗ قَوْمُہٗ فَاَدْمَوْہُ وَھُوَ
یَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَجْھِہٖ وَیَقُوْلُ
اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ

(بخاری کتاب الانبیاء مسلم کتاب الجہاد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک نبی کا حال بیان فرما رہے تھے وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے آپؐ نے فرمایا کہ (دعوت الی اللہ کے جرم میں) قوم نے اس نبی کو اس قدر مارا کہ اس کا جسم خون سے لت پت ہو گیا۔ اس نے اپنے چہرہ سے خون پونچھتے ہوئے کہا:۔ اے اللہ میری قوم کو معاف فرما دے وہ نہیں جانتی۔

تشریح: داعیانِ حق کو اپنی قوم کی فلاح اور نجات سے بہت محبت ہوتی ہے وہ اپنی دعوتی سرگرمیوں سے بگڑے ہوئے لوگوں کو راہِ راست پر لانے اور دوزخ کے عذاب سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں قوم کی زیادتیوں اور دست درازیوں کے باوجود وہ صبر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ان کی ہدایت کے لیے دعا کرتے ہیں۔

اس حدیث میں جس "نبی" کا ذکر کیا گیا ہے اگرچہ ان کا اسم گرامی معلوم نہیں ہو سکا لیکن ان کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے بعض روایات میں حضرت نوح علیہ السلام کی طرف بھی یہ دعا منسوب کی گئی ہے جبکہ ان کی بدبخت قوم نے پٹائی کر کے انہیں بے ہوش کر دیا تھا جب وہ ہوش میں آئے تو یہ "دعا" ان کی زبان پر تھی بعض روایات کی رُو سے غزوۂ احد (۳ھ) اور غزوۂ حنین (۸ھ) میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بعینہٖ یہی دعا فرمائی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ قوم کی مسلسل کج روی اور زیادتی کے باوجود داعی حق کو

نہ تو مایوس ہونا چاہیئے اور نہ ان کے خلاف بددعا دینی چاہیئے۔

راہ و رسم منزل حق

(۲۳۶) عَنْ خَبَّابِ بْنِ الْاَرَتِّ قَالَ شَكَوْنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً لَهٗ فِيْ ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَقُلْنَا اَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا اَلَا تَدْعُوْ لَنَا فَقَالَ قَدْ كَانَ مِنْ قَبْلِكُمْ يُؤْخَذُ الرَّجُلُ فَيُحْفَرُ لَهٗ فِي الْاَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيْهَا فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ فَيُوْضَعُ عَلٰى رَاْسِهٖ فَيُجْعَلُ نِصْفَيْنِ وَيُمْشَطُ بِاَمْشَاطِ الْحَدِيْدِ مَا دُوْنَ لَحْمِهٖ وَعَظْمِهٖ فَمَا يَصُدُّهٗ ذٰلِكَ عَنْ دِيْنِهٖ وَاللّٰهِ لَيَتِمَّنَّ هٰذَا الْاَمْرُ حَتّٰى يَسِيْرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ اِلٰى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخَافُ اِلَّا اللّٰهَ وَالذِّئْبَ عَلٰى غَنَمِهٖ وَلٰكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُوْنَ۔ (بخاری کتاب الاکراہ)

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سایہ میں اپنی دھاریدار چادر سر کے نیچے رکھ کر لیٹے ہوئے تھے ہم نے آپؐ کی خدمت میں (حاضر ہو کر مشرکین مکہ کی سختیوں کی شکایت کی اور عرض کیا حضور! کیا (اب بھی) آپؐ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے مدد نہیں مانگتے؟ آپؐ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دعا نہیں کرتے؟ (کہ وہ ہمیں غلبہ عطا فرمائے) آپ نے فرمایا تم سے پہلے داعیانِ حق کا یہ حال تھا کہ (دعوت الی اللہ کے جرم میں) ایک آدمی کو پکڑ لیا جاتا، زمین میں اس کے لیے گڑھا کھود کر اس کو اس گڑھے میں کھڑا کیا جاتا پھر اس کے سر پر آرا رکھ کر چیرا جاتا اور وہ دو ٹکڑے ہو جاتا اور کسی کے جسم پر لوہے کی کنگھیاں چلا کر گوشت کو ہڈی سے الگ

کر لیا جاتا۔ یہ سزا اسے اس کے دین سے نہ روک سکی اللہ کی قسم! یہ کام پورا ہو کر رہے گا یہاں تک کہ سوار صنعاء سے حضرموت تک چلا جائے گا وہ نہ ڈرے گا مگر اللہ سے اور بھیڑیئے سے تاکہ وہ اس کی بکری کو اٹھا کر نہ لے جائے لیکن تم عجلت چاہتے ہو۔

تشریح: حضرت خباب بن ارت مکہ کی اسلامی تحریک کے چھٹے رفیق ہیں ان سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر صرف پانچ آدمیوں نے اسلام قبول کیا تھا۔

مشرکین مکہ نے جب اہل ایمان پر مظالم توڑنے میں انتہا کر دی تو حضرت خباب بہت بے چین ہو گئے، کعبہ کے سایہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کی درخواست کی اور عرض کیا کہ آپ اللہ سے دعا کیوں نہیں کرتے کہ وہ ہمیں کفار کے مظالم سے نجات دے اور ان کے مقابلہ میں ہماری مدد فرمائے آپؐ نے فرمایا دعوت الی اللہ کا کام پھولوں کی سیج نہیں ہے پہلی امتوں نے بھی آزمائش کا دور دیکھا تھا زمین میں گڑھا کھود کر داعی حق کو اس میں کھڑا کیا جاتا اور اس کے جسم کو آرے سے چیرا جاتا۔ اور بعض اوقات لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت اور پٹھے ہڈیوں سے الگ کر دیئے جاتے، اس راہ میں انہوں نے جان تو دے دی لیکن اپنے دین سے دستبردار ہونا گوارا نہ کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مثالوں سے یہ اصول ان کے ذہن میں ڈالا کہ اقامت دین کا کام صرف دعاؤں سے نہیں ہوتا بلکہ اسباب کی دنیا میں ان تمام مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے جو بالکل ناگزیر ہیں۔ ابتلاء اور آزمائش کی بھٹی سے گزرے بغیر ایمان و خلوص کی راہ واضح نہیں ہوتی۔

راہ حق کی آزمائش

(۲۳۷) عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قُلْتُ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ

الْعَاصِ اَخْبِرْنِيْ بِاَشَدِّ مَا صَنَعَ الْمُشْرِكُوْنَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِفِنَاءِ الْكَعْبَةِ اِذْ اَقْبَلَ عُقْبَةُ بْنُ اَبِيْ مُعَيْطٍ فَأَخَذَ بِمَنْكِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوٰى ثَوْبَهُ فِيْ عُنُقِهِ فَخَنَقَهُ خَنْقًا شَدِيْدًا فَاَقْبَلَ اَبُوْبَكْرٍ فَأَخَذَ بِمَنْكِبِهِ وَدَفَعَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ (بخاری کتاب التفسیر۔ کتاب الانبیاء)

عروہ بن زبیر کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہا مجھے وہ واقعہ بتایئے جس میں مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سخت ایذا دی ہو۔ انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے، اس وقت عقبہ بن ابی مُعَیط نے آتے ہی آنحضرت کا مونڈھا پکڑا اور آپ کی گردن میں کپڑا ڈال کر زور سے آپ کا گلا گھونٹا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آکر اس دشمنِ خدا کا کندھا پکڑا اور اسے آنجنابؐ سے الگ کر کے دھکیل دیا اور فرمایا (بدبختو!) کیا تم اس آدمی کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے میرا مالک اللہ ہے اور وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس واضح نشانیاں لایا ہے۔

تشریح: عُقبہ بن ابی مُعیط غزوۂ بدر (۲ھ) میں گرفتار کیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت خُبیب بن عدی رضی اللہ عنہ نے بدر سے تین میل دور عرق الظبیہ کے مقام پر اس بدبخت کو قتل کر کے جہنم رسید کیا۔

باطل پرستوں کے مظالم

(۲۳۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

كَانَ يُصَلِّي عِنْدَ الْبَيْتِ وَ اَبُوْ جَهْلٍ وَاَصْحَابٌ لَهُ جُلُوْسٌ اِذْ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اَيُّكُمْ يَجِيْءُ بِسَلَا جَزُوْرِ بَنِيْ فُلَانٍ فَيَضَعُهُ عَلٰى ظَهْرِ مُحَمَّدٍ اِذَا سَجَدَ فَانْبَعَثَ اَشْقَى الْقَوْمِ فَجَاءَ بِهٖ فَنَظَرَ حَتّٰى اِذَا سَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَهُ عَلٰى ظَهْرِهٖ بَيْنَ كَتِفَيْهِ وَاَنَا اَنْظُرُ لَا اُغْنِيْ شَيْئًا لَوْ كَانَتْ لِيْ مَنْعَةٌ قَالَ فَجَعَلُوْا يَضْحَكُوْنَ وَيُحِيْلُ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدٌ لَا يَرْفَعُ رَاْسَهُ حَتّٰى جَاءَتْهُ فَاطِمَةُ فَطَرَحَتْهُ عَنْ ظَهْرِهٖ فَرَفَعَ رَاْسَهُ۔ (بخاری کتاب الوضوء مسلم کتاب الجهاد والسیر)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ (حرم میں) بیت اللہ کے پاس نماز ادا کر رہے تھے۔ ابوجہل بھی وہاں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا تھا ابوجہل نے کہا وہ کون ہے جو فلاں لوگوں کی اونٹنی کی جھلی لائے (دوسری روایت کی رو سے اس خون آلود جھلی میں گوبر بھی لائے) اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب سجدہ میں جائیں تو ان کے کندھوں کے درمیان پیٹھ پر (غلاظت کا یہ ڈھیر) رکھ دے؟ ایک انتہائی بدبخت (عقبہ بن ابی معیط) نے اُٹھ کر یہ فرمائش پوری کر دی اور انتظار کرنے لگا یہاں تک کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو اس نے غلاظت کا یہ ڈھیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کے درمیان پیٹھ پر رکھ دیا (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا) میں یہ مکروہ منظر دیکھ رہا تھا لیکن بے بس ہونے کی وجہ سے میں ان کی شرانگیزی کو نہیں روک سکتا تھا کاش (مکہ میں) میرا کوئی با اثر قبیلہ ہوتا تو غلاظت کے ڈھیر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک سے

ہٹا دیتا) انہوں نے ہنسنا شروع کیا مارے ہنسی کے وہ لوٹ پوٹ ہو رہے تھے اور ایک دوسرے پر گر رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک سجدے سے نہ اٹھایا یہاں تک کہ ایک آدمی کی اطلاع پر حضرت فاطمہؓ (دوڑ کر) آئیں اور آنحضورؐ کی پشت مبارک سے اس غلاظت کو اٹھا کر دور پھینکا پھر آپؐ نے سجدے سے اپنا سر اٹھایا۔

تشریح: اس واقعہ کے وقت جگر گوشۂ رسول، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پندرہ سالہ لڑکی تھیں آپ نے اس بدتمیزی پر قریش کے لیڈروں کو بہت ملامت کی اور برا بھلا کہا لیکن انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

اخلاق ورحمت کے پیکر نے آخر ان مشرکین مکہ کا کیا بگاڑا تھا جو وہ اس گھناؤنی جاہلیت اور بدتمیزی پر اتر آئے۔ آپؐ نے کبھی کسی پر زیادتی نہیں کی تھی کسی کا حق نہیں مارا تھا آپؐ تو اس کلمہ کو بلند کرنے کی کوشش فرما رہے تھے جو عدل، امن اور خوشحالی کا امین ہے چند برسوں کی جانگسل محنت اور کشمکش کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آپؐ نے اللہ کے کلمہ کو بلند کر دیا اور اس کے نتیجہ میں جو معاشرہ تشکیل پایا وہ اطمینان، عدل وانصاف اور خوشحالی کا بے نظیر اور مثالی نمونہ تھا۔

داعی حق مایوس نہیں ہوتا

(۲۳۹) اِنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَتْ اَنَّهَا قَالَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلْ اَتٰى عَلَيْكَ يَوْمٌ كَانَ اَشَدَّ مِنْ يَوْمِ اُحُدٍ؟ فَقَالَ لَقَدْ لَقِيْتُ مِنْ قَوْمِكِ وَكَانَ اَشَدَّ مَا لَقِيْتُ مِنْهُمْ يَوْمُ الْعَقَبَةِ اِذْ عَرَضْتُ نَفْسِيْ عَلَى ابْنِ عَبْدِ يَالِيْلَ بْنِ عَبْدِ كُلَالٍ فَلَمْ يُجِبْنِيْ اِلٰى مَا اَرَدْتُ، فَانْطَلَقْتُ ـــــ وَاَنَا مَهْمُوْمٌ۔

عَلٰی وَجْهِیْ فَلَمْ اَسْتَفِقْ اِلَّا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ فَرَفَعْتُ رَأْسِیْ فَاِذَا اَنَا بِسَحَابَةٍ قَدْ اَظَلَّتْنِیْ فَنَظَرْتُ فَاِذَا فِیْهَا جِبْرَئِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَنَادَانِیْ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ وَمَا رَدُّوْا عَلَیْكَ، وَقَدْ بَعَثَ اِلَیْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَاْمُرَهٗ بِمَا شِئْتَ فِیْهِمْ قَالَ فَنَادَانِیْ مَلَكُ الْجِبَالِ وَسَلَّمَ عَلَیَّ ثُمَّ قَالَ یَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ وَاَنَا مَلَكُ الْجِبَالِ وَقَدْ بَعَثَنِیْ رَبُّكَ اِلَیْكَ لِتَاْمُرَنِیْ بِاَمْرِكَ فَمَا شِئْتَ؟ اِنْ شِئْتَ اَنْ اُطْبِقَ عَلَیْهِمُ الْاَخْشَبَیْنِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَلْ اَرْجُوْ اَنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ مِنْ اَصْلَابِهِمْ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهٗ لَا یُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا۔

(مسلم کتاب الجہاد والسیر۔ بخاری کتاب بدء الخلق)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ پر اُحد کے دن سے زیادہ سخت دن بھی آیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: عائشہ! تمہاری قوم قریش سے مجھے بہت تکلیفیں پہنچی ہیں اور سب سے زیادہ تکلیف تو مجھے عقبہ کے دن پہنچی جب میں نے اپنے آپ کو ابن عبد یالیل کے سامنے پیش کیا جو کچھ مَیں چاہتا تھا اُس نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا (یعنی اس نے میری حوصلہ افزائی نہ کی) میں غمگین ہو کر اپنے رخ پر چل پڑا قرن الثعالب پہنچ کر میرا غم کچھ ہلکا ہؤا۔ میں نے اپنا سر اُٹھایا (یعنی آسمان کی طرف نظر اُٹھائی) تو دیکھا اچانک ایک بادل نے مجھ پر سایہ کر رکھا ہے اور اس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے مجھے پکار کر کہا اُللہ نے سُن لی ہے وہ بات جو تیری قوم نے تجھ سے کہی ہے اور جس طرح تیری دعوتِ حق کو رد کیا ہے

آپؐ کے پاس اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کا انتظام کرنے والے فرشتہ کو بھیجا ہے ان لوگوں کے متعلق آپ جو چاہیں اسے حکم دیں وہ عمل کرے گا۔"

پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے مجھے آواز دی اور سلام کہہ کر بولا اے محمدؐ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ کی قوم نے جو بات آپؐ سے کہی ہے وہ اللہ نے سن لی ہے۔ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپؐ کے پاس بھیجا ہے آپ جو چاہیں مجھے حکم دیں فرمائیے آپؐ کیا چاہتے ہیں؟ اگر آپؐ چاہیں تو میں (مکہ کے) دو پہاڑوں (ابوقُبیس اور جبل احمر) کو آپس میں اس طرح ملا دوں کہ یہ قوم پس کر رہ جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا نہیں، بلکہ مجھے یہ توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم کی پشت سے ایک ایسی نسل پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیگی۔

تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قریش کے بے انتہا ظلم سے تنگ آکر طائف کا رخ کیا تو وہاں کے مشہور سردار "ابن عبد یالیل" کو دعوت پیش کی اور اس سے مدد چاہی لیکن اس نے نہ صرف یہ کہ آپؐ کی بات نہ سُنی بلکہ اس کے ایما پر آوارہ چھوکروں نے آپؐ کو ڈھیلوں اور پتھروں سے مارا یہاں تک کہ آپؐ کے پاؤں مبارک خون میں لت پت ہوگئے اور آپؐ بے ہوش کر گر پڑے۔

دین کا کام کرنے والوں کو اللہ کی راہ میں ہر طرح کی تکلیفوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے وہ ناسازگار ماحول سے گھبرا کر دعوتِ دین کا کام نہیں چھوڑ دیتے مسلسل محنت اور ہمت کے ساتھ دعوتِ حق کا کام کرتے رہتے ہیں وہ نہ تو خلقِ خدا سے مایوس ہوتے ہیں اور نہ اللہ سے ان کی تباہی و ہلاکت کی درخواست کرتے ہیں بلکہ ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ سے برابر دعا کرتے رہتے ہیں۔

اللہ کے راستے میں عزیمت و استقامت

(۲۴۰) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ اَبُوْ جَهْلٍ لَئِنْ رَأَيْتُ مُحَمَّدًا يُصَلِّي عِنْدَ الْكَعْبَةِ لَاَطَأَنَّ عَلٰى عُنُقِهٖ فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ فَعَلَ لَاَخَذَتْهُ الْمَلَائِكَةُ۔

(بخاری کتاب التفسیر ترمذی ابواب التفسیر)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا۔ ابوجہل نے کہا اگر میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے دیکھا تو میں پاؤں سے ان کی گردن روند ڈالوں گا۔

یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپؐ نے فرمایا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو اسے فرشتے پکڑ لیں گے۔

تشریح: ابوجہل نے لوگوں کے سامنے یہ اشتعال انگیز بات کہی تھی۔ دوسری روایات میں یہ مضمون ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے دوران تین بار کہا کیا میں نے تمہیں اس سے نہیں روکا تھا؟ آپؐ نے نماز سے فارغ ہو کر اسے ڈانٹا اور دھمکی دی۔ ابوجہل نے کہا تم کس بل بوتے پر دھمکی دیتے ہو تم جانتے ہو کہ مکہ کے اکثر لوگ میرے حمایتی ہیں۔ (مطلب یہ ہے اگر میرے مقابلہ میں تم دھمکیوں پر اتر آئے ہو اور مجھ پر رعب ڈالنا چاہتے ہو تو جان لو کہ تم مجھ پر غالب نہیں آسکتے کیونکہ اس وادی کے اکثر لوگ میرے حامی ہیں میرے خلاف تمہیں کس کی حمایت حاصل ہے؟) اس موقعہ پر سورۂ علق کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

اَرَأَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ٥ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ٥ اَرَأَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰى ٥ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ٥ اَرَأَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ٥ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ٥ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ

لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ o نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ o فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ o سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ o

"کیا تو نے اس کو دیکھا ہے جو منع کرتا ہے ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھے۔ بھلا دیکھ تُو اگر وہ نیک راہ پر ہوتا یا خدا سے ڈرنے کا حکم کرتا (تو کیا اچھا آدمی ہوتا) بھلا دیکھ تُو، اگر اس نے (دین حق کو جھٹلایا ہے اور (اللہ سے) منہ موڑ لیا ہے (تو اس نے ہمارا کیا بگاڑا؟) اسے نہیں معلوم کہ اللہ دیکھ رہا ہے ہرگز نہیں اگر وہ نہ رکا تو ہم اسے چوٹی سے گھسیٹیں گے جو کہ جھوٹی اور گناہ گار ہے وہ بُلا لے اپنی مجلس والوں کو۔ ہم بھی بلاتے ہیں اپنی پولیس (دوزخ کے فرشتے)"

اس حدیث کے راوی عبداللہ بن عباسؓ نے کہا اللہ کی قسم اگر وہ اپنے حامیوں کو بلاتا تو فرشتے اسے پکڑ لیتے۔

(مسند احمد نمبر ۳۰۴۵ - ترمذی ابواب التفسیر)

دعوت الی اللہ کی راہ میں رکاوٹیں

(۲۴۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ اُخِفْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُخَافُ اَحَدٌ وَلَقَدْ اُوْذِيْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُوْذٰى اَحَدٌ، وَلَقَدْ اَتَتْ عَلَيَّ ثَلَاثُوْنَ مِنْ بَيْنِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَمَالِيْ وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ يَّاْكُلُهُ ذُوْكَبِدٍ اِلَّا شَيْءٌ يُّوَارِيْهِ اِبْطُ بِلَالٍ۔ (ترمذی ابواب صفۃ القیامۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کی راہ میں ڈرایا اور ستایا گیا ہوں۔ میری طرح نہ کسی کو ڈرایا گیا ہے اور نہ ستایا گیا ہے مجھ پر مسلسل تیس دن ایسے بھی گزرے ہیں کہ اس عرصہ میں میرے اور بلال کیلئے ایسی خوراک نہ تھی جسے کوئی جاندار کھا سکے سوائے اس تھوڑی سی چیز کے

جو بلال نے اپنے بغل میں چھپا رکھی تھی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا کُفار مکہ نے حضورؐ کو اس کام سے روکنے کے لیے جان سے مار دینے کی دھمکی دی، سخت ترین سزاؤں سے آپؐ کو خوف زدہ کرنے کی کوشش کی، سب وشتم سے بھی نوازا اور جسمانی تکلیفیں بھی دیں غرضیکہ انہوں نے حضورؐ کو ستانے اور تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا کر نہ رکھی وہ آپؐ کے خلاف ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرتے رہے، اس طرح کے سنگین حالات سے حضورؐ کے سوا کوئی دوسرا داعی حق دوچار نہیں ہُوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم آغاز میں ان مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود اکیلے یہ کام کرتے رہے اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ آپؐ کی معاشی حالت بھی سخت ناگفتہ بہ تھی۔

مسلسل ایک ماہ تک فاقہ برداشت کرنا پڑا۔ اس وقت بلالؓ آپؐ کے ساتھ تھے ان کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہ تھا سوائے اس تھوڑی سی چیز کے جو بلالؓ نے اپنے بغل میں چھپا رکھی تھی انہوں نے صرف اس پر اکتفا کیا۔

ہو سکتا ہے کہ یہ اس سفر کی طرف اشارہ ہو جب آپؐ دعوت الی اللہ کے لیے (شوال سنہ نبوی) مکہ سے طائف تشریف لے گئے تھے۔

راہ حق میں جسمانی اذیت

(۲۴۲) جَاءَ خَبَّابٌ اِلٰی عُمَرَ فَقَالَ اُدْنُ، فَمَا اَحَدٌ اَحَقُّ بِھٰذَا الْمَجْلِسِ مِنْکَ اِلَّا عَمَّارٌ فَجَعَلَ خَبَّابٌ یُرِیْہِ اٰثَارًا بِظَھْرِہٖ مِمَّا عَذَّبَہُ الْمُشْرِکُوْنَ۔ (ابن ماجہ، فضائل خباب)

خبّاب بن ارت رضی اللہ عنہ، امیر المؤمنین حضرت عمر رضؓ کے پاس آئے تو انہوں نے فرمایا:۔ خبّاب! میرے قریب بیٹھو، اس جگہ پر بیٹھنے

کے لیے تم سے زیادہ حق دار کوئی نہیں ہے سوائے عمار بن یاسرؓ کے سیدنا خبابؓ نے اپنی پیٹھ کے وہ نشان دکھائے جو مشرکین مکہ کے تشدد اور تعذیب کا نتیجہ تھے۔

تشریح: سیدنا خبابؓ کو بیٹھتے ہی مکی دور یاد آ گیا جبکہ مشرکین مکہ نے انہیں آگ کے انگاروں پر لٹایا تھا اور ران کی چربی پگھل پگھل کر آگ کو بجھا رہی تھی اس سخت ترین سزا کے باوجود اسلام کا یہ مخلص کارکن اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت سے دستبردار نہ ہوا۔ انہوں نے امیر المؤمنین کو وہ بڑے گہرے داغ دکھائے جو مشرکین کی تعذیب کی وجہ سے ان کی پشت پر تھے۔

راہ حق کی مشکلات

(۲۴۳) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُسِرَتْ رَبَاعِيَتُهٗ يَوْمَ اُحُدٍ وَشُجَّ فِيْ رَأْسِهٖ فَجَعَلَ يَسْلُتُ الدَّمَ عَنْهُ وَيَقُوْلُ كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوْا نَبِيَّهُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَسَرُوْا رَبَاعِيَتَهٗ وَهُوَ يَدْعُوْهُمْ اِلَى اللّٰهِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى، لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ۔

(مسلم عن انس کتاب الجہاد والسیر)

احد کے دن (۳ھ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے دانت توڑے گئے (ملحوظ رہے کہ جڑ سے نہیں اکھڑے) اور آپؐ کا سر مبارک زخمی ہوا اور آپؐ کے چہرہ مبارک پر خون بہہ رہا تھا) آپؐ نے خون کو پونچھتے ہوئے فرمایا وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبیؐ کو زخمی کیا اور اس کے دانت توڑ ڈالے حالانکہ وہ انہیں اللہ کی طرف بلاتا ہے" اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ

فَاِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ ۔ (آل عمران ۲۸)

(اے نبیؐ، تیرا کچھ اختیار نہیں یا اللہ ان پر مہربانی فرمائے (اور توبہ کی توفیق بخشے) یا اللہ انہیں سزا دے کیونکہ وہ ناحق پر ہیں)

تشریح: غزوۂ اُحد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جبینِ مبارک، رُخسار اور نچلا ہونٹ زخمی ہوئے، سامنے کے نچلے دانت مبارک بھی ٹوٹے آپؐ نے سر پہ جو خود پہن رکھی تھی وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ چہرہ مبارک لہولہان ہوگیا حضرت فاطمہؓ نے چہرہ مبارک کے زخموں کو دھونے کی کوشش کی مگر خون رکنے میں نہ آیا بلکہ کچھ زیادہ ہی ہوتا گیا انہوں نے چٹائی کے ٹکڑے کو جلا کر اس کی راکھ زخموں پر رکھی تو خون فوراً بند ہوگیا۔ اس موقعہ پر آپؐ نے بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ فیصلہ کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے چاہے انہیں معاف کرے چاہے سزا دے، پھر کچھ دیر کے بعد آپ نے ان کے حق میں یہ دعا فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ (فتح الباری بحوالہ طبرانی)

اے اللہ میری قوم کو معاف کر دے یہ (حقیقت کو) نہیں جانتے

اللہ کی راہ میں حوصلہ بلند ہونا چاہیئے

(۲۴۴) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِیْ بَعْضِ الْمَشَاهِدِ وَقَدْ دَمِيَتْ اِصْبَعُهٗ فَقَالَ

هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ
وَفِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ

(بخاری عن جندب بن سفیان کتاب الجہاد مسلم کتاب الجہاد)

ایک غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی خون آلود ہوگئی تو آپؐ نے فرمایا۔ تُو ہے کیا؟ صرف انگلی ہی تو ہے۔ جو خون آلود ہوگئی ہے اور یہ زخم تجھے اللہ کی راہ میں ہوا ہے۔

تشریح : حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد میں پتھر لگنے سے گر پڑے انگلی مبارک مجروح ہو گئی اور اس سے خون بہنے لگا تو پھر آپؐ نے اس سے مخاطب ہو کر عبداللہ بن رواحہؓ کا مندرجہ بالا شعر کہا جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں تو سب کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔ ہاتھ، جسم کا ایک عضو ہے اور تُو اس ہاتھ کی ایک اُنگلی ہے جو کٹ کر ہاتھ سے الگ نہیں ہوئی بلکہ پتھر نے تجھے تھوڑا سا زخمی کر کے خون آلود کر دیا ہے۔ خدا کی راہ میں کوئی بڑی قربانی پیش نہیں کی گئی۔ صرف معمولی سی چوٹ آئی ہے اور یہ تکلیف تو نے خدا کی راہ میں برداشت کی ہے۔

راہ حق میں صحابہ کرامؓ کی ثابت قدمی

(۲۴۵) عَنْ قَیْسٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعِیْدَ بْنَ زَیْدٍ یَقُوْلُ لِلْقَوْمِ لَقَدْ رَأَیْتُنِیْ وَاِنَّ عُمَرَ مُوْثِقِیْ عَلَی الْاِسْلَامِ اَنَا وَاُخْتَہٗ وَمَا اَسْلَمَ۔ (بخاری کتاب المناقب باب اسلام عمر بن الخطاب)

قیس کہتے ہیں میں نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو لوگوں سے کہتے سنا ہے کہ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجھے اور اپنی بہن (فاطمہ) کو اسلام لانے کی وجہ سے رسیوں سے باندھ رکھا تھا جبکہ وہ مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے۔

تشریح : یاد رہے کہ حضرت سعید بن زیدؓ، حضرت عمرؓ کے چچازاد بھائی ہونے کے علاوہ ان کے بہنوئی بھی تھے۔ حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ بنت خطاب سعیدؓ کے نکاح میں تھیں۔ سعید اور فاطمہ کے اسلام لانے پر وہ بہت زیادہ غضبناک ہوئے اور انہیں رسیوں سے باندھ کر قید میں رکھا۔ اور دوسری روایات کی رو سے جب بنی زُہرہ کے ایک آدمی نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ تمہاری بہن اور بہنوئی نے اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ مارے غصہ کے ان کے پاس آئے۔ بات چیت کے دوران، سنی ہوئی خبر کی تصدیق ہو گئی۔ سعید کو پکڑ کر خوب مارا لاتوں سے اس کی خوب مرمت

کی، فاطمہؓ سے نہ رہا گیا وہ اپنے شوہر کو چھڑاتے کے لیے آئیں تو انہوں نے اسے بھی پیٹا اور اس زور سے تھپڑ رسید کیا کہ اس کا چہرہ خون آلود ہو گیا۔ اس ظلم اور تشدد کے باوجود میاں بیوی اپنے ایمان پر جمے رہے یہ صورت حال حضرت عمرؓ کے لیے لمحۂ فکریہ تھی، ان کے ذہن نے پلٹا کھایا اور انہوں نے اس دین کو اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا جس کو وہ ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔

قبولِ اسلام پر اذیتیں

(۲۴۶) فَقَالَ يَا اَبَا ذَرٍّ اُكْتُمْ هٰذَا الْاَمْرَ وَارْجِعْ اِلٰى بَلَدِكَ فَاِذَا بَلَغَكَ ظُهُوْرُنَا فَاَقْبِلْ فَقُلْتُ. وَالَّذِىْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَاَصْرُخَنَّ بِهَا بَيْنَ اَظْهُرِهِمْ فَجَاءَ اِلَى الْمَسْجِدِ وَقُرَيْشٌ فِيْهِ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ ! اِنِّىْ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَقَالُوْا قُوْمُوْا اِلٰى هٰذَا الصَّابِئِ فَقَامُوْا فَضُرِبْتُ لِاَمُوْتَ فَاَدْرَكَنِىْ الْعَبَّاسُ فَاَكَبَّ عَلَىَّ فَقَالَ وَيْلَكُمْ تَقْتُلُوْنَ رَجُلًا مِنْ غِفَارٍ وَمَتْجَرُكُمْ وَمَمَرُّكُمْ عَلٰى غِفَارٍ فَاَقْلَعُوْا عَنِّىْ فَلَمَّا اَصْبَحْتُ الْغَدَ رَجَعْتُ فَقُلْتُ مِثْلَ مَا قُلْتُ بِالْاَمْسِ فَقَالُوْا قُوْمُوْا اِلٰى هٰذَا الصَّابِئِ فَصُنِعَ بِىْ مِثْلَ مَا صُنِعَ بِالْاَمْسِ فَاَدْرَكَنِىْ الْعَبَّاسُ فَاَكَبَّ عَلَىَّ وَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهٖ بِالْاَمْسِ۔

(بخاری عن ابن عباس کتاب المناقب۔ باب بنیان الکعبہ مسلم کتاب الفضائل)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ''ابوذر! یہ کام (اسلام) اخفا میں رہے اپنے وطن لوٹ جاؤ اور اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دو) جب تم ہمارے غلبہ کی خبر سنو تو پھر آنا'' میں نے عرض کیا اس خدا کی

قسم جس نے آنجناب کو دین حق کے ساتھ بھیجا ہے میں ان کے سامنے
نہایت بلند آواز سے اپنے اسلام کا اعلان کروں گا یہ کہہ کر وہ مسجد الحرام میں
آئے (قریش وہاں موجود تھے) اور کہا اے گروہ قریش! میں گواہی دیتا ہوں
کہ نہیں کوئی معبود مگر اللہ اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس
کے بندے اور رسول ہیں قریش نے ایک دوسرے سے کہا اٹھو، اس
مرتد کو پکڑ لو، وہ اُٹھے اور مجھے اس قدر پیٹا کہ میں مرجاتا عباسؓ آڑے
آئے، مجھ پر جھک پڑے اور ان سے کہا، افسوس ہے تم قبیلۂ غفار
کے آدمی کو بہت بُری طرح پیٹ رہے ہو حالانکہ تم اپنے کاروبار (مرکز
شام) کی طرف جاتے ہوئے قبیلۂ غفار سے گزرتے ہو یہ سن کر انہوں
نے مجھے چھوڑ دیا پھر دوسرے دن صبح کو بیت اللہ کے صحن میں جاکر میں
نے وہی بات دہرادی (کلمۂ شہادت کا اعلان کیا) قریش نے کہا اس
مرتد کی خبر لو وہ اُٹھے اور کل کی طرح انہوں نے مجھے اس قدر مارا کہ مَیں
مرنے کے قریب تھا۔ حضرت عباسؓ نے بیچ بچاؤ کرکے مجھے ان سے
چھڑالیا اور کل کی طرح انہیں ملامت کی۔

تشریح: کلمۂ شہادت کے اعلان کرنے میں سیدنا ابو ذر غفاریؓ کو کعبہ کے صحن میں دو بار بری طرح پیٹا گیا۔ لوگوں کا ہجوم ان پر ٹوٹ پڑا اگر حضرت عباسؓ ان کی حمایت اور دفاع نہ کرتے تو طاغوت کے کارندوں نے انہیں جان سے مار دیا ہوتا لیکن وہ آڑے آئے بپھرے ہوئے کافروں کو معاشی خطرے کا واسطہ دے کر انہیں چھڑالیا اور کہا کہ مکہ اور شام کی تجارتی شاہراہ پر غفار پڑتے ہیں اگر تم نے اس قبیلہ کے فرد کو زدوکوب کیا یا اس کی توہین کی تو تمہارے تجارتی قافلے وہاں سے نہ گزر سکیں گے۔

آزمائش میں صحابہ کی عزیمت

(۲۴۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اَوَّلُ مَنْ اَظْهَرَ اِسْلَامَهٗ

سَبْعَةٌ، رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَبُوْ بَکْرٍ وَعَمَّارٌ وَ اُمُّہٗ سُمَیَّۃُ وَصُھَیْبٌ وَبِلَالٌ وَالْمِقْدَادُ فَاَمَّا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَمَنَعَہُ اللّٰہُ بِعَمِّہٖ اَبِیْ طَالِبٍ وَاَمَّا اَبُوْ بَکْرٍ فَمَنَعَہُ اللّٰہُ بِقَوْمِہٖ وَاَمَّا سَائِرُھُمْ فَاَخَذَھُمُ الْمُشْرِکُوْنَ فَاَلْبَسُوْھُمْ اَدْرَاعَ الْحَدِیْدِ وَصَھَرُوْھُمْ فِی الشَّمْسِ فَمَا مِنْھُمْ اِنْسَانٌ اِلَّا وَقَدْ وَاتَاھُمْ عَلٰی مَا اَرَادُوْا اِلَّا بِلَالٌ فَاِنَّہٗ ھَانَتْ عَلَیْہِ نَفْسُہٗ فِی اللّٰہِ وَھَانَ عَلٰی قَوْمِہٖ فَاَعْطَوْہُ الْوِلْدَانَ وَاَخَذُوْا یَطُوْفُوْنَ بِہٖ فِیْ شِعَابِ مَکَّۃَ وَھُوَ یَقُوْلُ اَحَدٌ، اَحَدٌ۔

(مسند احمد نمبر ۳۸۳۲ - ابن ماجہ فضل سلمان و ابی ذر)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مکہ میں سب سے پہلے ان سات آدمیوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

(۳) عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

(۴) حضرت سُمَیَّہ رضی اللہ عنہا (حضرت عمارؓ کی والدہ محترمہ)

(۵) حضرت صہیب رضی اللہ عنہ

(۶) حضرت بلال رضی اللہ عنہ

(۷) حضرت مقداد رضی اللہ عنہ

اللہ تعالٰی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے شر سے محفوظ رکھا آپ کے چچا ابوطالب کی وجہ سے، اور ابوبکر صدیق پر وہ اس لیے ہاتھ نہ اُٹھا سکے کہ اللہ تعالٰی نے ان کی قوم کو رکاوٹ بنا دیا۔ رہے باقی افراد تو ان کو مشرکین نے پکڑ لیا۔ لوہے کی زرہیں پہنا کر انہیں

سورج کی نہایت تیز چلچلاتی دھوپ میں پگھلایا (اس غیر معمولی تشدد کی وہ تاب نہ لا سکے) اور (ظاہری طور پر) انہوں نے مشرکین کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ مگر حضرت بلال رضؓ نے ان کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا وہ اللہ کی راہ میں اپنے آپ کو حقیر جانتے تھے اور قوم نے بھی اسے پر کاہ کے برابر نہ سمجھتے ہوئے اسے آوارہ چھوکروں کے حوالہ کیا وہ انہیں مکہ کی گھاٹیوں میں گھسیٹتے پھرتے تھے لیکن وہ (ان کی ساری بدتمیزیوں کے باوجود) یہی کہتے رہے کہ اللہ ایک ہے اللہ ایک ہے۔

تشریح: کفرستان مکہ میں اسلام کا نام لینا آسان نہ تھا مکہ کے قریشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس لیے ہاتھ نہ ڈال سکے کہ وہ آپ کے چچا ابو طالب جیسے ذہین اور با اثر سیاستدان سے الجھنے پر آمادہ نہ تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ پر دست درازی کرنے کا مطلب یہ تھا کہ ان کے قبیلہ سے لڑائی مول لی جائے، جس کے لیے وہ تیار نہ تھے۔

حضرت عمار رضؓ ان کی والدہ محترمہ حضرت سمیہ رضؓ، حضرت صہیب رضؓ، حضرت مقداد رضؓ اور حضرت بلال رضؓ (اللہ ان سب سے راضی ہو) کو "اسلام" اختیار کرنے پر مشرکوں نے بڑی دردناک سزائیں دیں۔ انہیں لوہے کی زرہیں پہنا کر چلچلاتی دھوپ میں کھڑا کیا گیا۔ مکہ کی پتھریلی زمین پر جون جولائی کے مہینہ میں دوپہر کیسے ہوتی ہے؟ اس کا اندازہ دیکھنے سے ہوتا ہے لوہے کے لباس میں گرمی کی شدت کے باعث ان کی چربی پگھل گئی۔ اس ہولناک تشدد اور ناقابل برداشت اذیت کو دیکھ کر اول الذکر چار حضرات نے ان کی ہاں میں ہاں ملادی۔ اور جو کچھ انہوں نے چاہا کہلوایا، ان کے دل دینِ حق پر مطمئن تھے لیکن خوفناک سزا دے کر مشرکین نے ان کو زبان سے اپنا ہمنوا بنا لیا ان حالات میں اس طرح کے طرزِ عمل کی اجازت ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی معافی کا اعلان کیا ہے جو کسی وقت ظلم و تشدد سے مجبور

ہوکر صرف جان بچانے کے لیے زبان سے کفر کا کلمہ ادا کر دیں اور ان کے دل کفر کے عقیدہ سے محفوظ ہوں۔

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (النحل ۲۵)

کا مطلب یہ ہے کہ "ان پر کوئی الزام نہیں ہے جو جبر و تشدد کے طوفان کو دیکھ کر زبان سے کفر کا کلمہ کہہ دیں حالانکہ ان کے دل ایمان پر مطمئن ہیں"۔

لیکن سیدنا بلال رضؓ نے عزیمت پر عمل کیا اور فیصلہ کیا کہ وہ اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کر سکتے ہیں مگر کفر کے ساتھ صرف زبان سے بھی مصالحت نہیں کر سکتے۔ وہ زندگی سے دستبردار ہو سکتے ہیں لیکن کفر کا کلمہ نہیں کہہ سکتے۔ دوسرے الفاظ میں انہوں نے اعلان کیا کہ اللہ کی راہ میں جان سے ہاتھ دھو لینا میرے لیے آسان ہے بہ مقابلہ اس کے کہ میں طاغوت کے ڈر سے کفر کا کلمہ زبان پر لاؤں اللہ کے کلمہ کے اقرار اور اس کو بلند کرنے کے جرم میں اگر میری جان بھی قربان ہو جائے تو مجھے کچھ پرواہ نہیں ہے۔ اللہ کی راہ میں (جو کہ بڑی عظیم الشان ہے) مجھے اپنی زندگی پرکاہ کے برابر بھی معلوم نہیں ہوتی۔ میں اگر اللہ کی راہ میں قتل بھی ہو جاؤں تو یہ ایک نہایت معمولی بات ہے یہ تھی ان کی رائے جو ان کے طرز عمل کی بنیاد بنی۔

لیکن قریش نے سیدنا بلال رضؓ ـــــ جو مکہ میں امیہ بن خلف کے ہاں ایک سیاہ فام غلام کی حیثیت سے رہ چکے تھے ـــــ کو نہایت معمولی اور حقیر آدمی کی حیثیت سے اپنے ہاتھ سے مزید سزا دینا اپنی شان کے خلاف سمجھا، انہوں نے اسے مکہ کے آوارہ چھوکروں کے حوالہ کیا کہ وہ اس کی پٹائی کر دیں۔ چنانچہ اوباش نوجوانوں نے سیدنا بلال رضؓ کو مکہ کی گھاٹیوں میں ـــ جو کہ پتھریلی اور سخت گرم تھیں ـــ خوب گھسیٹا، مارا اور طرح طرح کی اذیتیں دیں لیکن ان کی زبان سے صرف ایک ہی صدا بلند ہوتی تھی کہ اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد ابو جہل نے حضرت سُمیّہؓ کو قتل کر دیا وہ اسلام میں پہلی شہید ہیں۔

دس صحابہ دشمنوں کے نرغے میں

(۲۴۸) بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَشَرَۃً عَیْنًا وَاَمَّرَ عَلَیْہِمْ عَاصِمَ بْنَ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِیَّ جَدَّ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ حَتّٰی اِذَا کَانُوْا بِالْھَدْاَۃِ بَیْنَ عُسْفَانَ وَمَکَّۃَ ذُکِرُوْا لِحَیٍّ مِّنْ ھُذَیْلٍ یُقَالُ لَھُمْ بَنُوْ لِحْیَانَ فَنَفَرُوْا لَھُمْ بِقَرِیْبٍ مِّنْ مِّائَۃِ رَجُلٍ رَامٍ فَاقْتَصُّوْا اٰثَارَھُمْ حَتّٰی وَجَدُوْا مَأْکَلَھُمُ التَّمْرَ فِیْ مَنْزِلٍ نَزَلُوْہُ فَقَالُوْا تَمْرُ یَثْرِبَ فَاتَّبَعُوْا اٰثَارَھُمْ فَلَمَّا حَسَّ بِھِمْ عَاصِمٌ وَاَصْحَابُہٗ لَجَئُوْا اِلٰی مَوْضِعٍ فَأَحَاطَ بِھِمُ الْقَوْمُ فَقَالُوْا لَھُمْ اِنْزِلُوْا فَاَعْطُوْا بِاَیْدِیْکُمْ وَلَکُمُ الْعَھْدُ وَالْمِیْثَاقُ اَنْ لَّا نَقْتُلَ مِنْکُمْ اَحَدًا فَقَالَ عَاصِمُ بْنُ ثَابِتٍ اَیُّھَا الْقَوْمُ أَمَّا اَنَا فَلَا اَنْزِلُ فِیْ ذِمَّۃِ کَافِرٍ ثُمَّ قَالَ اَللّٰھُمَّ اَخْبِرْ عَنَّا نَبِیَّکَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَرَمَوْھُمْ بِالنَّبْلِ فَقَتَلُوْا عَاصِمًا وَنَزَلَ اِلَیْھِمْ ثَلَاثَۃُ نَفَرٍ عَلَی الْعَھْدِ وَالْمِیْثَاقِ مِنْھُمْ خُبَیْبٌ وَزَیْدُ بْنُ الدَّثِنَۃِ وَرَجُلٌ اٰخَرُ فَلَمَّا اسْتَمْکَنُوْا مِنْھُمْ اَطْلَقُوْا اَوْتَارَ قِسِیِّھِمْ فَرَبَطُوْھُمْ بِھَا قَالَ الرَّجُلُ الثَّالِثُ ھٰذَا اَوَّلُ الْغَدْرِ وَاللّٰہِ لَا اَصْحَبُکُمْ، اِنَّ لِیْ بِھٰؤُلَاۗءِ اُسْوَۃً یُرِیْدُ الْقَتْلٰی فَجَرَّرُوْہُ وَعَالَجُوْہُ فَأَبٰی اَنْ یَّصْحَبَھُمْ فَانْطَلَقَ بِخُبَیْبٍ وَزَیْدِ بْنِ الدَّثِنَۃِ حَتّٰی بَاعُوْھُمَا بَعْدَ وَقْعَۃِ بَدْرٍ فَابْتَاعَ بَنُو الْحَارِثِ بْنِ عَامِرِ بْنِ نَوْفَلٍ خُبَیْبًا وَکَانَ خُبَیْبٌ ھُوَ قَتَلَ الْحَارِثَ ابْنَ عَامِرٍ یَوْمَ بَدْرٍ فَلَبِثَ خُبَیْبٌ عِنْدَھُمْ اَسِیْرًا

حَتّٰى اَجْمَعُوْا قَتْلَهٗ فَاسْتَعَارَ مِنْ بَعْضِ بَنَاتِ الْحَارِثِ
مُوْسٰى يَسْتَحِدُّ بِهَا فَاَعَارَتْهُ فَدَرَجَ بُنَيٌّ لَهَا وَهِيَ غَافِلَةٌ
عَنْهَا حَتّٰى اَتَاهُ فَوَجَدَتْهُ مُجْلِسَهٗ عَلٰى فَخِذِهٖ وَالْمُوْسٰى
بِيَدِهٖ قَالَتْ فَفَزِعْتُ فُزْعَةً عَرَفَهَا خُبَيْبٌ فَقَالَ
اَتَخْشَيْنَ اَنْ اَقْتُلَهٗ مَا كُنْتُ لِاَفْعَلَ ذٰلِكَ قَالَتْ
وَاللّٰهِ مَا رَأَيْتُ اَسِيْرًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ خُبَيْبٍ وَاللّٰهِ لَقَدْ
وَجَدْتُهٗ يَوْمًا يَأْكُلُ قِطْفًا مِنْ عِنَبٍ فِيْ يَدِهٖ وَاِنَّهٗ
لَمُوْثَقٌ بِالْحَدِيْدِ وَمَا بِمَكَّةَ مِنْ ثَمَرَةٍ وَكَانَتْ تَقُوْلُ اِنَّهٗ
لَرِزْقٌ رَزَقَهُ اللّٰهُ خُبَيْبًا فَلَمَّا خَرَجُوْا بِهٖ مِنَ الْحَرَمِ
لِيَقْتُلُوْهُ فِي الْحِلِّ قَالَ لَهُمْ خُبَيْبٌ، دَعُوْنِيْ اُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ
فَتَرَكُوْهُ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَوْلَا اَنْ تَحْسَبُوْا اَنَّ
مَابِيْ جَزَعٌ لَزِدْتُ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ اَحْصِهِمْ عَدَدًا وَ
اقْتُلْهُمْ بَدَدًا وَلَا تُبْقِ مِنْهُمْ اَحَدًا ثُمَّ اَنْشَأَ يَقُوْلُ

فَلَسْتُ اُبَالِيْ حِيْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰى اَيِّ جَنْبٍ كَانَ فِي اللّٰهِ مَصْرَعِيْ
وَذٰلِكَ فِيْ ذَاتِ الْاِلٰهِ وَاِنْ يَّشَأْ
يُبَارِكْ عَلٰى اَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعٍ

ثُمَّ قَامَ اِلَيْهِ اَبُوْسِرْوَعَةَ عُقْبَةُ بْنُ الْحَارِثِ فَقَتَلَهٗ
ــــ وَكَانَ خُبَيْبٌ هُوَ سَنَّ لِكُلِّ مُسْلِمٍ قُتِلَ صَبْرًا
الصَّلٰوةَ وَاَخْبَرَ اَصْحَابَهٗ يَوْمَ اُصِيْبُوْا خَبَرَهُمْ وَبَعَثَ
نَاسٌ مِنْ قُرَيْشٍ اِلٰى عَاصِمِ بْنِ ثَابِتٍ حِيْنَ حُدِّثُوْا اَنَّهٗ
قُتِلَ اَنْ يُؤْتَوْا بِشَيْءٍ مِنْهُ يُعْرَفُ وَكَانَ قَتَلَ رَجُلًا عَظِيْمًا
مِنْ عُظَمَائِهِمْ فَبَعَثَ اللّٰهُ لِعَاصِمٍ مِثْلَ الظُّلَّةِ مِنَ

الدَّبْرِ فَحَمَتْهُ مِنْ رُسُلِهِمْ فَلَمْ يَقْدِرُوْا اَنْ يَّقْطَعُوْا مِنْهُ شَيْئًا۔ (بخاری عن ابی ہریرہ کتاب المغازی کتاب الجہاد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے لیے عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی امارت میں دس آدمیوں کو بھیجا۔ یہاں تک کہ جب وہ ھدأة (عسفان اور مکہ کے درمیان واقع ہے اور عسفان سے سات میل دور ہے) پہنچے تو بنو لحیان کو ان کے آنے سے مطلع کر دیا گیا تقریباً ایک سو تیر انداز آدمی ان سے لڑنے کے لیے نکل پڑے اور ان کے نشانات قدم پر چلتے رہے بالآخر وہ اس مقام پر پہنچ گئے جہاں ان دس آدمیوں نے کھجور کھائی تھی (کھجور کی گٹھلیوں کو دیکھ کر) بولے یہ تو یثرب کی کھجور ہے پھر ان کے نشانات قدم کا تعاقب کر کے ان کو جا لیا۔

جب حضرت عاصمؓ اور ان کے رفقاء نے محسوس کیا کہ ہم تیر اندازوں کی زد میں ہیں تو انہوں نے ایک اونچے ٹیلے پر پناہ لی۔ تیر اندازوں نے ہر طرف سے ان کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اور ان سے کہا: تم نیچے اترو اور اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کر دو ہم عہد کرتے ہیں اور یقین دلاتے ہیں کہ ہم تم میں سے کسی کو بھی قتل نہ کریں گے عاصم نے کہا میں کسی کافر کے عہد و پیمان پر اترنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ اور پھر دعا کی، اے اللہ! تو اپنے نبی کو ہمارے حالات سے آگاہ کر دے، پھر ان کافروں نے تیر اندازی کر کے عاصم (اور اس کے چھ ساتھیوں) کو قتل کر دیا حضرت خبیبؓ، زید بن دثنہؓ اور عبداللہ بن طارقؓ ان کے عہد پر اترے لیکن قابو پاتے ہی انہوں نے کمانوں کی تاروں سے انہیں باندھ لیا۔ عبداللہ بن طارق نے کہا یہ پہلی بدعہدی ہے اللہ کی قسم! میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا۔ میں اپنے (شہید ہونے والے) ساتھیوں کی پیروی کرونگا۔

اپنے ساتھ لے جانے کی غرض سے انہوں نے اسے گھسیٹا اور پورا زور لگایا۔ مگر اس نے ان کے ساتھ جانے سے صاف انکار کر دیا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔

خُبیب بن عدی اور زید بن دَثِنہ کو مکہ لے جا کر انہوں نے بیچ ڈالا۔ (یہ غزوۂ بدر کے بعد کا واقعہ ہے) حارث بن عامر کی اولاد نے خبیب کو خرید لیا۔ کیونکہ اس نے بدر میں ان کے باپ حارث بن عامر کو قتل کیا تھا خبیبؓ ان کے ہاں قیدی کی حیثیت سے رہ پڑے۔ اس کے متعلق انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ بہر حال اسے قتل کرنا ہے اسارت کے زمانہ میں سیدنا خبیبؓ نے زیر ناف کے بالوں کو صاف کرنے کے لیے حارث کی ایک لڑکی سے استرہ مستعار لیا۔

اُس کا ایک چھوٹا بچہ (ابو الحسین) چل کر سیدنا خبیب کے پاس آگیا انہوں نے اسے اپنی ران پر بٹھا لیا اور استرہ ان کے ہاتھ میں تھا (اس کی ماں کو بالکل خبر نہیں تھی) بچے کی ماں نے جب اچانک یہ صورت حال دیکھی تو وہ سخت گھبرا اٹھی (اور بے چین ہو گئی) سیدنا خبیبؓ نے اس کی پریشانی دیکھ کر فرمایا کیا تمہیں اندیشہ ہے کہ میں بچے کو قتل کر دوں گا۔؟ مجھ سے یہ ذلیل حرکت کبھی سرزد نہ ہو گی وہ خاتون (غالباً ان کا نام زینب بنت حارث ہے) کہتی ہیں اللہ کی قسم! میں نے خبیبؓ سے بہتر کوئی قیدی نہیں دیکھا ایک دن میں نے ان کے ہاتھ میں انگور کا خوشہ دیکھا جسے وہ کھا رہے تھے حالانکہ وہ لوہے کی زنجیریں جکڑے ہوئے تھے اور مکہ میں یہ پھل نہیں تھا (یعنی اس کا موسم نہیں تھا) یہ اللہ تعالیٰ نے خبیبؓ کو رزق عطا فرمایا تھا۔ جب وہ اسے قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر نکلے اور تنعیم پہنچے تو خبیبؓ نے ان سے کہا مجھے چھوڑ دیجئے میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ انہوں نے اسے چھوڑ دیا (زنجیر اور ہتھکڑی سے آزاد کر دیا) اس نے دو

رکعت نماز ادا کی اور کہا "اللہ کی قسم اگر تم یہ گمان نہ کرتے کہ میں موت سے گھبرا گیا ہوں تو میں زیادہ نماز ادا کرتا۔" یہ کہہ کر اس نے اللہ سے دعا کی اے اللہ! انہیں ہلاک کر دے۔ ایک ایک کر کے انہیں مار ڈال، اور ان میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑ پھر انہوں نے یہ شعر کہے۔

فَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا

عَلٰی اَیِّ جَنْبٍ کَانَ لِلّٰہِ مَصْرَعِیْ!

وَذٰلِکَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَّشَاْ

یُبَارِکْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعٖ

"میں مسلم کی حیثیت سے قتل کیا جاؤں تو مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ اللہ کی راہ میں کس پہلو پر گرا ہوں۔ میں اللہ کی رضا کے لیے جان دے رہا ہوں۔ اگر وہ چاہے تو میرے کٹے ہوئے جسم کے اعضاء میں برکت دے۔"

پھر عقبہ بن حارث نے اُٹھ کر اسے قتل کر دیا۔ ہر وہ مسلمان جو باندھ کر قتل کیا جائے، حضرت خبیبؓ نے اس کے لیے یہ طریقہ جاری کیا ہے کہ وہ قتل ہونے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرے۔

جس روز ان کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو اس سے مطلع فرما دیا۔

جس وقت مکہ میں عاصمؓ کے شہید ہونے کی خبر پہنچی تو قریش نے کچھ لوگ عاصم کی لاش کی طرف روانہ کیے تاکہ وہ اس کے جسم کا کوئی حصہ لا کر دیں جس سے اس کی شناخت ہو سکے — عاصمؓ نے ان کے ایک بڑے لیڈر عقبہ بن ابی مُعیط کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے غزوۂ بدر سے لوٹتے ہوئے عرق الظُّبیہ کے مقام پر قتل کیا تھا —

لیکن اللہ تعالیٰ نے عاصم کی حفاظت کے لیے سائبان کی طرح بھڑوں کا

ایک چھتہ بھیج دیا۔ بھڑوں نے انہیں اس کے قریب نہ پھٹکنے دیا وہ اپنی ساری کوششوں کے باوجود اس کے جسم کے کسی حصہ کو بھی کاٹ کر نہ لے جا سکے۔

تشریح: اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ بنی ھذیل کے خالد بن سفیان نے محرم ۴ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک بہت بڑی جمعیت اکٹھی کر لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن انیس کو اس کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا عبداللہؓ بن انیس نے اسے بری طرح شکست دی اور اس کا سر کاٹ کر لے آیا اور حضور کے سامنے ڈال دیا۔

خالد بن سفیان کا انتقام لینے کے لیے بنی ھُذَیل نے ایک خفیہ سازش تیار کی صفر ۴ھ میں عضل اور قارہ ــــ جو کہ بلاد ھُذیل میں رہتے تھے ــــ کے چند آدمی مدینہ آئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہماری بستیوں میں اسلام ہے آپ ہمارے ساتھ چند ذی علم صحابہ روانہ فرمائیں جو ہمیں قرآن پڑھائیں اور دین کے احکام سکھائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی امارت میں دس صحابہ ان کے ساتھ روانہ فرمائے تاکہ وہ ان لوگوں کو دین کی تعلیم دیں اور ساتھ ہی قریش کی سرگرمیوں پر نظر رکھیں اور ان کی خلاف اسلام تیاریوں کے سلسلہ میں معلومات بھی حاصل کرتے رہیں۔ رجیع کے مقام پر عضل اور قارہ کے آدمیوں نے غداری کی اور چیخ چیخ کر ھُذیل کو بلا لیا۔ یہ دس صحابہ ان سے الگ ہو کر چھپ گئے۔ رات کو سفر کرتے اور دن کو سوتے بالآخر ھُذیل کے تقریباً ایک سو تیر اندازوں نے تعاقب کر کے ان کا گھیراؤ کر لیا۔ ان دس افراد میں سے سات حضرات کے نام یہ ہیں۔

۱۔ عاصم بن ثابت رضؓ

۲۔ ثابت بن ابی القلح رضؓ

۳۔ مرثد بن ابی مرثد الغنوی رضؓ

۴۔ خالد بن بکیر رضؓ

۵۔ عبداللہ بن طارق رضؓ

۶۔ زید بن دثنہ رضؓ

۷۔ خُبیب بن عدی رضؓ

زید بن دثنہ رضؓ کو صفوان بن امیہ نے اپنے باپ کا انتقام لینے کے لیے خریدا کیونکہ زید نے غزوۂ بدر میں امیہ کو جہنم رسید کیا تھا۔

عاصم نے غزوۂ بدر میں عقبہ بن ابی مُعیط کو اور غزوۂ احد میں دو نوجوانوں کو جہنم رسید کیا تھا ان کی ماں سُلافہ بنت سعد نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر ہو سکا تو وہ عاصم کی کھوپڑی میں شراب پیئے گی۔

جب مکہ میں ان کے شہید ہونے کی خبر پہنچی تو بعض قریش نے ان کا سر اور جسم کے کسی حصہ کے گوشت کو کاٹ کر لے جانے کے لیے مکہ سے کچھ آدمی بھیجے لیکن وہ ناکام لوٹے۔

ایک اور بات قابل ذکر یہ ہے کہ ابوسفیان نے تنعیم میں خُبیب رضؓ سے پوچھا کیا تو اس بات میں خوشی محسوس کرتا ہے کہ ہم یہاں "محمدؐ" کی گردن اُڑا دیں اور تو اپنے بال بچوں میں ہو؟ اس نے کہا نہیں اللہ کی قسم مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں ہے کہ میں اپنے بال بچوں میں بیٹھا رہوں اور "محمدؐ" صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اپنے مکان میں ایک کانٹا چُبھے۔

اقامتِ دین اور فاقہ

(۲۴۹) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ خَرَجْنَا وَ نَحْنُ ثَلَاثُمِائَۃٍ نَحْمِلُ زَادَنَا عَلٰی رِقَابِنَا فَفَنِیَ زَادُنَا حَتّٰی کَانَ الرَّجُلُ مِنَّا یَأْکُلُ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ تَمْرَۃً۔

(بخاری کتاب الجہاد۔ کتاب المغازی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ (قریش کے تجارتی قافلہ کے تعاقب میں) ہم تین سو آدمی نکلے۔ ہم نے زادراہ اپنے سروں پر اٹھا رکھا تھا۔ جب وہ ختم ہو گیا تو پھر ہم میں سے ہر مجاہد صرف ایک کھجور کھانے پر اکتفا کرتا۔

تشریح: یہ غزوہ سیف البحر کے نام سے مشہور ہے اور صلح حدیبیہ ۶ھ سے پہلے ہوا ہے بعض روایات میں اس سے زیادہ یہ وضاحت ملتی ہے کہ

"ہمارے امیر جیش ابوعبیدہ بن الجراحؓ ہم میں سے ہر شخص کو کھانے کے لیے صرف ایک ایک کھجور دیتے ہم اس کھجور کو بچے کی طرح چوستے اور اس پر پانی پی لیتے یہ ایک کھجور ہمیں دن بھر کے لیے کافی ہوتی۔ ہم شدید بھوک کے دوران لاٹھیوں سے درخت کے پتے جھاڑتے اور اسے پانی میں بھگو کر کھاتے" (ابوداؤد)

قرن اول کے مسلمانوں کے ایثار، اخلاص اور قناعت کے کارنامے پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے یہ تھے وہ لوگ جو اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے اُٹھے اور فی الواقع اسے قائم کر کے دکھا دیا، "اقامتِ دین" کی یہ بھی ایک منزل ہے جسے نگاہوں سے اوجھل نہ ہونا چاہیئے۔

(۲۵۰) عَنْ جَابِرٍ قَالَ: سِرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ قُوْتُ كُلِّ رَجُلٍ كُلَّ يَوْمٍ تَمْرَةً فَكَانَ يَمُصُّهَا ثُمَّ يَصُرُّهَا فِيْ ثَوْبِهٖ وَكُنَّا نَخْتَبِطُ بِقِسِيِّنَا وَنَأْكُلُ حَتّٰى قَرِحَتْ اَشْدَاقُنَا فَاُقْسِمُ اُخْطِئَهَا رَجُلٌ مِنَّا يَوْمًا فَانْطَلَقْنَا بِهٖ نَنْعَشُهٗ فَشَهِدْنَا لَهٗ اَنَّهٗ لَمْ يُعْطَهَا فَاُعْطِيَهَا فَقَامَ فَاَخَذَهَا

(مسلم کتاب الزھد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں (ایک غزوہ پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوا۔ ہم میں سے ہر شخص کو سارے دن میں ایک کھجور ملتی تھی۔ وہ اسے چوس کر اپنے

کپڑے میں باندھ لیتا تھا ہم اپنی کمانوں سے درختوں کے پتے جھاڑ کر کھاتے تھے یہاں تک کہ ہماری باچھیں زخمی ہوگئیں پھر جابر رضؓ نے قسم کھا کر کہا۔ کھجور بانٹنے والے کی غلط فہمی کی وجہ سے ایک دن ہمارے ایک رفیق کو اس کے حصہ کی کھجور نہ ملی ہم اسے ناظم طعام کے پاس لے کر گئے تاکہ وہ اپنے حصہ کی کھجور کھا کر کمزوری اور تکلیف سے نجات پائے ہم نے گواہی دی کہ اسے کھجور نہیں ملی تب منتظم نے اسے کھجور دی۔ اور اس نے اٹھ کر اپنے حصہ کی کھجور وصول کر لی۔

تشریح: بصرہ کے گورنر حضرت عقبہ بن غزوان رضؓ کی یہ تقریر بھی قابل غور ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمیت سات افراد کی جماعت کا ایک فرد میں بھی تھا، ہمارے پاس کھانے کے لیے کچھ نہ تھا سوائے درخت کے پتوں کے یہاں تک کہ ان کے کھانے سے ہماری باچھیں زخمی ہوگئیں۔ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ میں دل میں اپنے آپ کو بڑا سمجھوں اور اللہ کی نگاہ میں چھوٹا ہوں۔ (مسلم کتاب الزھد)

حقیقت یہ ہے کہ دین کی دعوت اور اقامت کا کام بچوں کا کھیل نہیں ہے اس میں ہر طرح کی آزمائش سے دوچار ہونا پڑتا ہے یہاں تک کہ درختوں کے پتے کھا کھا کر باچھوں کو زخمی کرنے کی نوبت بھی آسکتی ہے جو شخص اس راہ میں جان اور مال قربان کرنے کا حوصلہ نہ رکھتا ہو وہ اس کوچہ کا رخ ہی نہ کرے یہ کیسے پاکیزہ ارواح تھے جو تنگ دستی اور ناداری کے باوجود بھی باطل سے خم ٹھونک کر ٹکر لیتے تھے اور کسی قسم کی مادی رکاوٹ ان کا راستہ نہ روک سکتی تھی لیکن خدا پرستی، تواضع اور احتیاط کا یہ حال ہے کہ وہ اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ "اے رب کریم! تو ہمیں فریب نفس سے محفوظ رکھ میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ فریب نفس میں مبتلا ہو کر اپنی عظمت کا خیالی پلاؤ پکاتا پھروں اور اپنے آپ کو دین کا بڑا خادم سمجھوں درآنحالیکہ تیری نگاہ میں، میں حقیر اور بے وزن

قرار پاؤں"۔

اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا دینے کے باوجود یہ خوف اور دعا، اس بات کی علامت ہے کہ وہ خدا کے سامنے جوابدہی پر یقین رکھتے تھے اور اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے تھے۔

اقامت دین اور جسمانی تکلیف

(۳۵۱) عَنْ اَبِی مُوْسٰی قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ غَزَاۃٍ وَنَحْنُ سِتَّۃُ نَفَرٍ بَیْنَنَا بَعِیْرٌ نَعْتَقِبُہٗ قَالَ فَنَقِبَتْ اَقْدَامُنَا فَنَقِبَتْ قَدَمَایَ وَسَقَطَتْ اَظْفَارِیْ فَکُنَّا نَلُفُّ عَلٰی اَرْجُلِنَا الْخِرَقَ فَسُمِّیَتْ غَزْوَۃَ ذَاتِ الرِّقَاعِ لِمَا کُنَّا نَعْصِبُ عَلٰی اَرْجُلِنَا مِنَ الْخِرَقِ۔

(مسلم کتاب الجہاد۔ بخاری کتاب المغازی)

حضرت ابو موسٰی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ ہم ایک غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے۔ ہم چھ آدمی ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے ہم اپنے پاؤں پر چیتھڑے لپیٹتے تھے اس غزوہ کا نام غزوۂ ذات الرقاع اس لیے پڑ گیا کہ ہم اپنے زخمی پاؤں پر پٹیاں باندھتے تھے۔

تشریح: اس غزوہ میں گرمی کی شدت میں پیدل سفر کرنے کی وجہ سے مجاہدین کے پاؤں زخمی ہو کر ان میں چھالے پڑ گئے تھے۔ لیکن اللہ کے دین کو غالب کرنے کے عشق میں کوئی آزمائش اور تکلیف حائل نہ ہو سکی۔

صحابہ پر عسرت کا دور

(۳۵۲) عَنْ خَبَّابٍ، قَالَ ھَاجَرْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

نَلْتَمِسُ وَجْهَ اللّٰهِ فَوَقَعَ اَجْرُنَا عَلَى اللّٰهِ فَمِنَّا مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْئًا مِنْهُمْ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَ مِنَّا مَنْ اَيْنَعَتْ لَهٗ ثَمَرَتُهٗ فَهُوَ يَهْدِبُهَا قُتِلَ يَوْمَ اُحُدٍ فَلَمْ نَجِدْ مَا نُكَفِّنُهٗ بِهٖ اِلَّا بُرْدَةً، اِذَا غَطَّيْنَا بِهَا رَأْسَهٗ خَرَجَتْ رِجْلَاهُ وَ اِذَا غَطَّيْنَا رِجْلَيْهِ خَرَجَ رَأْسُهٗ فَاَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نُغَطِّيَ رَأْسَهٗ وَاَنْ نَجْعَلَ عَلٰى رِجْلَيْهِ مِنَ الْاِذْخِرِ۔

(بخاری کتاب الجنائز۔ کتاب المغازی)

حضرت خبّاب بن ارتّ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ ہم نے صرف اللہ کی رضا کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی، اللہ ہمیں اس کا اجر دے گا۔ ہم میں سے بعض تو اپنی محنت کا پھل کھائے بغیر دنیا سے چل بسے (فتوحات اور غنائم کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا) ان میں سے ایک مُصعب بن عُمیر رضی اللہ عنہ ہیں وہ غزوۂ احد (۳ھ) میں شہید ہوئے ان کو کفن پہنانے کے لیے ہمیں کوئی کپڑا نہ ملا سوائے ایک دھاریدار چادر کے۔ اس چادر سے جب ہم ان کا سر ڈھانپتے تو ان کے پاؤں ننگے رہتے اور جب اسے ان کے پاؤں پر ڈالتے تو ان کا سر کھلا رہتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ان کے سر کو ڈھانپنے اور پاؤں پر خوشبودار گھاس ڈالنے کا حکم دیا اور ہم میں سے بعض لوگوں کے پھل (دنیا میں) پک گئے اور وہ اسے کاٹنے لگے۔

تشریح: مُصعب بن عُمیرؓ جاہلیت کے زمانہ میں بڑے خوش لباس اور دولت مند آدمی تھے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت میں شامل ہونے کے بعد دینِ حق کے مخلص اور جانباز سپاہی کی کُل کائنات صرف دھاریدار چادر تھی دین کو غالب کرنے والی کشمکش میں سر دھڑ کی بازی لگا کر اس نے اپنا سر رحمان کے قدموں میں

ڈال دیا ہے

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

یہ اس دور کی بات ہے جبکہ اسلام کو عرب میں سیاسی لحاظ سے غلبہ حاصل نہیں ہوا تھا مسلمانوں کی معاشی حالت تنگ دستی اور ترک وطن کی وجہ سے زبوں حالی کا شکار تھی۔

صحابۂ کرامؓ خوشحالی سے خائف تھے

(۳۵۳) اِنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ أُتِيَ بِطَعَامٍ وَكَانَ صَائِمًا فَقَالَ قُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَهُوَ خَيْرٌ مِّنِّيْ كُفِّنَ فِيْ بُرْدَةٍ اِنْ غُطِّيَ رَأْسُهٗ بَدَتْ رِجْلَاهُ وَاِنْ غُطِّيَ رِجْلَاهُ بَدَا رَأْسُهٗ ـــ وَأُرَاهُ قَالَ ـــ وَقُتِلَ حَمْزَةُ وَهُوَ خَيْرٌ مِّنِّيْ ثُمَّ بُسِطَ لَنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا بُسِطَ اَوْقَالَ اُعْطِيْنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا اُعْطِيْنَا وَقَدْ خَشِيْنَا اَنْ تَكُوْنَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا ثُمَّ جَعَلَ يَبْكِيْ حَتّٰى تَرَكَ الطَّعَامَ۔

(بخاری کتاب الجنائز۔ کتاب المغازی)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ روزہ سے تھے ان کے لیے افطاری کا کھانا لایا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت مُصعب بن عُمیرؓ (غزوۂ احد میں) قتل کیے گئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے ان کو کفن پہنانے کے لیے ایک دھاریدار چادر ملی اس سے اگر ان کا سر ڈھانپا جاتا تو ان کے پاؤں کھل جاتے اور اگر اُن کے پاؤں کو ڈھانپا جاتا تو ان کا سر ظاہر ہو جاتا ـــ اور حضرت حمزہؓ (بھی غزوۂ احد میں) قتل کیے گئے وہ بھی مجھ سے بہتر تھے۔ ہمارے لیے تو مال و دولت کے انبار لگ گئے ہیں ڈر لگتا ہے کہ شاید ہماری نیکیوں کا پھل بہت جلد مل رہا ہے

پھر وہ رونے لگے (اور مسلسل روتے رہے) یہاں تک کہ انہوں نے کھانا بھی نہ کھایا۔

تشریح: سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو بھی کفن پہنانے کے لیے صرف ایک چادر میسر آسکی۔

اصحاب صُفّہ کی عُسرت کا انداز

(۲۵۴) عَنْ مُحَمَّدٍ، قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَشَّقَانِ مِنْ كَتَّانٍ فَتَمَخَّطَ فَقَالَ بَخْ بَخْ أَبُوهُرَيْرَةَ يَتَمَخَّطُ فِي الْكَتَّانِ لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنِّي لَأَخِرُّ فِيمَا بَيْنَ مِنْبَرِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى حُجْرَةِ عَائِشَةَ مَغْشِيًّا عَلَيَّ فَيَجِيءُ الْجَائِي فَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلَى عُنُقِي وَيُرَى أَنِّي مَجْنُونٌ وَمَا بِي مِنْ جُنُونٍ مَا بِي إِلَّا الْجُوعُ۔

محمد بن سیرین (مشہور تابعی) سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابوہریرہ رض کے پاس تھے انہوں نے کتان کے دو کپڑے، جو گیرو میں رنگے ہوئے تھے پہن رکھے تھے انہوں نے ناک صاف کرتے ہوئے فرمایا

واہ واہ ابوہریرہ! کتان کے کپڑے سے ناک صاف کرتا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر سے حضرت عائشہ رض کے مکان تک کسی جگہ بے ہوش ہو کر گر پڑتا تھا جو شخص بھی آتا وہ میری گردن پر پاؤں رکھتا اور مجھے مجنون سمجھتا حالانکہ مجھے جنون نہیں تھا بلکہ بھوک کی وجہ سے یہ کیفیت طاری ہو جاتی۔

تشریح: لیکن عزت نفس اور خودداری کا یہ عالم تھا کہ زبان پر کوئی حرف شکایت نہیں آتا تھا۔

(۲۵۵) عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا صَلّٰى بِالنَّاسِ يَخِرُّ رِجَالٌ مِنْ قَامَتِهِمْ فِي الصَّلٰوةِ مِنَ الْخَصَاصَةِ وَهُمْ اَصْحَابُ الصُّفَّةِ حَتّٰى تَقُوْلَ الْاَعْرَابُ هٰؤُلَاءِ مَجَانِيْنُ اَوْ مَجَانُوْنَ فَاِذَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا لَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ لَاَحْبَبْتُمْ اَنْ تَزْدَادُوْا فَاقَةً وَحَاجَةً قَالَ فَضَالَةُ اَنَا يَوْمَئِذٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ترمذی ابواب الزھد)

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کو نماز پڑھاتے تو "اصحابِ صُفّہ" بھوک اور کمزوری کی وجہ سے نماز میں گر پڑتے تھے یہ حالت دیکھ کر دیہات سے آئے ہوئے لوگ کہتے ان کو جنون ہو گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر ان کی طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے کہ اللہ کے نزدیک تمہارا جو مرتبہ ہے اور اس نے تمہیں جو انعام دینا ہے اگر تم اسے جان لو تو بھوک اور ناداری کو زیادہ چاہنے لگو حضرت فضالہؓ کہتے ہیں میں اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔

تشریح: عربی میں "صُفّہ" صحن اور دالان کے علاوہ ایک ایسے مکان کو بھی کہتے ہیں جس پر کھجور کی چھت پڑی ہو مسجد نبوی کے چبوترہ میں ستّر افراد قیام پذیر تھے ان میں حالات کے مطابق کمی بیشی بھی ہوتی رہتی تھی ان کو "اصحابِ صُفّہ" کہتے ہیں ان لوگوں نے اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینہ کو اپنا مستقر بنا لیا تھا۔ ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے تھے۔ آپؐ انہیں غزوات پر بھی بھیجتے اور ان سے دوسری دینی خدمات بھی لی جاتی تھیں غزوۂ بئر معونہ میں ان کی معقول تعداد نے جامِ شہادت نوش کیا تھا۔

وہ لوگوں کو قرآن سکھاتے اور وہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن و سنت کا علم حاصل کرتے غرضیکہ ان لوگوں نے اپنے آپ کو ہمہ وقت اللہ کے لیے وقف کر رکھا تھا وہ مسجد نبوی میں سوتے اور وہیں قیام کرتے۔ درسگاہ نبوی کے یہ پاک سیرت طلبہ اور اسلام کے بے لوث کارکن نہایت عسرت اور تنگدستی کے باوجود کسی کے سامنے دستِ احتیاج نہ پھیلاتے تھے کئی کئی دن کے فاقہ نے انہیں اس قدر کمزور کر دیا تھا کہ وہ نماز کے دوران بعض اوقات بے ہوش ہو کر گر پڑتے تھے۔

(۲۵۶) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّھُمْ اَصَابَھُمْ جُوْعٌ فَاَعْطَاھُمْ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَمْرَۃً تَمْرَۃً۔

(ترمذی ابواب القیامۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "اصحاب صفہ" کو بھوک نے ستایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص کو ایک ایک کھجور عنایت فرمائی۔

اقامتِ دین کے راستے میں معاشی مشکلات

(۲۵۷) عَنْ قَیْسٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدًا رَضِیَ اللہُ عَنْہُ یَقُوْلُ اِنِّیْ لَاَوَّلُ الْعَرَبِ رَمٰی بِسَھْمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ، وَکُنَّا نَغْزُوْ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَا لَنَا طَعَامٌ اِلَّا وَرَقُ الشَّجَرِ حَتّٰی اِنَّ اَحَدَنَا لَیَضَعُ کَمَا یَضَعُ الْبَعِیْرُ اَوِ الشَّاۃُ مَا لَہٗ خِلْطٌ ثُمَّ اَصْبَحَتْ بَنُوْ اَسَدٍ تُعَزِّرُنِیْ عَلَی الْاِسْلَامِ لَقَدْ خِبْتُ اِذًا وَضَلَّ عَمَلِیْ وَکَانُوْا وَشَوْا اِلٰی عُمَرَ قَالُوْا لَا یُحْسِنُ یُصَلِّیْ

(بخاری کتاب الرقاق۔ کتاب الاطعمۃ مسلم کتاب الزھد)

قیس سے روایت ہے، انہوں نے کہا میں نے حضرت سعد بن

ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ میں پہلا عرب ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا۔ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ پر جاتے تو ہمیں درخت کے پتوں کے سوا اور کوئی غذا میسر نہ آتی تھی۔ یہاں تک رکہ قلتِ غذا کی وجہ سے) ہماری قضاء حاجت اونٹ۔ یا (آپ نے فرمایا) بکری کی مینگنیوں کی طرح (خشک اور چھوٹی) ہوتی تھی۔ اور بنو اسد کا یہ حال ہے کہ وہ مجھے نماز سکھانے چلے ہیں۔ اگر ان کی بات صحیح ہے تو پھر میں ناکام رہا۔ اور میرا عمل برباد ہو گیا۔ بنو اسد نے حضرت عمر رضؓ سے یہ شکایت کی تھی کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کو نماز پڑھانے کا سلیقہ نہیں آتا۔

تشریح: حضرت سعد بن ابی وقاص نے سترہ سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام کو لبیک کہا۔ وہ ساتویں مسلم تھے۔ یہ ان دس خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت دی تھی۔

"میں پہلا عرب ہوں جس نے اللہ کی راہ میں سب سے پہلے تیر چلایا" یہ اشارہ ہے سریہ عُبیدہ بن حارث کی طرف، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سلسلہ) عُبیدہ بن حارث کی قیادت میں قریش کے قافلہ کا تعاقب کرنے کے لیے ساٹھ آدمی بھیجے تھے۔ رابغ میں مڈبھیڑ ہو گئی۔ یہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان پہلی جنگ تھی۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلے جس نے مشرکین پر تیر اندازی کی تھی وہ تھے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ — عہدِ فاروقی میں یہ کوفہ کے گورنر تھے معاشی بدحالی اور فاقہ کے باوجود اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے صحابہ کرام رضؓ نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دین کی اقامت کا کام کس قدر کٹھن اور صبر آزما ہے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا کوئی مذاق نہیں ہے اس راہ میں ہر طرح کی تکلیفوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

حضرات صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے فی الواقع للہ کی راہ میں جہاد کر کے خدا کے دین کو زمین پر قائم کر دیا۔ اب بھی جو لوگ اس کام کو کرنے کے لیے اُٹھیں انہیں صحابہ کرامؓ جیسا ایمان تعلق باللہ اور اخلاص مہیا کرنا ہو گا۔ اور اس راہ میں ہر طرح کے امتحان اور ابتلا کا چیلنج قبول کرنا ہو گا۔"

باب دہم

اسلامی سیاست

اسلام کا نظامِ حکومت شورائی ہے

(۲۵۸) قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ مُؤَمِّرًا اَحَدًا دُوْنَ مَشْوَرَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ لَاَمَّرْتُ ابْنَ اُمِّ عَبْدٍ۔

(مسند احمد عن علی نمبر ۵۶۶ ترمذی ابواب المناقب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی کو امیر مقرر کرتا تو عبداللہ بن مسعودؓ کو امیر بناتا۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حکومت کا نظام شورائی ہونا چاہیئے۔ ریاست کے سربراہ کا تقرر سب مسلمانوں کے مشورے اور رائے سے عمل میں آئے۔ کیونکہ اسلام میں بادشاہت اور آمریت کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے نظامِ حکومت اور سیاست کا یہ بنیادی اصول بتادیا ہے کہ کسی شخصِ واحد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کی مرضی اور مشورے کے بغیر اقتدار پر قبضہ کرلے اور طاقت کے بل بوتے پر اپنی رائے کو مسلط کرنے کی کوشش کرے۔ یہی وجہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں فرمایا بلکہ اس معاملہ کو امت کی صوابدید پر چھوڑ دیا تاکہ وہ باہمی مشورے کے بعد جس کو اہل سمجھیں حاکم بنالیں۔

قیامت کے دن ہر حکمران سے باز پرس ہوگی

(۲۵۹) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ فَالْاِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى اَهْلِهٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ۔ وَالْمَرْاَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلٰى مَالِ سَيِّدِهٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ اَلَا وَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ۔

(بخاری عن ابن عمر کتاب النکاح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص نگران اور (اللہ تعالیٰ کے ہاں) جوابدہ ہے۔

(۱) اسلامی ریاست کا سربراہ نگران ہے (قیامت کے دن) اس سے (اس کی رعیت کے بارے میں) باز پرس ہو گی۔

(۲) اور ہر شخص اپنے بال بچوں کا حاکم ہے اور جوابدہ ہے۔

(۳) بیوی اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے گھریلو انتظام کے سلسلہ میں اس سے باز پرس ہو گی۔

(۴) خادم اپنے آقا کے مال کا نگران اور ذمہ دار ہے اللہ کے ہاں اسے اس کا حساب دینا ہے آگاہ رہو تم میں سے ہر شخص ذمہ دار اور جوابدہ ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اسلامی ریاست کی صدارت یا وزارت کوئی قابل رشک منصب نہیں ہے بلکہ یہ ایک خطرناک ذمہ داری ہے جو قیامت کے دن سخت احتساب کی زد میں آئے گی۔ بلکہ انتظامیہ اور عدلیہ کا ہر چھوٹا بڑا عہدے دار اور ملازم اپنے تفویض شدہ اختیارات کا نگران ہے قیامت کے دن اس سے فرداً فرداً باز پرس ہو گی ان میں سے جو شخص بھی بددیانت، رشوت خور، کام چور اور ظلم پیشہ ہو گا اسے بڑی طویل اور سنگین سزا دی جائے گی۔ اصولاً یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ ذمہ داری کا ہر منصب، ذمہ داری کے تناسب سے جوابدہی کا منصب ہے۔ جتنی بڑی ذمہ داری اتنی ہی بڑی جوابدہی۔ جوابدہی سے مستثنیٰ کوئی فرد نہیں، (مزید وضاحت کے لیے حدیث ۶۸ دیکھیئے)

اسلام میں حقوق شہریت

(۲۶۰) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (فِيْ حِجَّةِ الْوَدَاعِ) اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ دِمَاءَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا۔

(بخاری عن ابن عمر کتاب الاضاحی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے خون، مال اور آبرو کو محترم قرار دیا ہے جیسا کہ تمہارے شہر (مکہ) میں تمہارے اس مہینہ (ذوالحجہ) میں تمہارا یہ دن محترم ہے۔

تشریح: اس کا مطلب یہ ہے کہ (۱) مسلمان کو قتل کرنا (۲) یا اس کا مال چھیننا (۳) یا اس کی آبرو پر حملہ کرنا ایسا ہی حرام ہے جیسے مکہ کے شہر میں ۱۰ ذوالحجہ کے دن کسی انسان کو قتل کرنا حرام ہے۔

مکہ کے علاوہ کسی جگہ بھی کسی انسان کو قتل کرنا گناہ ہے لیکن اگر کوئی شخص مکہ جیسے مقدس شہر میں ایک انسان کو قتل کرتا ہے تو اس جرم کی سنگینی میں اضافہ ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ ذوالحجہ کے مہینہ میں اس جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو جرم کی سنگینی میں شدت پیدا ہو جاتی ہے اور اگر اس نے ذوالحجہ کی دس تاریخ کو انسانی خون سے اپنے ہاتھ رنگے ہیں تو پھر اس جرم (قتل انسان) کی شدت اور سنگینی میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس نے مکہ جیسے مقدس شہر کی حرمت کو پامال کیا۔ ذوالحجہ کے مہینہ کی حرمت کو تہ و بالا کیا پھر اس نے اس مہینے کی دس تاریخ کے احترام کو مجروح کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ اگر

(۱) تم کسی مسلمان کو قتل کرتے ہو یا

(۲) اس سے اس کا مال چھینتے ہو یا

(۳) اس کی آبرو کو پامال کرتے ہو

تو ان میں سے ہر گناہ اتنا بڑا سنگین ہے گویا کہ تم نے مکہ میں ۱۰ ذوالحجہ کے دن کسی انسان کے قتل کا ارتکاب کیا ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج میں یہ بات ارشاد فرمائی تھی۔ موقع و محل کے لحاظ سے اگر غور کیا جائے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت

ہر مسلمان کی جان و مال نیز اس کی عزت و آبرو کی نگرانی اور حفاظت کی ذمہ دار ہے اسلامی ریاست کے ہر فرد کو حلال کی کمائی سے جائداد بنانے کا حق ہے اور اس کا حقِ ملکیت قابل تسلیم ہونے کے علاوہ اس بات کا بھی متقاضی ہے کہ اسلامی معاشرے میں اس کی جان کی طرح اس کے مال کی حفاظت کی ضمانت بھی اسے حاصل ہونی چاہیئے۔

مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانا

(۲٦۱) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا۔ (مسلم عن ابن عمر کتاب الایمان۔ بخاری کتاب الدیات کتاب الفتن)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہمارے خلاف ہتھیار اٹھائے وہ ہمارے طریقہ پر نہیں ہے۔

تشریح: یعنی کوئی فرد یا گروہ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے ہتھیار اٹھائے، غارت گری، ڈاکہ زنی، اور لوٹ کھسوٹ کی غرض سے حملہ آور ہو یا سیاسی اور گروہی اختلاف کی وجہ سے مسلمانوں پر تشدد کرے تو یہ ایک ایسا سنگین جرم ہے کہ اس کا مرتکب آنجنابؐ کے ارشاد کے مطابق ملت اسلامیہ سے کٹ جاتا ہے۔

مسلمانوں کو قتل کرنا، ان کے گھروں کا جلانا، ان پر حملہ کرنا، انہیں خوف زدہ اور مرعوب کرنے کے لیے دھمکی دینا، اور ان پر تشدد کرنا گناہ ناجائز بلکہ حرام ہے اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ ایسے افراد اور گروہوں کا سختی سے محاسبہ کرے جن سے شہریوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کو خطرہ ہو۔

اسلامی ریاست کی اطاعت

(۲٦۲) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَطَاعَنِيْ

فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ وَمَنْ یُّطِعِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ یَّعْصِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ۔

(بخاری عن ابی ہریرہ کتاب الجہاد مسلم کتاب الامارۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اور جس نے میری نافرمانی کی بے شک اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے "امیر" کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے "امیر" کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی عام آدمی نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے نمائندے اور فرستادہ ہیں ہر انسان پر اللہ کی اطاعت کرنا فرض ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا چاہے اور اس کی ہدایات پر عمل کرنا چاہے وہ زندگی کے تمام شعبوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے کیونکہ آنجناب دین میں اتھارٹی ہیں۔ آپ کو اتھارٹی نہ ماننے اور آپ کی اطاعت نہ کرنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا انکار کیا جا رہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم "رسول" ہونے کے علاوہ اسلامی ریاست کے سربراہ بھی تھے آپ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ "عرب کی اسلامی ریاست میں میں نے جن لوگوں کو بھی امارت کے منصب پر فائز کیا ہے تم ان کی اطاعت کرو جس نے ان کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی، اور جس نے ان کی نافرمانی کی گویا کہ اس نے میری نافرمانی کی کیونکہ میں نے ہی انہیں امیر مقرر کیا ہے"۔

اس حدیث سے یہ بات بھی اخذ کی جا سکتی ہے کہ جب اور جہاں بھی "اسلامی ریاست" قائم ہو، اس کے سربراہ کی اطاعت، ـــــ اور پھر ان حکام کی اطاعت جن کو ریاست کا سربراہ مقرر کرے ـــــ فرض عین ہے اور ان کی اطاعت نہ کرنا معصیت ہے بشرطیکہ وہ خدا اور اس کے رسول کے فرمانبردار ہوں۔ اور شریعت کے مطابق ملک کا نظم و نسق چلا رہے ہوں۔

(۲۶۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَ اِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ حَبَشِیٌّ کَاَنَّ رَأْسَہٗ زَبِیْبَۃٌ۔

(بخاری عن انس بن مالک کتاب الاحکام)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! تم اپنے حاکم کی بات (غور سے) سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ اگرچہ وہ سیاہ فام غلام اور گنجا ہو۔

تشریح: بشرطیکہ وہ معصیت کا حکم نہ دے۔ اگر وہ خدا اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرنے کا حکم دے تو پھر کسی حال میں بھی اس کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

اقتدار کا انجام، ندامت

(۲۶۴) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّکُمْ سَتَحْرِصُوْنَ عَلَی الْاِمَارَۃِ وَسَتَکُوْنُ نَدَامَۃً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَنِعْمَ الْمُرْضِعَۃُ وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَۃُ۔ (بخاری عن ابی ہریرہ کتاب الاحکام)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بہت جلد حکومت کرنے کے حرص میں مبتلا ہو جاؤ گے قیامت کے دن وہ تمہاری شرمندگی کا باعث ہو گی، کیسی عمدہ ہے دودھ پلانے والی اور کتنی بری ہے وہ عورت جس کے بچے کا دودھ چھڑا دیا جائے۔

تشریح: قیامت کے دن وہ حکمران سخت شرمندہ ہو گا جس کے عہدِ حکومت میں اور اس کی سرپرستی میں خیانت، ظلم اور فسق و فجور کی حوصلہ افزائی کی گئی ہو۔ اسے نہ صرف یہ کہ اپنی ذاتی بدکرداریوں کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا بلکہ اللہ تعالیٰ اسے ان تمام بداعمالیوں کی سزا بھی دے گا جو اس کی کوششوں سے ملک میں نشوونما پاتی رہیں، اسی طرح وہ حکمران بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سخت مغضوب ہو گا جس نے اپنے عہد میں عدل و انصاف کو قائم کرنے اور نیکی و بھلائی کو فروغ دینے میں کوتاہی یا چشم پوشی کی تھی۔

"حکومت" آغاز میں بہت اچھی لگتی ہے کیونکہ یہ معاشی خوشحالی، عزت و وقار اور اور مادی لذتوں کے حصول کا ذریعہ ہے لیکن اس کا انجام بہت بُرا ہوتا ہے۔

اس حکمران کے بدنصیب ہونے میں کیا شبہ ہے جو اپنی سیاہ کاریوں کی پاداش میں قتل ہو جائے یا معزول ہو جائے یا ریٹائر کر دیا جائے۔ آخرت میں ظالم اور غلط کار حکمران اپنے نامۂ اعمال کو پڑھ کر سخت شرمندہ ہو گا اور اپنی سیاہ کاریوں کی سزا بھگتنے کے لیے اسے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

اطاعت کے حدود

(۲۶۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنْ اُمِّرَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ مُّجَدَّعٌ یَقُوْدُکُمْ بِکِتَابِ اللّٰہِ فَاسْمَعُوْا لَہٗ وَاَطِیْعُوْا۔

(مشکوٰۃ عن ام الحصین کتاب الامارۃ بحوالہ مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر سیاہ، نکٹا غلام تم پر امیر مقرر کیا جائے تو اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو بشرطیکہ وہ اللہ کی کتاب (قرآن) کے مطابق تم پر حکومت کر رہا ہو۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حکومت کی اطاعت کرنا ضروری اور واجب ہے۔ اسلامی ریاست کے حُکّام اور عُمّال سے تعاون کیا جائے۔ انتظامی اور اجتماعی معاملات میں ان کا ہاتھ بٹایا جائے البتہ اگر وہ اپنی پالیسی، طرزِ عمل اور نظریات میں قرآن مجید کی برملا مخالفت کر رہے ہوں تو ایسے نام نہاد حکمرانوں کو آئینی طریقہ سے بدلنے کی کوشش کی جائے گی اور ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

(۲۶۶) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّمْعُ وَالطَّاعَۃُ حَقٌّ مَالَمْ یُؤْمَرْ بِمَعْصِیَۃٍ فَاِذَا اُمِرَ بِمَعْصِیَۃٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَۃَ۔

(بخاری عن عبداللہ بن عمر کتاب الجہاد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اسلامی ریاست کے سربراہ کی بات)

سننا اور (اس کی) اطاعت کرنا (ہر مسلمان پر) نہایت ضروری اور واجب ہے (چاہے اس کے کسی حکم کی اطاعت کرنا اسے ناگوار ہو) بہر حال وہ اس کی اطاعت کرے (ہاں) جب اسے (حکومت کی طرف سے) گناہ کا حکم دیا جائے تو وہ نہ تو اس کی بات سنے اور نہ اس کے حکم کی تعمیل کرے۔

تشریح: کیونکہ ایک "مسلم" زندگی کے ہر معاملہ میں صرف اللہ تعالیٰ کے احکام اور قوانین کی اطاعت کو مقدم سمجھتا ہے وہ اسلامی حکومت کے سربراہ کی صرف اس لیے اطاعت کرتا ہے کہ وہ اللہ کے نازل کردہ ضابطۂ حیات کے تحت حکومت کا نظام چلا رہا ہے لیکن اگر وہ حکمران اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر اپنے اقتدار کے بل بوتے پر فسق و فجور کو فروغ دینے کی کوشش کر رہا ہے تو وہ اطاعت کا مستحق نہیں ہے بلکہ وہ اس لائق ہے کہ مسلم عوام اسے تخت اقتدار سے الگ کرنے کی مؤثر تدبیر کریں اور کسی ایسے آدمی کے ہاتھ میں اقتدار کی باگ ڈور دیں جو اللہ کا وفادار بندہ ہو۔

اجتماعی زندگی کے تین اصول

(۲۶۷) عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا بَعْدَ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَ وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ اِنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْهَدُ اِلَيْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَ السَّمْعِ وَ الطَّاعَةِ وَ اِنْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ يَرَ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا وَ اِيَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّهَا ضَلَالَةٌ فَمَنْ اَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔

(ترمذی ابواب العلم۔ ابو داؤد کتاب السنۃ)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا۔ ایک دن صبح کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت صاف، مؤثر اور نصیحت سے لبریز تقریر سے ہمیں شاد کام فرمایا (اس کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ حاضرین کی) آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور مارے خوف کے ان کے دل کانپ رہے تھے (یہ منظر دیکھ کر) ایک آدمی نے کہا آپؐ کا یہ خطاب کچھ یوں لگتا ہے جیسے الوداعی خطاب ہو۔ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمیں کس چیز کی وصیت فرماتے ہیں، آپؐ نے فرمایا میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ

(۱) (ہر حال میں) اللہ سے ڈرو اور

(۲) (اسلامی ریاست کے سربراہ کی بات) غور سے سنو اور اس کی فرمانبرداری کرو۔ اگرچہ وہ سیاہ فام غلام ہو، تم میں سے جو شخص (میرے بعد) زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔

(۳) دین میں نئی رسمیں نکالنے سے پرہیز کرو۔ کیونکہ یہ گمراہی ہے تم میں سے جو شخص اس گمراہی سے دوچار ہو وہ صرف میری روش پر چلے اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدینؓ کے طریقے کو اپنائے۔ میرے اور خلفاء راشدین کے طریقہ کو دانتوں سے پکڑ لو۔

تشریح: اس حدیث میں دین کے سلسلہ میں چند اصولی باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۱۔ تم دنیا میں محتاط بن کر رہو بے لگام ہو کر رہنا سخت مضر ہے، آخرت کی جوابدہی کا احساس ہر وقت اور ہر مرحلہ پر تمہیں جھنجوڑتا رہے۔ ہر حال میں تم خدا کے غضب سے بچنے کی کوشش کرتے رہو۔ اس کی نافرمانی نہ کرو۔ ورنہ وہ ناراض ہو کر تمہیں دوزخ میں ڈال دے گا۔

۲۔ اسلامی ریاست کے سربراہ سے بھرپور تعاون کرو، اس کی اطاعت کرو تمہارے

عدم تعاون سے اجتماعی نظام کمزور اور سست ہو جائے گا۔

۳۔ دین حق کی تکمیل ہو چکی ہے اس میں نہ تو ترمیم کرو اور نہ اس میں اضافہ کرنے کی کوشش کرو۔ خدانخواستہ اگر تم نے دین کے نظام میں نئی رسموں کو داخل کیا تو اس سے دین کا حلیہ بگڑ جائے گا اور صحیح راہ تمہاری نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گی۔

۴۔ اگر کبھی دین کے معاملات میں انحراف شروع ہو جائے اور لوگ اپنے گھڑے ہوئے طریقوں پر دین کا بورڈ لگانے لگیں تو تم ان کے مغالطوں کا شکار نہ ہو۔ اِدھر اُدھر بھٹکنے کی بجائے تم صرف اس طریقہ پر چلنے کی کوشش کرو۔ جو نبی صلی اللہ علیہ و سلم اور آپ کے خلفاء راشدین رضؓ سے ثابت ہے۔

آنحضرتؐ کی معیشت

(۲۶۸) قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ، وَالَّذِىْ نَفْسُ اَبِىْ هُرَيْرَةَ بِيَدِهٖ مَا شَبِعَ نَبِىُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَهْلُهٗ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ تِبَاعًا مِنْ خُبْزٍ حَتّٰى فَارَقَ الدُّنْيَا۔ (مسلم عن ابی ہریرہ کتاب الزہد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں ابو ہریرہ کی جان ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے گھر والوں نے مسلسل تین دن تک گندم کی روٹی پیٹ بھر کر کبھی نہیں کھائی یہاں تک کہ آپؐ نے اس دارِ فانی کو خیر باد کہا۔

تشریح: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی تشریف آوری سے یوم وفات تک "آلِ محمدؐ" نے متواتر تین راتوں تک گندم کی روٹی پیٹ بھر کر کبھی نہیں کھائی۔"

یہ ہے اسلامی حکومت کے اولین حکمران کی معیشت، اگر آپؐ چاہتے تو بڑی آسانی کے ساتھ عیش و تنعم کی زندگی بسر کر سکتے تھے آپؐ کے بعد خلفاء راشدینؓ نے بھی بیت المال (خزانہ) کو قوم کی امانت سمجھا۔ بعد کے مسلمان حکمرانوں کی زندگی

سب کے سامنے ہے جنہوں نے بیت المال کو ذاتی مال سمجھا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں۔

"حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال پر کوئی دن ایسا بھی نہیں گزرا جس میں ایک وقت کے کھانے میں کھجور نہ تھی"

حدیث نمبر ۲۶ میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۲۶۹) تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِرْعُهٗ مَرْهُوْنَةٌ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ بِثَلَاثِيْنَ يَعْنِيْ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ۔

(بخاری عن عائشۃ کتاب المغازی مسند احمد ابن عباس)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپؐ کی زرہ، دو من پچیس سیر جو کے عوض ایک یہودی کے ہاں گروی رکھی ہوئی تھی۔

تشریح: یہ غلہ آپؐ نے اہل و عیال کی ضروریات کے لیے حاصل کیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی ریاست کے صدر اور نگرانِ اعلیٰ تھے، آپؐ کے اس طرزِ عمل سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اسلامی نظام چلانے والے حکمرانوں اور سربراہوں کو نہایت سادگی اور کفایت شعاری کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہیئے۔ ملک کے خزانہ کو عوام کی خوشحالی اور فلاح پر خرچ کرنا چاہیئے۔ اس روایت میں دینی راہنماؤں اور سیاسی لیڈروں کو بھی غور کرنا چاہیئے جو اُٹھتے بیٹھتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کی تلقین کرتے پھرتے ہیں لیکن خود اس ہدایت پر عمل کرنے سے اکثر قاصر رہتے ہیں۔

اقتدار کی خواہش

(۲۷۰) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيْتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيْتَهَا عَنْ غَيْرِ

مَسْئَلَةٍ اُعِنْتَ عَلَيْهَا۔ (بخاری کتاب الاحکام مسلم کتاب الامارۃ)

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے) فرمایا عبدالرحمٰن! حکومت طلب نہ کرو اگر تُونے یہ چیز مانگ کر حاصل کی تو تجھے اس کے حوالہ کر دیا جائے گا (اس کا سارا بوجھ تجھے اٹھانا پڑے گا اللہ کی رہنمائی اور مدد شامل حال نہ ہوگی) اور اگر طلب کے بغیر تجھے حکومت کرنے کا موقعہ ملے تو اللہ (نظام حکومت چلانے میں) تیری مدد کرے گا۔

تشریح: حکومت کرنا، اقتدار پر فائز ہونا بڑی خطرناک ذمہ داری ہے کوئی عقلمند آدمی اس کی تمنا نہیں کر سکتا۔ اگر کوشش اور طلب کے بغیر یہ ذمہ داری سر پر آپڑے تو ایک خداترس حکمران اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتے وقت اللہ کی رحمت کو اپنا معاون اور مددگار پائے گا لیکن جو شخص اس کی گراں باری کا احساس نہ کرنے کی وجہ سے کوشش اور جدوجہد سے حکومت حاصل کرتا ہے تو پھر اس بارِ امانت کو اٹھانے اور کاروبارِ حکومت چلانے میں وہ صرف اپنی ذات پر ہی بھروسہ کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ کی تائید و اعانت اور رہنمائی اسے حاصل نہیں ہوتی۔

طلبِ منصب دلیل نااہلیت

(۲۷۱) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلْتُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَرَجُلَانِ مِنْ قَوْمِیْ فَقَالَ اَحَدُ الرَّجُلَيْنِ اَمِّرْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَقَالَ الْاٰخَرُ مِثْلَهٗ فَقَالَ اِنَّا لَا نُوَلِّیْ هٰذَا مَنْ سَاَلَهٗ وَلَا مَنْ حَرَصَ عَلَيْهِ (بخاری کتاب الاحکام)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اپنی قوم کے دو آدمیوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ایک نے درخواست پیش کی حضور! ہمیں حاکم بنا دیجئے دوسرے ساتھی

نے بھی یہی بات کہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ ہم اس آدمی کو حاکم نہیں بناتے جو اس کا طالب ہو۔ اور اس کا لالچ کرتا ہو۔

تشریح: کیونکہ جو شخص حکومت حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرتا ہے اور اقتدار کی مسند پر قابض ہونے کا خواہشمند ہے یا وہ مطالبہ کرتا ہے کہ فلاں عہدہ یا منصب میرے حوالہ کرو وہ ذمہ داری کے احساس سے خالی ہے اس کا یہ طرزِ عمل بتا رہا ہے کہ وہ خدمتِ خلق کے جذبہ سے نہیں بلکہ اپنے ذاتی اغراض کی بنا پہ اس وادیٔ پُر خار میں قدم رکھ رہا ہے۔

کسی ریاست، ادارہ یا پارٹی کی امارت کے لیے سب سے زیادہ موزوں وہ شخص ہے جسے دوسرے لوگ اس منصب کو قبول کرنے کے لیے منتخب کریں یا مجبور کریں۔

اسلامی ریاست کے عہدوں اور مناصب پر ایسے افراد کو فائز کرنا چاہیئے جن کے دلوں میں اقتدار کی معمولی سی خواہش بھی نہ پائی جاتی ہو بلکہ وہ عہدہ اور منصب کا نام سن کر ہی کانپ اٹھیں کہ یہ کام تو ہم سے نہ ہو سکے گا۔

امارت کی ذمہ داری

(۲۷۲) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَا تَسْتَعْمِلُنِیْ؟ قَالَ فَضَرَبَ بِیَدِہٖ عَلٰی مَنْکِبِیْ ثُمَّ قَالَ یَا اَبَا ذَرٍّ اِنَّکَ ضَعِیْفٌ وَاِنَّھَا اَمَانَۃٌ وَاِنَّھَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ خِزْیٌ وَنَدَامَۃٌ اِلَّا مَنْ اَخَذَھَا بِحَقِّھَا وَاَدّٰی الَّذِیْ عَلَیْہِ فِیْھَا (مسلم کتاب الامارۃ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا ایک دن میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ مجھے "عامل" (کسی صوبے کا گورنر) نہیں بناتے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت سے میرے کندھے پر اپنا دست مبارک مارا، پھر

فرمایا ابوذر! تم کمزور آدمی ہو حکومت (اللہ کی) امانت ہے یہ قیامت کے دن رسوائی اور شرمندگی کا باعث ہوگی۔ مگر اس کے لیے (شرمندگی اور رسوائی کا باعث) نہیں جس نے اہل ہونے کی بنا پر حکومت کی اور اس کی ذمہ داریوں کو ادا کیا۔

تشریح: حکومت کے عہدے اور مناصب (چاہے وہ بڑے ہوں یا چھوٹے) اللہ کی امانت ہیں جو شخص نا اہل ہونے کے باوجود حکومت کا منصب قبول کرتا ہے یا صلاحیت کے باوجود اپنی ذمہ داریوں کو ادا نہیں کرتا وہ خائن ہے۔ قیامت کے دن اس خائن کو رسوائی اور شرمندگی سے دوچار ہونا پڑے گا اور سزا بھی پائے گا۔

ہاں جو شخص حکومت کرنے اور اس کو خوش اسلوبی سے نبھانے کی صلاحیت رکھتا ہے اور حکومت کے عہدے پر فائز ہو کر ایمانداری اور محنت سے اپنے فرائض ادا کرتا ہے وہ قیامت کے دن نہ تو رسوا ہو گا اور نہ سزا پائے گا بلکہ اپنی حسن کارکردگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے انعام کا مستحق ہو گا۔

ایمانداری اور محنت سے فرائض ادا کرنے کا مطلب ہے دادخواہوں کی حق تلفی نہ کرنا، ان سے رشوت نہ لینا، دیانتداری اور عدل کو ہر حال میں ملحوظ رکھنا اور اپنے منصب سے ناجائز فائدہ نہ اٹھانا۔

(۲۷۳) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا ذَرٍّ اِنِّیْ اَرَاكَ ضَعِیْفًا وَاِنِّیْ اُحِبُّ لَكَ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِیْ فَلَا تَاَمَّرَنَّ عَلٰی اِثْنَیْنِ وَلَا تَوَلَّیَنَّ مَالَ یَتِیْمٍ۔

(مسلم کتاب الامارة۔ ابوداؤد کتاب الوصایا)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔ ابوذر! میں تجھے کمزور آدمی سمجھتا ہوں میں تیرے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔ تو دو آدمیوں پر بھی "امیر"

نہ بن اور نہ تو یتیم کے مال کی نگرانی اور سرپرستی کر۔

تشریح: ہم دنیا میں جو کچھ کرتے ہیں وہ فضا میں تحلیل نہیں ہو جاتا بلکہ اللہ کے اذن سے مخفی قوتیں ہماری زندگی کا ریکارڈ مرتب کرتی ہیں اور محفوظ رکھتی ہیں قیامت کے دن اللہ کی عدالت میں اس ریکارڈ کے مطابق ہماری دنیوی زندگی کا ایک ایک لمحہ زیر بحث آئے گا۔

اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو ذر غفاریؓ کو یہ مشورہ دیا کہ تم ایک کمزور اور ناتواں آدمی ہو کسی علاقہ کی امارت تو کجا اگر صرف دو آدمی تمہیں اپنا امیر بنانا چاہیں تو صاف انکار کر دینا کیونکہ امیر ہونے کی حیثیت سے جو ذمہ داریاں تم پر عائد ہوں گی تم ان سے عہدہ برآنہ ہو سکو گے اس کے علاوہ کسی یتیم کی جائداد کی نگرانی اور تولیت کا بوجھ بھی اپنے ناتواں کندھے پر نہ رکھنا۔ یہ مشورہ احساس ذمہ داری اور آخرت کے دن اللہ کی عدالت میں جوابدہی کے عقیدہ پر مبنی ہے۔

ظالم کو ظلم سے روکنا لازم ہے

(۴۷) اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ یَأْخُذُوْا عَلٰی یَدَیْہِ اَوْشَکَ اَنْ یَّعُمَّھُمُ اللّٰہُ بِعِقَابٍ۔ (مسند احمد نمبر ۳۰۔ ترمذی ابواب الفتن) عن ابی بکرؓ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے لوگ جب ظالم کا ہاتھ نہ پکڑیں (خاموش رہیں یا اس سے تعاون کریں) تو اللہ تعالیٰ بہت جلد اپنا ہمہ گیر عذاب ان پر مسلط کر دیتا ہے۔

تشریح: اس حکمران سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو طاقت کے بل بوتے پر اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی کھلم کھلا مخالفت کر رہا ہو۔ اور خلق خدا کی جان، مال اور آبرو جس کے عہد حکومت میں محفوظ نہ ہو۔ اس سے ثابت ہوا

کہ ظالم حکمرانوں کی مردم آزاری اور سفاکی پر تنقید نہ کرنا، ان کی مذمت نہ کرنا، بڑا شدید جرم ہے ایسا معاشرہ اللہ کے ہمہ گیر عذاب کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ یہ کوئی نیکی اور تقویٰ نہیں ہے کہ بگڑے ہوئے حکمرانوں کی غیر اسلامی روش اور مفسدانہ سرگرمیوں کے خلاف زبان و قلم کے جہاد کو "سیاست" کہہ کر اللہ اللہ کی ضربیں لگائی جائیں بلکہ "امت وسط" ہونے کی حیثیت سے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ظالم اور جابر حکمرانوں کو اقتدار سے ہٹانے کے لیے حالات کے مطابق جدوجہد کرے۔ ایک اور روایت میں اس مضمون کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَأَوُا الْمُنْكَرَ فَلَمْ يُغَيِّرُوْا اَوْشَكَ اَنْ يَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابِهٖ۔ (مسند احمد عن ابی بکر نمبر ۱)

لوگ جب برائی کو دیکھیں اور اسے بدلنے کی کوشش نہ کریں تو اللہ کا عذاب ان سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔

مسلمانوں کے اِدبار اور تنزل کا سبب

(۲۷۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ظَهَرَتِ الْمَعَاصِىْ فِىْ اُمَّتِىْ عَمَّهُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَمَا فِيْهِمْ اُنَاسٌ صَالِحُوْنَ؟ قَالَ بَلٰى قَالَتْ فَكَيْفَ يَصْنَعُ اُولٰٓئِكَ قَالَ يُصِيْبُهُمْ مَا اَصَابَ النَّاسَ ثُمَّ يَصِيْرُوْنَ اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۳۰۰ بحوالہ مسند احمد ام سلمۃ مطبوعہ مصر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میری امت میں کھلے بندوں گناہوں کا کاروبار ہو گا۔ تو اللہ اسے ہمہ گیر عذاب میں مبتلا کر دے گا (حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) میں نے کہا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا نیکوکار لوگوں کی موجودگی میں بھی عذاب ان کو

گھیرلے گا (حالانکہ انہوں نے تو کبھی گناہوں کی سرپرستی نہیں کی تھی) آپؐ نے فرمایا ہاں ان صالحین کی موجودگی میں ہی عذاب آئے گا) حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا ان صالحین کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ بھی عام لوگوں کی طرح عذاب میں مبتلا ہوں گے پھر قیامت کے دن اللہ انہیں اپنی بخشش اور رضامندی سے نوازیگا۔

تشریح: گناہوں کی کثرت اور ان پر اترانے اور علانیہ خدا کی نافرمانی کو فروغ دینے اور اس پر فخر کرنے سے اللہ کا عمومی عذاب ہمہ گیر طوفان بن کر نمودار ہوتا ہے اس میں چند مٹھی بھر صالحین بھی رگڑے جاتے ہیں گو آخرت میں ان کی فلاح ہو گی لیکن دنیا میں اللہ کے عذاب کو ان کا وجود بھی نہیں روک سکتا۔

جیسی رعیت ویسا حکمران

(۲۷۶) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا تَكُوْنُوْنَ كَذٰلِكَ يُؤَمَّرُ عَلَيْكُمْ۔ (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ عن ابی اسحٰق)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسے تمہارے اعمال ہوں گے اسی طرح تم پر حکمران مقرر کیے جائیں گے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تم دودھ ہو اور حکمران مکھن ہیں اگر تمہارے اعمال برے ہوں گے تو تمہارے حکمران بے رحم اور ظالم ہونگے۔ اگر تمہارے اعمال اچھے ہونگے تو اللہ تم پر رحمدل اور عادل حکمران مقرر فرمائے گا۔

برے حکمران کی شناخت

(۲۷۷) عَنْ عَائِذِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ شَرَّ الرِّعَاءِ الْحُطَمَةُ۔ (مسلم کتاب الامارۃ)

حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ بدترین حکمران

وہ ہے جو سنگدل اور تند خو ہونے کی وجہ سے عوام پر بہت ظلم ڈھائے اور بڑی بے رحمی کے ساتھ ان کو کچل کر رکھ دے۔

ظالم اور خائن حکمرانوں کا انجام

(۲۷۸) قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِلْاُمَرَاءِ وَيْلٌ لِلْعُرَفَاءِ وَيْلٌ لِلْاُمَنَاءِ لَيَتَمَنَّيَنَّ اَقْوَامٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَنَّ نَوَاصِيَهُمْ مُعَلَّقَةٌ بِالثُّرَيَّا يَتَجَلْجَلُوْنَ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَاَنَّهُمْ لَمْ يَلُوْا عَمَلًا۔

(مشکوٰۃ عن ابی ہریرہ کتاب الامارۃ بحوالہ مسند احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (۱) امراء (یعنی حکمرانوں) کے لیے تباہی ہے (۲) عُرفاء (یعنی سرداروں) کے لیے مصیبت ہے (۳) اُمناء (امانت داروں) کے لیے خرابی ہے قیامت کے دن بااثر لوگ یہ تمنا کریں گے کہ وہ دنیا میں حکومت اور اقتدار پر قابض نہ ہوتے بلکہ اس جگہ ان کے سر کے بالوں کو "ثریا" کے ساتھ باندھ کر لٹکا دیا جاتا اور وہ زمین اور آسمان کے درمیان حرکت کرتے رہتے۔

تشریح: اُمراء، امیر کی جمع ہے اس کا اطلاق ریاست کے اہم عہدے داروں پر ہوتا ہے مثلاً صدر، وزراء، گورنر اور انتظامیہ کے حکمران اور عدلیہ کے جج اور مجسٹریٹ جو عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر خلقِ خدا کو انصاف مہیا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

۲- عرفاء، عریف کی جمع ہے اس سے مراد ہیں علاقوں اور برادریوں یا بستیوں کے وہ سردار اور چودھری جو عوام اور حکومت کے درمیان رابطہ کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ ان کے اثرات بڑے گہرے اور تعلقات وسیع ہوتے ہیں حکومت ان پر اعتماد کرتی ہے اور غریب عوام عموماً اپنے کاموں کے سلسلہ میں ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

۳۔ امناء، امین کی جمع ہے اس کے معنی ہیں امانتدار۔ اس سے وہ افراد مراد ہیں جو مالیات کے شعبہ سے منسلک ہیں مثلاً ٹیکس، خزانہ اور اوقاف کے افیسران، یتیموں اور بیواؤں کی جائداد کے نگران اور وہ حضرات جو دوسروں کا مال اپنے پاس بطور امانت رکھتے ہیں۔

مذکورہ بالا شعبوں اور ان میں کام کرنے والوں کے بغیر تو ملک کا نظم و نسق نہیں چل سکتا یہ لوگ اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے اپنے فرائض کو محنت، خلوص اور ایمان داری سے انجام دیں تو نہ صرف یہ کہ ملک جنت کا نمونہ بن سکتا ہے بلکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بہت بڑا مرتبہ اور اعزاز ہوگا (ملاحظہ ہو حدیث نمبر ۲۸۲ – ۳۰۹) لیکن اگر حکام، سرکاری ملازمین اور اثر و رسوخ کے حامل سرداران قوم اپنی ذمہ داریوں کو محسوس نہ کریں۔ رشوت، خیانت اور بے ایمانی سے پرہیز نہ کریں۔ اپنے اختیارات سے ناجائز مفاد اٹھانے کی کوشش کریں۔ رعیت پر ظلم کر کے انہیں پریشانی اور بدحالی میں مبتلا کر دیں تو قیامت کے دن یہ "معززین" اللہ تعالیٰ کے غضب کی زد میں ہوں گے۔ ان کے لیے بدترین عذاب کا اعلان کیا جائے گا۔ اس وقت وہ تمنا کریں گے کہ حکومت کے عہدوں اور لذتوں اور سرداری کے اعزاز کی جگہ اگر ہمیں دنیا کی ذلت اور رسوائی نصیب ہوتی تو بہتر تھا۔

لیکن ایسی خام تمناؤں سے سوائے حسرت اور ندامت کے کیا حاصل ہوتا ہے۔

اسلامی ریاست کے سربراہ کے فرائض

(۲۷۹) قَالَ عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ لِمُعَاوِيَةَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ إِمَامٍ يُغْلِقُ بَابَهُ دُونَ ذَوِي الْحَاجَةِ وَالْخَلَّةِ وَالْمَسْكَنَةِ إِلَّا أَغْلَقَ اللهُ أَبْوَابَ السَّمَاءِ دُونَ خَلَّتِهِ وَحَاجَتِهِ وَمَسْكَنَتِهِ فَجَعَلَ مُعَاوِيَةُ

رَجُلاً عَلٰى حَوَائِجِ النَّاسِ۔ (ترمذی ابواب الاحکام ابوداؤد کتاب الخراج)

عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے جو حکمران، حاجت مندوں غریبوں اور محتاجوں پر اپنا دروازہ بند کرلے گا اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات اور محتاجی پر آسمان کے دروازے بند کردے گا (یہ بات سن کر) حضرت معاویہؓ نے عوام کی ضروریات کو پورا کرنے اور ان کی تکلیفوں کو دُور کرنے کے لیے ایک آدمی مقرر کردیا۔

تشریح: اسلامی ریاست کے سربراہ اور اس کی قلمرو میں کام کرنے والے حکام کا فرض ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ عوام سے رابطہ قائم رکھیں۔ ان کے مسائل اور مشکلات سے براہ راست آگاہ ہوں۔ نہایت غریب اور کمزور افراد دادرسی کے لیے کسی رکاوٹ کے بغیر ان سے ملاقات کرسکیں۔ بے اثر اور خستہ حال لوگ ان تک پہنچنے اور اپنی شکایات پیش کرنے میں کسی قسم کی جھجک محسوس نہ کریں۔ کسی دربان، خوشامدی اور حجی حضوری کو حاکم اور رعیت کے درمیان حائل ہونے کی اجازت نہ ہونی چاہیئے۔ لیکن اگر اس کے برعکس صورت حال یہ ہو کہ حاکم وقت تک رسائی کا کوئی امکان نہ ہو، عوام اپنی تکلیفوں اور مصیبتوں کے ازالہ کے لیے حکام کی طرف رجوع نہ کرسکیں اور مظلوم افراد کی فریادرسی کا کوئی انتظام ہی نہ ہو تو اللہ ایسے ظالم اور بے رحم حکام کو اپنی رحمت سے محروم کردیتا ہے ان کی دعا قبول ہوتی ہے نہ وہ خدا کی نگاہِ کرم کے مستحق ہوتے ہیں۔

(۲۸۰) عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ عَبْدٍ اِسْتَرْعَاهُ اللّٰهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيْحَةٍ اِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ۔ (بخاری کتاب الاحکام)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس بندے کو لوگوں کا حاکم

بنائے اور وہ خیر خواہی سے ان کی نگرانی نہ کرے تو وہ بہشت کی خوشبو سے محروم ہو گا۔

تشریح: یعنی جو حاکم عوام کا خیر خواہ اور ان سے محبت کرنے والا نہ ہو وہ قیامت کے دن بہشت کی خوشبو سے بھی محروم ہو گا۔ خیر خواہی کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کرے نیکی، شرافت، بھلائی خوشحالی اور امن عامہ کی سرپرستی کرے بے حیائی، بدکاری، ظلم، جہالت، بے دینی اور افلاس کو ختم کرنے کیلئے اپنی پوری قوت صرف کرے۔

غدار حکمران کس طرح رسوا ہوں گے

(۲۸۱) قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرْفَعُ لَهُ بِقَدْرِ غَدْرِهٖ اَلَا وَلَا غَادِرَ اَعْظَمُ غَدْرًا مِنْ اَمِيْرِ عَامَّةٍ۔ (مسلم عن ابی سعید کتاب الجهاد والسیر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ہر دھوکے باز کا جھنڈا اس کی بدعہدی کے مطابق بلند کیا جائے گا آگاہ رہو حکومت کے سب سے زیادہ با اختیار حاکم سے بڑھ کر کوئی خائن نہیں ہے۔

تشریح: اسلام کے نظام سیاست و اخلاق میں عہد کا پاس نہایت ضروری ہے قیامت کے دن ہر عہد کے متعلق باز پرس ہو گی۔ اور ہر شخص سے اس عہد کے متعلق بھی باز پرس ہو گی۔ جو اس نے بندہ ہونے کی حیثیت سے اپنے رب سے کیا ہے۔ جو شخص عہد و پیمان کو توڑ ڈالے۔ اپنے وعدوں کی خلاف ورزی کرے، قیامت کے دن "عہد شکنی" کا ایک جھنڈا اس کے ساتھ ہو گا۔ اس جھنڈے کو دیکھ کر ہر شخص بآسانی معلوم کرلے گا کہ یہ شخص دنیا میں عہد شکن تھا اور اس نے اپنا عہد وفا نہیں کیا تھا۔ اس طریقہ سے حشر کے میدان میں خلق خدا کے سامنے اسے ذلیل اور رسوا کیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ اس حکمران

اور سربراہ مملکت کی بدعہدی کا جھنڈا سب سے زیادہ بلند ہوگا جو عوام کے ساتھ فریب اور دھوکہ کرے اس نے ان سے جو وعدے کیے تھے ان کا لحاظ نہ کرے حصول اقتدار کی خاطر تو لمبے چوڑے اعلان کرے لیکن حکومت کی کرسی پر براجمان ہونے کے بعد بھول کر بھی اپنے کسی وعدہ کو پورا نہ کرے۔

انصاف کرنے والا حکمران

(۲۸۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ اَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا، اِمَامٌ عَادِلٌ وَ اَبْغَضَ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ اَبْعَدَهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا اِمَامٌ جَائِرٌ۔ (ترمذی عن ابی سعید ابواب الاحکام)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ دور "ظالم حاکم" ہوگا۔ محبوب اور اس کی بارگاہ میں سب سے زیادہ مقرب انصاف کرنے والا حکمران ہوگا اور اس دن اللہ کی نگاہ میں سب سے زیادہ قابل نفرت اور اس کی بارگاہ عالی سے سب سے زیادہ۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ انصاف کے ساتھ حکومت کرنے والے حاکم کو اللہ جَلَّ شانہ کا قرب حاصل ہوگا۔ اور قیامت کے دن وہ حاکم بہت ذلیل اور رسوا ہوگا جس نے دنیا میں ظلم، نا انصافی اور فساد کے ساتھ حکومت کی تھی۔

ظالم حکمران کی اعانت

(۲۸۳) عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُعِيْذُكَ بِاللّٰهِ مِنْ اِمَارَةِ السُّفَهَاءِ قَالَ وَمَا ذَاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؛ قَالَ اُمَرَاءُ سَيَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ مَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ فَصَدَّقَهُمْ بِكَذِبِهِمْ وَ اَعَانَهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ فَلَيْسُوْا مِنِّيْ وَلَسْتُ مِنْهُمْ وَلَنْ يَرِدُوْا عَلَيَّ الْحَوْضَ وَمَنْ لَمْ يَدْخُلْ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يُصَدِّقْهُمْ بِكَذِبِهِمْ وَلَمْ

بُعِنْهُمْ عَلٰی ظُلْمِهِمْ فَاُولٰئِكَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْهُمْ وَاُولٰئِكَ یَرِدُوْنَ عَلَیَّ الْحَوْضَ (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ والقضاء بحوالہ ترمذی ونسائی)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا میں تجھے احمقوں کی حکومت (کے شر) سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: (یہ جاہل) حکمران میرے بعد آئیں گے۔

• جو لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے، اور ان کے جھوٹ کی تصدیق کریں گے اور ان کے مظالم کی پشت پناہی کریں گے وہ نہ میرے ہیں اور نہ میں اُن کا ہوں۔ وہ حوض کوثر پر میرے پاس نہ آسکیں گے۔

اور جو لوگ ملنے کے لیے ان کے پاس نہیں آئیں گے اور ان کے جھوٹ کی تصدیق نہیں کریں گے اور ظلم کرنے میں ان کی اعانت نہیں کریں گے وہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔ وہ میرے پاس حوض کوثر پر بھی آئیں گے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ظالم حکمرانوں کی غلط کاریوں کی حمایت کرنے والوں سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے زاری کا اعلان کیا ہے۔ اور آپؐ نے یہ پیشین گوئی بھی فرمائی کہ ان جاہل اور فاسق و فاجر حکمرانوں کا قرب حاصل کرنے اور ان سے دنیوی مفاد حاصل کرنے والے خوشامدیوں کا گروہ بھی معرض وجود میں آجائے گا یہ تملق پیشہ طبقہ، ان کے ہر جھوٹ کی تصدیق کرے گا اور ان کی ہر غلط بیانی پر پردہ ڈالے گا اور ان کے مظالم کے خلاف نہ صرف یہ کہ "حرف شکایت" زبان پر نہ لائے گا بلکہ خلق خدا پر ظلم کے پہاڑ توڑنے پر ان کی حوصلہ افزائی کرے گا اور ان کی مدد کرے گا۔

(۲۸۴) عَنْ اَوْسِ بْنِ شُرَحْبِیْلَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ مَشٰى مَعَ ظَالِمٍ لِيُقَوِّيَهٗ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ۔

(مشکوٰۃ کتاب الآداب باب الظلم)

حضرت اوس بن شرحبیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ جو شخص کسی ظالم کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے اس کا ساتھ دیتا ہے حالانکہ وہ اسے ظالم جانتا ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا یہ کام ہی نہیں ہے کہ وہ ظالم کی اعانت کرے اور اس کا ہاتھ مضبوط کرے۔ جان بوجھ کر کسی ظالم کی تائید کرنا اور اس کی غلط کاریوں پر نہ صرف یہ کہ پردہ ڈالنا بلکہ ان کی صحت اور جواز کے لیے زبان اور قلم سے تقویت پہنچانا ایک ایسا شنیع فعل ہے جو کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا

دھوکہ باز حاکم

(۲۸۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ وَالٍ يَلِيْ رَعِيَّةً مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَيَمُوْتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهُمْ اِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔ (بخاری عن معقل بن یسار کتاب الاحکام)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اس حکمران پر بہشت کو حرام قرار دیا ہے جو آخر دم تک ان پر دھوکہ بازی اور خیانت کے ساتھ حکومت کرتا ہے

تشریح: ملک کے خزانہ اور وسائل کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھتا ہے۔

بہت برا انسان

(۲۸۶) اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ، اَبْغَضُ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ

ثَلَاثَةٌ: مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ، وَمُبْتَغٍ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِئٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهْرِيقَ دَمَهُ۔

(بخاری عن ابن عباس کتاب الدیات)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ تین آدمی سب سے زیادہ نفرت کے مستحق ہیں۔

(۱) حرم کے حدود میں ظلم اور گناہ کرنے والا

(۲) اسلام میں جاہلیت کے طریقہ کو چاہنے والا

(۳) جو کسی شخص کو ناحق قتل کرنے کے درپے ہو تاکہ اس کا خون بہائے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ نفرت کے مستحق ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان مجرموں کو سخت عبرتناک سزا دے گا۔

(۱) حدود حرم میں گناہ کا ارتکاب کرنے کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے مقدس گھر کے احترام کو مجروح کرنا ظلم اور گناہ —— چاہے چھوٹا ہو یا بڑا۔ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہو یا حقوق اللہ سے —— ہر حال میں معیوب اور جرم ہے لیکن حدود حرم میں اس کی سنگینی میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے مثلاً جھوٹ بولنا گناہ ہے لیکن مسجد میں بیٹھ کر جھوٹ بولنا سخت گناہ ہے اور کعبہ کے صحن میں جھوٹ بولنے کی سنگینی تو بہت بڑھ جاتی ہے اللہ تعالیٰ عام حالات میں ظلم کرنے کو پسند نہیں فرماتے لیکن جو شخص حدود حرم میں کسی پر ظلم کرتا ہے وہ رب ذوالجلال کے غضب کو دعوت دیتا ہے، عام ظالم کے مقابلہ میں اس ظالم کو قیامت کے دن سب سے زیادہ زیر عتاب ہونا پڑے گا۔

(۲) اسلامی معاشرے میں دورِ جاہلیت کی خرابیوں کے پھیلنے اور پھیلانے کو پسند کرنے والا آدمی قیامت کے دن ہولناک سزا کا مستحق ہوگا۔

خدا جانے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان حکمرانوں کا انجام کیا ہوگا جو مسلمان ملکوں میں اسلام کے نام سے جاہلیت کی رسموں اور بے ہودگیوں کی سرپرستی کر

رہے ہیں۔ اور قیامت کے دن ان ذہین آدمیوں کا کیا حشر ہوگا جنہوں نے عریانی و فحاشی اور فسق وفجور کے دوسرے جاہلی شعبوں کو مسلمان معاشرے میں ترقی دینے کے لیے اپنی صلاحیتوں کو وقف کر رکھا ہے؟

(۳) کسی کو ناحق قتل کرانے کے درپے ہونے والے کو بھی اللہ تعالیٰ کی عدالت سے سنگین سزا ملے گی۔ بعض بے رحم حکمران اور سنگدل وڈیرے دوسروں کو ناحق قتل کرانے کے درپے ہوتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان کے ناپسندیدہ افراد خدا کی زمین پر زندہ رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو قتل کرنے کی سازش تیار کرنے یا اس کے قتل کی کوشش کرنے پر یہ سزا تجویز کی گئی ہے کہ وہ بارگاہِ خداوندی میں سب سے زیادہ مبغوض اور معتوب ہے اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کسی مسلمان کو قتل کرنا کتنا بڑا شدید گناہ ہے۔

اچھے اور بُرے حکمران کی پہچان

(۲۸۷) عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ اَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ وَيُحِبُّوْنَكُمْ وَيُصَلُّوْنَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ، وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُبْغِضُوْنَهُمْ وَيُبْغِضُوْنَكُمْ وَتَلْعَنُوْنَهُمْ وَيَلْعَنُوْنَكُمْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ؟ فَقَالَ لَا، مَا اَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلٰوةَ، وَاِذَا رَأَيْتُمْ مِنْ وُلَاتِكُمْ شَيْئًا تَكْرَهُوْنَهٗ فَاكْرَهُوْا عَمَلَهٗ وَلَا تَنْزِعُوْا يَدًا مِنْ طَاعَتِهٖ۔

(مسلم عن عوف بن مالک کتاب الامارۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں۔ تم ان کے لیے دعا کرو

اور وہ تمہارے لیے دعا کریں۔ اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں جن سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں تم ان پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت کریں عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہم اُن کے خلاف اعلان جنگ کر دیں؟ فرمایا۔ نہیں جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں (تم ان کے مقابلہ میں نہ نکلو) اور جب تم اپنے حاکموں کو غلط کاریوں میں مبتلا دیکھو تو ان کی بدعملی کو بُری نگاہ سے دیکھنے کے باوجود ان کی اطاعت سے منہ نہ موڑو۔

تشریح: "نماز کی اقامت" اسلامی حکومت کے اوّلین فرائض میں ہے اگر ملک کا حکمران نماز کو قائم نہ کرے تو اسے آئینی طریقے سے اقتدار سے ہٹانا نہ صرف جائز ہے بلکہ ضروری ہے۔

تواضع کی حقیقت

(۲۸۸) قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ اَوْحٰی اِلَیَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰی لَا یَفْخَرَ اَحَدٌ عَلٰی اَحَدٍ وَلَا یَبْغِیْ اَحَدٌ عَلٰی اَحَدٍ۔ (مسلم عن عیاض بن حمار کتاب الجنۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ" نے مجھے وحی کے ذریعہ حکم دیا ہے کہ تم عاجزی کرو اور منکسر المزاج بن کر رہو یہاں تک کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اپنی بڑائی نہ جتائے اور نہ کوئی کسی پر ظلم کرے اور نہ کوئی کسی کا حق مارے۔

تشریح: ذی مرتبہ لوگوں اور افرادِ حکومت کو سب سے زیادہ "تواضع" کا مظاہرہ کرنا چاہیئے تاکہ ریاست کے باشندوں کو امن اور اطمینان کی زندگی نصیب ہو۔ "تواضع" کی اصل حقیقت یہ ہے کہ "اپنے سے کم مرتبہ لوگوں کو حقیر نہ سمجھنا اور ان پر زیادتی نہ کرنا"۔

"حکمران ٹولے" کی تواضع یہ ہے کہ وہ رعیت کے کسی فرد کی حق تلفی نہ کرے ان کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے بلکہ ان سے برادرانہ برتاؤ کرے۔

"علماء اور مشائخ" کی تواضع یہ ہے کہ وہ کسی مسلمان کے خلاف سوقیانہ لب ولہجہ میں پروپیگنڈہ نہ کریں کسی شخص کی عزت و آبرو پر حملہ آور نہ ہوں۔ اپنے سے اختلاف کرنے والوں کو حقیر نہ سمجھیں بلکہ وہ ہر عالم اور شیخ کا احترام کریں چاہے اس کا تعلق کسی بھی مکتب فکر سے ہو نیز اپنے زہد اور علم پر تکبر نہ کریں "دولت مند گروہ" کی تواضع یہ ہے کہ وہ عوام کو محض اس وجہ سے لائق نفرت نہ سمجھے کہ یہ نانِ جویں کھانے والے اور فاقہ مست لوگ ہیں۔

"زمینداروں" کی تواضع یہ ہے کہ وہ کسانوں اور مزدوروں کی عزت و آبرو سے نہ کھیلیں، ان کے حصہ کی آمدنی بروقت ان کے حوالہ کریں۔ اپنے غریب ہمسایوں کو اچھوت نہ قرار دیں بلکہ ان سے بھائیوں کی طرح پیش آئیں اور انسان بن کر رہیں "صنعت کاروں اور کارخانہ داروں" کی تواضع یہ ہے کہ وہ مزدوروں کی عزتِ نفس کو مجروح نہ کریں ان کے حقوق متعین کرنے اور ادا کرنے میں کوتاہی اور تاخیر سے کام نہ لیں اور ان کو اپنے بھائی سمجھیں۔

اسلامی ریاست میں مسلمانوں کے حقوق

(۲۸۹) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَ اَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَذٰلِکَ الْمُسْلِمُ الَّذِیْ لَہٗ ذِمَّۃُ اللّٰہِ وَ ذِمَّۃُ رَسُوْلِہٖ فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰہَ فِیْ ذِمَّتِہٖ۔ (بخاری عن انس کتاب الصلوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہماری طرح نماز ادا کرے اور (نماز میں) ہمارے قبلہ (کعبہ) کی طرف رُخ کرے اور ہمارے ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت کھائے وہ "مسلمان" ہے جسے اللہ اور

اس کے رسول نے اپنی امان میں لے کر رکھا ہے اس لیے تم اس کی حق تلفی کر کے اللہ کے ساتھ خیانت نہ کرو۔

تشریح : اسلامی ریاست میں ہر وہ شخص اسلامی برادری کا فرد ہے جو ہماری طرح پانچ بار روزانہ نماز ادا کرے اور نماز میں اس کا رُخ کعبہ کی طرف ہو ہمارے ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت کھائے۔

اسلامی ریاست عام مسلمانوں کی طرح اس کی جان، مال اور آبرو کی نگرانی کی ذمہ دار ہے اس حدیث میں صرف "قانونی مسلمان" کی تین نشانیاں بتائی گئی ہیں، ورنہ "حقیقی مسلمان" کے اوصاف، اخلاق اور علامات تو بہت زیادہ ہیں جس کی تفصیل قرآن اور حدیث میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

کسی آدمی کے حقیقی مسلمان ہونے کا صحیح فیصلہ کرنے کا اختیار تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے جو باریک بین اور عالم الغیب ہے۔ اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ خلقِ خدا کے دلوں کو ٹٹولتی پھرے۔ وہ اپنے احکام قوانین اور لوگوں کے شہری حقوق کے متعلق ظاہری علامات پر قناعت کرے گی کیونکہ معاشرتی انصاف میں کسی کے باطن میں جھانکنے کی وہ مکلف نہیں ہے۔

اسلامی ریاست اور غیر مسلم

(۲۹۰) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاِنَّ رِيْحَهَا تُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ اَرْبَعِيْنَ عَامًا۔ (بخاری عن عبداللہ بن عمرو کتاب الجزیۃ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی ایسے غیر مسلم کو قتل کیا جس سے معاہدہ ہو چکا ہو وہ (قیامت کے دن) بہشت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا حالانکہ اس کی خوشبو چالیس برس کے فاصلہ سے محسوس ہو گی۔

تشریح : اسلامی ریاست ان تمام غیر مسلموں کی جان، مال اور عزت و آبرو کی محافظ

ہے جو وفادار رعیت کی حیثیت سے ملک میں رہتے ہیں یا جو عارضی طور پر معاہدۂ امن وصلح کے تحت داخل ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمیوں کے حقوق کی نگہداشت اور ان سے عدل و انصاف کا رویہ اختیار کرنے کی بارہا تاکید فرمائی ہے اس حدیث میں آپؐ نے قیامت تک آنے والے ہر مسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ تم کسی غیر مسلم کو قتل نہ کرنا جس نے ذمّی کی حیثیت سے مسلم اسٹیٹ میں رہنے کا فیصلہ کر لیا ہو یا امن کا پروانہ لے کر آیا ہو۔ اگر تم نے اسے قتل کیا تو قیامت کے روز (جنت میں جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) اس کی خوشبو سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔

اسلامی ریاست اور اس کے مقروض شہری

(۲۹۱) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنَا اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ فَمَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ وَلَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً فَعَلَيْنَا قَضَاؤُهٗ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ۔

(بخاری عن ابی ہریرہ کتاب الفرائض)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں مومنوں سے زیادہ قریب ہوں ان کی اپنی جانوں سے بھی، جو مقروض ہو کر مرے اور قرض ادا کرنے کے لیے اس نے کوئی جائداد نہ چھوڑی ہو ہم اس کا قرض ادا کریں گے اور جس نے اپنے پیچھے جائداد چھوڑی ہو (قانونِ میراث کے مطابق) اس کے وُرثاء میں تقسیم ہو گی۔

تشریح: اس سے ثابت ہوا کہ غیر مستطیع افراد کا قرض ادا کرنے کی ذمہ داری اسلامی ریاست پر ہے بشرطیکہ انہوں نے کوئی جائداد نہ چھوڑی ہو اگر متوفی صاحب جائداد ہو تو قرض اس کے ترکہ سے ادا کیا جائے گا۔ باقی جائداد قومی ملکیت کے چکر میں نہ آئے گی بلکہ اس کو شریعت کے قانونِ میراث کی رُو سے اس کے وارثوں

میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ ملحوظ رہے کہ یہ قرض، مال زکوٰۃ سے ادا کیا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں فرمایا ہے۔

ملازمینِ حکومت کی تنخواہ

(۲۹۲) عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ لَنَا عَامِلًا فَلْيَكْتَسِبْ زَوْجَةً فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ خَادِمٌ فَلْيَكْتَسِبْ خَادِمًا فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَسْكَنٌ فَلْيَكْتَسِبْ مَسْكَنًا مَنِ اتَّخَذَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَهُوَ غَالٌّ۔

(ابوداؤد کتاب الخراج بمشکوٰۃ کتاب الامارۃ)

حضرت مستورد بن شدّاد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ و سلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو شخص ہمارا "عامل" ہو وہ شادی کے اخراجات بیت المال سے حاصل کرے اگر اس کا نوکر نہ ہو تو اس کے لیے بھی وہ بیت المال سے رجوع کرے اگر رہنے کے لیے اس کا گھر نہ ہو تو اس کا انتظام بھی حکومت کے ذمہ ہے اس کے علاوہ وہ جو کچھ بھی (حکومت کے خزانہ سے) حاصل کرے گا خائن ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حکومت کے ملازمین اور اہل کاروں کو اپنے دور کی معاشرتی ضروریات کے لیے صرف اپنی تنخواہوں اور موروثی جائداد پر اکتفا کرنا چاہیئے۔

اسلامی ریاست ان کے لیے تنخواہوں کا ایسا نظام تجویز کرے جس سے ان کی معاشی اور معاشرتی ضروریات کی کفالت ہو سکے وہ اپنی معقول تنخواہ کے علاوہ سرکاری خزانہ سے یا عوام سے رشوت اور تحفے لے کر حرام خوری کا ارتکاب نہ کریں۔

اہلکاروں کے تحائف

(۲۹۳) إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ اِسْتَعْمَلَ عَامِلًا فَجَاءَہُ الْعَامِلُ حِيْنَ فَرَغَ مِنْ عَمَلِہٖ، فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ هٰذَا لَكُمْ وَهٰذَا اُهْدِيَ لِيْ فَقَالَ لَہٗ أَفَلَا قَعَدْتَ فِيْ بَيْتِ اَبِيْكَ وَاُمِّكَ فَنَظَرْتَ أَيُهْدٰى لَكَ اَمْ لَا۔ ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ عَشِيَّةً بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَتَشَهَّدَ وَاَثْنٰى عَلَى اللّٰہِ بِمَا هُوَ اَهْلُہٗ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَمَا بَالُ الْعَامِلِ نَسْتَعْمِلُہٗ فَيَأْتِيْنَا فَيَقُوْلُ هٰذَا مِنْ عَمَلِكُمْ، وَهٰذَا اُهْدِيَ لِيْ أَفَلَا قَعَدَ فِيْ بَيْتِ أَبِيْہِ وَاُمِّہٖ فَنَظَرَ هَلْ يُهْدٰى لَہٗ اَمْ لَا؟ فَوَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِہٖ لَا يَغُلُّ اَحَدُكُمْ مِنْهَا شَيْئًا اِلَّا جَاءَ بِہٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُہٗ عَلٰى عُنُقِہٖ، اِنْ كَانَ بَعِيْرًا جَاءَ بِہٖ لَہٗ رُغَاءٌ، وَاِنْ كَانَتْ بَقَرَةً جَاءَ بِهَا لَهَا خُوَارٌ، وَاِنْ كَانَتْ شَاةً جَاءَ بِہٖ تَيْعَرُ، فَقَدْ بَلَّغْتُ۔

(بخاری عن ابی حمید الساعدی کتاب الایمان والنذور)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بنی اسد کے عبداللہ نامی) ایک صاحب کو (بنی سلیم سے) صدقات وصول کرنے کے لیے "عامل" مقرر فرمایا وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر آئے تو عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ (مال ومتاع تو) آپؐ کے لیے ہے (اسلامی حکومت کے خزانہ میں داخل فرمائیے) اور یہ (مزید سامان) مجھے تحفۃً ملا ہے، آپؐ نے اس سے فرمایا تو اپنے ماں باپ کے گھر میں بیٹھ کر دیکھ لیتا کہ لوگ تجھے ہدیہ اور تحفہ دیتے ہیں یا نہیں؟

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کو نماز کے بعد کھڑے ہو کر کلمۂ شہادت اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ ہمارا "عامل" کس حال میں ہے؟ ہم اسے کام پر لگاتے ہیں تو وہ ہمارے ہاں آکر کہتا ہے یہ (مال و متاع) تو میں نے "عامل" ہونے کی حیثیت سے وصول کیا ہے اور یہ (مزید سامان) مجھے تحفے کے طور پر ملا ہے وہ اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھتا پھر دیکھتا کہ اسے ہدیہ ملتا ہے یا نہیں؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے تم میں سے جس نے بھی صدقہ کے مال سے خیانت کی وہ قیامت کے دن اسے اپنی گردن پر لاد کر لائے گا۔ بڑ بڑاتا ہوا اونٹ یا بھائیں بھائیں کرتی ہوئی گائے یا ممیاتی ہوئی بکری کو وہ اپنے کندھے پر لاد کر لائے گا اگر اس نے ان میں سے کسی چیز کی خیانت کی تھی (اے اللہ!) میں نے بات پہنچا دی۔

تشریح: ریاست کے تمام مالی وسائل اور ذرائع اور ان سے ہونے والی آمدنی کے مالک عوام ہیں۔ حکومت صرف امین اور محافظ ہونے کی حیثیت سے اس کا انتظام کرتی ہے کسی چھوٹے یا بڑے سرکاری عہدے دار کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ملک کے خزانہ یا اموال و املاک میں خیانت کرے حکام اور افسران جس مال و متاع میں خیانت کریں گے اور اس کو شیر مادر کی طرح ہضم کرنے میں مہارت کا ثبوت دیں گے وہ حشر کے میدان میں ان کی گردن پر سوار ہو کر شیر کی طرح چنگھاڑے گا۔ ساری مخلوق کے سامنے خائن حکام کو اس طرح رسوا کیا جائے گا اور پھر انہیں دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا۔

حکام کو رعیت کے کسی فرد سے ہدیہ تحفہ قبول کرنا ممنوع ہے کیونکہ اس سے عدل کی ترازو ڈانواں ڈول ہو جاتی ہے۔

حکومت کے سربراہ کو بیرونی ممالک کے دوروں پر جو تحائف وصول ہوں وہ ملک کے خزانہ میں جمع ہونے چاہئیں۔ نہ یہ کہ وہ اسے اپنی ملکیت قرار

دے اپنے تصرف میں لائے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ـــــ جو کہ بنی امیہ کے مشہور خلیفہ گزرے ہیں ـــــ نے فرمایا، حکمرانوں کو جو تحفے ملتے ہیں وہ ان کا ذاتی حق نہیں ہے، قوم کی امانت ہے اسے بیت المال میں داخل کرنا چاہیئے۔ (بخاری)

فرات بن سعد نے کہا حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کو ایک بار سیب کھانے کا شوق ہوا گھر کا جائزہ لیا، سیب خریدنے کے لیے ایک درہم بھی نہ ملا۔ اس دوران گرجا کے چند عیسائی نوجوانوں نے سیب سے بھری ہوئی ایک بڑی طشتری ان کی خدمت میں پیش کی۔ انہوں نے اس سے ایک سیب لے کر سونگھا اور پھر رکھ دیا اور وہ طشتری انہیں لوٹا دی۔ میں نے ان سے کہا حضرت! یہ کیوں! فرمایا، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے میں نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض ہدیہ کو قبول نہیں کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا اُس دور میں یہ ان کے لیے تحفہ تھا ان کے بعد آنے والے حکمرانوں کے لیے یہ رشوت ہے اس حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کے سربراہ کو سرکاری حکام اور ملازمین پر کڑی نظر رکھنی چاہیئے۔ اور ان کا محاسبہ کرتے رہنا چاہیئے۔

خیانت کا انجام

(۲۹۴) عَنْ عَدِيِّ بْنِ عَمِيْرَةَ الْكِنْدِيِّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ مَنْ عُمِّلَ مِنْكُمْ لَنَا عَلٰى عَمَلٍ فَكَتَمَنَا مِنْهُ مِخْيَطًا فَمَا فَوْقَهٗ فَهُوَ غَالٌّ يَأْتِيْ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ اَسْوَدُ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَقْبِلْ عَنِّيْ عَمَلَكَ قَالَ وَمَا ذَالِكَ؟ قَالَ سَمِعْتُكَ تَقُوْلُ كَذَا وَكَذَا قَالَ وَاَنَا اَقُوْلُ ذٰلِكَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ

عَلٰى عَمَلٍ فَلْيَأْتِ بِقَلِيْلِهٖ وَكَثِيْرِهٖ فَمَا أُوْتِيَ مِنْهُ أَخَذَ وَمَا نُهِيَ عَنْهُ انْتَهٰى - (ابوداؤد کتاب القضاء باب فی ھدایا العمال مسلم کتاب الامارۃ)

حضرت عدی بن عمیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! تم میں سے جو شخص ہماری طرف سے کسی عہدہ اور منصب پر فائز کیا جاتا ہے پھر وہ ایک سوئی یا اس سے بھی کمتر کوئی چیز چھپالے تو وہ خائن اور بددیانت ہے وہ قیامت کے دن اس چھپائی ہوئی چیز کو (اللہ کی عدالت میں) لائے گا (اس سے اس خیانت پر بازپرس ہوگی) ایک سیاہ فام انصاری نے اُٹھ کر عرض کیا (عدی بن عمیرہ رض کہتے ہیں یہ واقعہ مجھے اچھی طرح یاد ہے گویا کہ میں اس کی طرف دیکھ رہا ہوں) اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے مجھے جس منصب پر فائز کیا ہے میں اس سے مستعفی ہوتا ہوں۔ میرا استعفاء منظور فرمائیے آپ نے فرمایا: یہ بات کیوں کہتے ہو؟ اس نے عرض کیا آپ کی تقریر سن کر میں نے یہ فیصلہ کیا ہے حضور نے فرمایا میں (اب بھی) یہ بات کہتا ہوں۔ کہ ہم جس آدمی کو کسی عہدے پر فائز کریں وہ ہر (وصول ہونے والی) چیز لائے (اور بیت المال میں داخل کرے) چاہے وہ تھوڑی ہو یا بہت، جو کچھ اسے دیا جائے، لے لے اور جس چیز کے لینے سے اسے منع کر دیا جائے اس سے رُک جائے۔

تشریح: اسلامی حکومت کے گورنروں، وزیروں، اعلیٰ حکام اور افسروں کو سرکاری رقوم کی نگرانی اور حفاظت میں انتہائی احتیاط کرنی چاہیئے۔ ان کی نگرانی میں اگر روپیہ یا سامان میں خُرد برد کا ارتکاب ہوا تو قیامت کے دن ایسے خائن اور بدکردار عُمّال اور حُکّام کی بہت بڑی رُسوائی اور رُوسیاہی ہوگی۔

(۲۹۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَذَكَرَ الْغُلُوْلَ فَعَظَّمَهٗ وَعَظَّمَ اَمْرَهٗ

ثُمَّ قَالَ

- لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ بَعِيْرٌ لَهٗ رُغَاءٌ يَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ، لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ۔
- لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ فَرَسٌ لَهٗ حَمْحَمَةٌ فَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ
- لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ شَاةٌ لَهَا ثُغَاءٌ يَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ۔
- لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ نَفْسٌ لَهَا صِيَاحٌ فَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ
- لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ رِقَاعٌ تَخْفِقُ فَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ
- لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ صَامِتٌ فَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ۔ (مسلم کتاب الامارۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اس میں آپ نے مال غنیمت کی چوری کے مسئلہ کو بڑی اہمیت سے بیان فرمایا (یعنی اس کے خطرناک نتائج سے آپ نے ہمیں آگاہ فرمایا)

پھر فرمایا:-

میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر اونٹ بلبلا رہا ہو اور وہ آکر مجھ سے کہے اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میری سفارش کیجیئے تو میں کہوں کہ میں تجھ سے اللہ کا عذاب نہیں ہٹا سکتا میں نے تجھے یہ بات پہنچا دی تھی۔

میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر گھوڑا ہنہنا رہا ہو اور وہ آکر مجھ سے کہے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میری مدد کیجیئے اور میں کہوں کہ میں تجھے اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا میں نے تجھے یہ بات پہنچا دی تھی میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر ایک بکری ممیا رہی ہو اور وہ آکر مجھ سے کہے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میری فریاد کو پہنچیئے اور میں اس سے کہوں کہ میں تجھ سے اللہ کے عذاب کو نہیں ہٹا سکتا میں نے یہ بات تجھے پہنچا دی تھی۔

میں قیامت کے دن تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر ایک آدمی چیخ رہا ہو اور وہ آکر مجھ سے کہے اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم میری مدد فرمایئے تو میں کہوں میں اللہ کے عذاب کو تجھ سے نہیں ہٹا سکتا میں نے یہ بات تجھے پہنچا دی تھی۔

میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر کپڑے کے ٹکڑے لہرا رہے ہوں اور وہ آکر مجھ سے درخواست کرے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میری مدد فرمایئے تو میں اس سے کہوں کہ میں تجھے اللہ کے عذاب سے نجات نہیں دے سکتا۔ میں نے دنیا میں یہ بات تجھے پہنچا دی تھی۔

میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن

پر سونا چاندی سوار ہو۔ وہ میرے پاس آئے اور مجھ سے یہ درخواست کرے کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میری سفارش فرمائیے (تاکہ میں اس جرم کی سزا سے بچ جاؤں) اور میں اس سے کہوں کہ میں تجھ سے اللہ کے عذاب کو نہیں ٹال سکتا۔ میں نے دنیا میں تجھے یہ بات پہنچادی تھی۔

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

"میں تم میں سے کسی کو بھی اس حال میں نہ پاؤں"

اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مال غنیمت کی چوری سے اجتناب کرو۔ اُس وقت مالِ غنیمت میں عموماً وہ چیزیں ہوتی تھیں جن کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے مثلاً:۔ اونٹ، گھوڑا، بکری، عورت یا بچہ، کپڑے اور سونا چاندی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مفہوم یہ ہے کہ مجاہدین، فتح کے بعد مالِ غنیمت میں خیانت نہ کریں یہاں تک کہ وہ ایک سوئی کو بھی نہ چھپائیں سارا مال حکومت کی تحویل میں دے دیں تاکہ اس کی باقاعدہ تقسیم حکومت کی نگرانی میں ہو اور جو مجاہد بھی اس سلسلہ میں خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن رسوا ہوگا اور سزا بھی پائے گا اس حدیث کے مضمون سے یہ دو باتیں اخذ کی جاسکتی ہیں۔

ایک تو یہ کہ اللہ کی راہ میں لڑنے والی فوج کو خیانت اور چوری سے اجتناب کرنا چاہیئے وہ کوئی ایسا رویہ اختیار نہ کریں جو دنیا یا آخرت میں ان کی رسوائی اور بدنامی کا موجب بن سکتا ہو۔

دوسری یہ کہ جو لوگ چوری خیانت، لوٹ مار اور ظلم سے خلق خدا کی حق تلفی کرتے ہیں وہ قیامت کے دن پائی پائی کا حساب دیں گے کوئی خائن اور ظالم اپنے سیاہ کارناموں کی سزا سے بچ کر نہ جاسکے گا۔

رشوت خور اور خائن افسر

(۲۹۶) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلٰى عَمَلٍ فَرَزَقْنَاهُ رِزْقًا فَمَا أَخَذَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ غُلُوْلٌ۔

(ابوداؤد عن بُریدة کتاب الخراج)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم جس آدمی کو حکومت کے کسی منصب پر فائز کرتے ہیں اور اسے باقاعدہ تنخواہ دیتے ہیں، معین تنخواہ کے علاوہ اس نے جو کچھ لیا وہ خیانت ہے۔

تشریح : یعنی جو مال اس نے لیا ہے وہ حرام ہے گویا کہ اس نے مال غنیمت کی چوری کی ہے۔

غبن کرنے کی سزا

(۲۹۷) عَنْ خَوْلَةَ الْاَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ رِجَالًا يَتَخَوَّضُوْنَ فِيْ مَالِ اللّٰهِ بِغَيْرِ حَقٍّ فَلَهُمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (بخاری کتاب فرض الخمس)

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ جو لوگ اللہ کے مال (بیت المال) میں ناحق تصرف کرتے ہیں قیامت کے دن ان کے لیے آگ ہے۔

تشریح : اسلامی ریاست کے خزانہ (بیت المال) کو دو وجوہ کی بنا پر "اللہ کا مال" کہا گیا ہے ایک تو یہ کہ فی الواقع اس کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے دوسری یہ ہے کہ اس مال کو کوئی شخص اپنی مرضی سے خرچ کرنے کا مجاز نہیں ہے بلکہ ریاست کے باشندوں کی فلاح وبہبود کے لیے، اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے طریقے

(اسلام) کے مطابق اسے خرچ کیا جائے گا۔

جو حکمران، اسے اپنے ذاتی مصارف میں خرچ کرتے ہیں، نمائش، فضول خرچی اور عیاشی پر صرف کرتے ہیں وہ اس خیانت کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے۔

وہ حکّام اور ذی اثر افراد قیامت کے دن آگ میں جائیں گے جو مسلمانوں کے خزانہ یا اجتماعی فنڈ کو فضول اور بے جا کاموں میں اُڑاتے ہیں۔ عوام کے چندوں اور عطیات سے اپنی تجوریاں بھرتے اور جائدادیں بناتے ہیں۔

وہ مذہبی راہنما، دینی جماعتوں اور اداروں کے انچارج اور سیاسی لیڈر بھی اس وعید کے مستحق ہیں جو عوام کی گاڑھے پسینے کی کمائی ہوئی دولت پر ہاتھ صاف کرنے میں بڑے ماہر ہیں۔

محصول کی بدعنوانیاں

(۲۹۸) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ صَاحِبُ مَكْسٍ۔ (ابوداؤد کتاب الخراج)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا ہے کہ ٹیکس وصول کرنے والا بہشت میں نہ جائے گا۔

تشریح: "مکس" کے معنی ہیں "قیمت کم دینا" اور عرف عام میں صاحب مکس کا اطلاق حکومت کے شعبۂ محاصل پر ہوتا ہے جو عشر، زکوٰۃ، چونگی محصول اور ٹیکس وصول کرنے میں رشوت اور ظلم و زیادتی کرنے سے نہیں چوکتا۔

رشوت لے کر پورا ٹیکس وصول نہ کرتے یا رشوت نہ ملنے پر ناجائز ٹیکس لگانے والے آفیسر اور کسٹم حکام جو درآمدی و برآمدی تجارت کے محصول لینے میں عوام اور ریاست پر ظلم کر کے جائدادیں بنانے پھرتے ہیں۔ وہ جنت میں نہ جائیں گے۔

رشوت

(۲۹۹) لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الرَّاشِیَ وَالْمُرْتَشِیَ

(ابو داؤد عن عبداللہ بن عمرو کتاب القضاء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے پر لعنت کی ہے۔

تشریح: "لعنت" کے معنی ہیں اللہ کی رحمت سے دُور ہونا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رشوت دینے اور لینے والے کے خلاف اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ وہ اس کو اپنی رحمت سے دور اور نگاہِ کرم سے محروم کر دے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آدمی کو بھی ملعون قرار دیا ہے جو رشوت کے لین دین میں ایجنٹ بنتا ہے۔ (مسند احمد عن ثوبان)

لیکن جو شخص رشوت کے بغیر نہ تو اپنا حق وصول کر سکتا ہو اور نہ ظلم سے بچ سکتا ہو تو وہ اس وعید کی زد میں نہیں آئے گا۔

رشوت کا کاروبار عدل وانصاف کی ترازو کو ڈانواں ڈول کر دیتا ہے اس سے ظالم کی حوصلہ افزائی اور مظلوم کی رسوائی ہوتی ہے رشوت کے بازار میں قاتل اور ڈاکو دندناتے پھرتے ہیں ستم رسیدہ اور مظلوم افراد جیل خانہ کی تاریک کوٹھڑیوں میں کراہتے رہتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں رشوت کا طوفان چل رہا ہے۔

رشوت کے لین دین کو ملعون قرار دینے والے نبیؐ کی امت کے حکام رشوت کے بغیر لقمہ بھی نہیں توڑتے۔ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اس حرام کمائی سے وہ حج پر بھی تشریف لے جاتے ہیں چہ خوب!

بعض تحفے سود بن جاتے ہیں

(۳۰۰) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَفَعَ لِأَخِيهِ شَفَاعَةً فَأَهْدَى لَهُ هَدِيَّةً فَقَبِلَهَا فَقَدْ أَتَى بَابًا عَظِيمًا مِنْ أَبْوَابِ الرِّبَا۔ (ابوداؤد عن ابی امامہ کتاب البیوع)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے "بھائی" کے لیے سفارش کی بھائی نے سفارش کرنے پر اسے کوئی تحفہ دیا اور اس نے قبول کیا تو وہ سود کے ایک بڑے دروازے میں داخل ہوا۔

تشریح: بعض لوگ اپنے ذاتی اثر و رسوخ کی بنا پر کسی حاجت مند کی سفارش کر کے کام نکلوا لیتے ہیں اور اس کے عوض میں صاحبِ غرض سے نقدی یا جائداد کی شکل میں یا کسی دوسرے طریقہ سے تحفہ اور ہدیہ وصول کرتے ہیں یہ بھی رشوت کی ایک خوفناک شکل ہے اس کی سنگینی کے پیشِ نظر اسے سود کا ایک بڑا دروازہ قرار دیا گیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ سفارش کا معاوضہ قبول کرنا یا وصول کرنا سخت گناہ ہے وہ دیندار افسر بھی سخت غلط کار ہے جو لوگوں کی دادرسی کے عوض مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس کی پسندیدہ جماعت یا دینی درسگاہ کو چندہ دیں۔

قانون سے کوئی بالاتر نہیں

(۳۰۱) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّتْهُمُ الْمَرْأَةُ الْمَخْزُومِيَّةُ الَّتِي سَرَقَتْ فَقَالُوا مَنْ يُكَلِّمُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ، حِبُّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ

اَتَشْفَعُ فِیْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللهِ ثُمَّ قَامَ فَخَطَبَ، قَالَ یَا اَیُّهَا النَّاسُ، اِنَّمَا ضَلَّ مَنْ قَبْلَکُمْ اَنَّهُمْ کَانُوْا اِذَا سَرَقَ الشَّرِیْفُ تَرَکُوْهُ وَاِذَا سَرَقَ الضَّعِیْفُ فِیْهِمْ اَقَامُوْا عَلَیْهِ الْحَدَّ وَاَیْمُ اللهِ، لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعَ مُحَمَّدٌ یَدَهَا۔

(بخاری کتاب الحدود و مسلم کتاب الحدود)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بنی مخزوم کی ایک خاتون ـــــ جس نے چوری کی تھی ـــــ نے قریش کو غمگین کیا، انہوں نے کہا اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون بات کرے؟ (پھر کہا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سوائے اُسامہؓ کے کون جسارت کرسکتا ہے؟ آپؐ اس سے بہت پیار کرتے ہیں۔ (چنانچہ) حضرت اُسامہؓ نے اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کی تو آپؐ نے اس سے فرمایا: کیا تو سفارش کرتا ہے کہ میں اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں میں سے ایک حد کو نافذ نہ کروں؟ پھر آپؐ نے کھڑے ہو کر تقریر کی، فرمایا:۔ لوگو! تم سے پہلی امتوں کی گمراہی کا سبب یہ ہے کہ جب معزز آدمی نے چوری کی تو اسے چھوڑ دیا (سزا نہ دی) اور جب کمزور آدمی نے چوری کی تو اس پر حد قائم کردی اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمدؐ نے چوری کی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

تشریح: اسلام میں چوری کی سزا یہ ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے چاہے وہ امیر ہو یا غریب، ۸ھ میں بنی مخزوم کے خاندان کی ایک معزز خاتون فاطمہ بنت الاسود نے زیور چوری کیے ـــــ یہ ام المؤمنین حضرت زینبؓ کے سابق شوہر ابو سلمہؓ کی بھتیجی ہیں ـــــ خاندان میں پریشانی کی لہر دوڑ گئی کہ اب اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ان کا خیال تھا کہ شاید حد معاف ہوسکتی ہے یا فدیہ ادا کرکے اس سے

بچاؤ کی صورت بھی پیدا ہوسکتی ہے۔ لیکن سوال تو یہ تھا کہ اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کون کرے؟ آپؐ کے رُعب کی وجہ سے اس مقصد کے لیے کوئی شخص آمادہ نہ ہوسکا۔ آخر ان کی نگاہِ انتخاب حضرت اسامہؓ پر پڑی، ان کے والد زید بن ثابت رضؓ کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت محبت کرتے تھے یہاں تک کہ آپ نے ایک بار فرمایا اے اللہ میں اسامہ سے محبت کرتا ہوں تُو بھی اس سے محبت فرما۔

بالآخر وہ حضرت اسامہ رضؓ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ جا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فاطمہ کے لیے سفارش کریں کہ وہ اس کا ہاتھ نہ کاٹیں اور معاف فرما دیں یا ہم سے ۴۰ اوقیہ فدیہ لے لیں۔ حضرت اسامہ رضؓ حاضر ہوئے عرض کیا، سرکار بہت ناراض ہوئے، اور اسے ڈانٹا وہ پشیمان ہوئے معذرت کی اور کہا حضور آپؐ اللہ تعالیٰ سے میری مغفرت کے لیے دعا فرمائیے۔

جب شام ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر اپنے خطاب میں حمد و ثنا کے بعد فرمایا پہلی امتوں کی گمراہی کا سبب (اور بعض روایات کی رو سے ان کی تباہی اور بربادی کا سبب) یہ تھا کہ جب ان کا معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر اللہ کی حد قائم کرتے۔ پھر حضور کے حکم سے اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا کیونکہ اسلامی قانون میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے اسلامی قانون عدل و انصاف کا بے لاگ پیمانہ ہے۔ یہ غریب اور امیر میں کسی قسم کا امتیاز قائم نہیں کرتا۔ مجرم چاہے اُونچے گھرانے کا چشم و چراغ ہو یا دولت مند اور حاکم اعلیٰ کا نونہال ہو۔ اسلامی ریاست کا بے لاگ قانون اس پر نافذ ہو کر رہتا ہے مجرم کی سزا کو نہ تو سفارش ٹال سکتی ہے اور نہ کسی قسم کا اثر و رسوخ، قانون اور مجرم کے درمیان حائل ہو سکتا ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ اس خاتون نے حد کے نفاذ کے بعد بہت اچھی توبہ کی اور اس نے (بنی سلیم کے ایک آدمی سے) شادی کر لی وہ ہمارے ہاں

بھی آتی رہتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ضروریات سے آگاہ کرتی۔ بنی اسرائیل کے جس اخلاقی انحطاط کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے ـــــ یعنی ان کے با اثر لوگ قانون سے بالاتر تھے وہ حدود اللہ کو غریبوں پر قائم کرتے اور کھاتے پیتے لوگوں پر اس کا اجراء نہ کرتے تھے ـــــ ان کی تباہی اور گمراہی کا تنہا یہی سبب نہیں تھا بلکہ منجملہ دیگر اسباب کے ایک سبب یہ بھی تھا جس کا ذکر سطور بالا میں کیا گیا ہے۔

(۳۰۲) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ بَیْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْسِمُ قَسْمًا اَقْبَلَ رَجُلٌ فَاَکَبَّ عَلَیْہِ فَطَعَنَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِعُرْجُوْنٍ کَانَ مَعَہٗ فَجَرَحَ بِوَجْھِہٖ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَعَالَ فَاسْتَقِدْ قَالَ بَلْ عَفَوْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔

(ابوداؤد کتاب الدیات، نسائی کتاب الدیات)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اس اثناء میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مال غنیمت) تقسیم فرما رہے تھے ایک آدمی آتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھک پڑا (تاکہ وہ ہجوم میں جلدی سے اپنا حصہ وصول کر لے) آنحضرتؐ نے کھجور کی چھڑی سے (جو اس وقت آپ کے پاس تھی) اسے ایسا کچو کا دیا کہ اس کا چہرہ زخمی ہو گیا۔ آپ نے اس سے فرمایا (بھائی) آیئے مجھ سے اس کا بدلہ لے لیجیے وہ بولا سرکار! میں نے معاف کیا۔

تشریح: اسلام کا نظام عدل و انصاف دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہے اس کے قانون کی نگاہ میں اسلامی ریاست کا صدر اور عام شہری برابر ہیں آنحضرتؐ نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کر کے عملاً اس کی توثیق کر دی۔

(۳۰۳) عَنْ اَبِیْ فِرَاسٍ قَالَ خَطَبَنَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ اِنِّیْ لَمْ اَبْعَثْ عُمَّالِیْ لِیَضْرِبُوْا اَبْشَارَکُمْ وَلَا لِیَاْخُذُوْا اَمْوَالَکُمْ فَمَنْ فُعِلَ بِہٖ ذٰلِکَ فَلْیَرْفَعْہُ اِلَیَّ اُقِصُّہٗ مِنْہُ قَالَ

عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ لَوْ اَنَّ رَجُلاً اَدَّبَ بَعْضَ رَعِيَّتِهٖ اَتُقِصُّهٗ مِنْهُ قَالَ اِيْ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اُقِصُّهٗ وَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقَصَّ مِنْ نَفْسِهٖ۔ (ابوداؤد کتاب الدیات)

ابو فراس کہتا ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں ہم سے فرمایا میں نے اپنے گورنروں کو اس لیے نہیں بھیجا کہ وہ تمہاری پٹائی کریں۔ اور ناحق تم سے مال وصول کریں، اس سلسلہ میں جس آدمی کو کوئی شکایت ہو وہ میرے پاس آئے۔ میں اس سے قصاص دلواؤں گا۔ (مصر کے گورنر) حضرت عمرو بن العاص رضؓ نے کہا اگر کوئی حاکم، تہذیب سکھانے کی غرض سے کسی آدمی کو سزا دے تو کیا آپ اس سے بھی بدلہ دلوائیں گے؟ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا: ہاں، اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری زندگی ہے۔ میں اسے بدلہ دلاؤں گا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آنجناب نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کر دیا۔

عدلیہ کی بہت بڑی ذمہ داری ہے

(۳۰۴) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّيْنٍ۔ (ابوداؤد عن ابی ہریرۃ کتاب القضاء)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے جسے جج بنایا گیا گویا کہ اسے چھری کے بغیر ذبح کیا گیا۔

تشریح: عدلیہ کا منصب انتہائی خطرناک ہے رشوت اور سفارش کی آندھیوں سے بچ کر خالص حق اور انصاف کے مطابق فیصلہ کرنے والا جج اللہ کا ولی ہے یہ نہایت اہم ذمہ دارانہ عہدہ ہے اس کے تقاضوں کو احتیاط سے پورا کیا جاتا ہے۔

(۳۰۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْقَاضِیْ مَالَمْ یَجُرْ فَاِذَا جَارَ تَخَلّٰی عَنْہُ وَلَزِمَہُ الشَّیْطَانُ۔

(ترمذی عن عبداللہ بن ابی اوفی ابواب الاحکام)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجسٹریٹ جب تک ظلم نہ کرے اللہ تعالیٰ (کی رحمت اور توفیق) اس کے ساتھ ہے جب وہ کسی کی حق تلفی (کا فیصلہ) کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے چھوڑ دیتا ہے اور شیطان اس سے چمٹ جاتا ہے۔

تشریح: جو جج یا مجسٹریٹ دانستہ اپنے فیصلہ میں کسی پر زیادتی کرتا ہے وہ اللہ کی حفاظت اور مدد سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ اللہ اسے رسوا بھی کرتا ہے۔

عدلیہ کا پہلا اصول

(۳۰۶) عَنْ عَلِیٍّ، قَالَ بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْیَمَنِ قَاضِیًا فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ تُرْسِلُنِیْ وَاَنَا حَدِیْثُ السِّنِّ وَلَا عِلْمَ لِیْ بِالْقَضَاءِ فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ سَیَھْدِیْ قَلْبَکَ وَیُثَبِّتُ لِسَانَکَ فَاِذَا جَلَسَ بَیْنَ یَدَیْکَ الْخَصْمَانِ فَلَا تَقْضِیَنَّ حَتّٰی تَسْمَعَ مِنَ الْاٰخَرِ کَمَا سَمِعْتَ مِنَ الْاَوَّلِ فَاِنَّہٗ اَحْرٰی اَنْ یَّتَبَیَّنَ لَکَ الْقَضَاءُ قَالَ مَا شَکَکْتُ فِیْ قَضَاءٍ بَعْدُ۔ (ابوداؤد کتاب القضاء)

امیرالمؤمنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جج کے عہدے پر یمن جانے کا حکم دیا تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ مجھے وہاں جانے کا حکم دیتے ہیں حالانکہ میں (ناتجربہ کار) نوجوان ہوں اور قضاء کو بھی نہیں جانتا (میں کس طرح فیصلے کروں گا) آپؐ نے ارشاد فرمایا

اللہ تعالیٰ تیرے دل کو ہدایت دے اور تیری زبان کو پختہ کرے۔

جب دو آدمی فیصلہ کرانے کے لیے تیرے سامنے بیٹھیں تو پہلے آدمی کی بات سن کر اس کے حق میں فیصلہ نہ کر یہاں تک کہ تو دُوسرے آدمی کی بات نہ سُن لے فیصلہ معلوم کرنے کے لیے یہ طریقہ سب سے زیادہ موزُون ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا اس کے بعد مجھے فیصلہ کرتے ہیں پھر کبھی الجھن نہیں ہوئی۔

تشریح: اسلامی نظام عدل کا یہ بنیادی اصول ہے کہ عدالت صرف ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ نہ دے تاوقتیکہ وہ دوسرے گروہ کی بات نہ سُن لے۔ عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مدعی اور مدعیٰ علیہ کو اپنے اپنے موقف کی وضاحت کا پورا موقعہ فراہم کیا جائے، اس کے بعد ہی عدالت جس نتیجہ پر پہنچے اسے اپنے فیصلہ کی حیثیت سے نافذ کر دے۔

ضمناً یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ مدعی کی بات مکمل نہیں ہو سکتی جب تک وہ اثبات دعویٰ کے لیے گواہوں کو عدالت میں نہ لائے اس طرح جوابِ دعویٰ کے ضمن میں جو بیان دے اور جو گواہ پیش کرے اس کی مکمل سماعت بھی عدالت کے فرائض میں شامل ہے۔

عدلیہ کا دُوسرا اصول

(۳۰۷) عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یَقْضِیَنَّ حَکَمٌ بَیْنَ اِثْنَیْنِ وَھُوَ غَضْبَانُ۔

(بخاری کتاب الاحکام مسلم کتاب الاقضیۃ)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ حاکم غصہ کی حالت میں دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے۔

تشریح: عدلیہ کا یہ دوسرا بڑا اہم اصول ہے کہ جج کو غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ لکھنا چاہیئے کیونکہ طبیعت میں ہیجان برپا ہونے کی وجہ سے صحیح فیصلہ پر پہنچنا مشکل ہوجاتا ہے۔ عدالت کے فیصلہ کے اثرات بڑے دوررس ہوتے ہیں اس لیے نہایت اطمینان سے بالکل پرسکون فضا میں رائے قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ حقدار اپنے حق سے محروم نہ ہو اور بے گناہ سزا نہ پائے۔ اور حقیقی مجرم کسی ہیر پھیر اور فریب کاری کے باعث سزا سے بچ نہ جائے۔

آدابِ استغاثہ

(۳۰۸) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَاِنَّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَیَّ وَلَعَلَّ بَعْضَکُمْ اَنْ یَّکُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِہٖ فَاَقْضِیْ نَحْوَ مَا اَسْمَعُ فَمَنْ قَضَیْتُ لَہٗ بِحَقِّ اَخِیْہِ شَیْئًا فَلَا یَاْخُذْہُ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَہٗ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ۔ (بخاری کتاب الاحکام)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بشر ہوں۔ تم اپنے جھگڑوں کے فیصلہ کے لیے میرے پاس آتے ہو تم میں سے بعض لوگ دوسرے فریق کے مقابلہ میں اپنی دلیل کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ دلائل سُننے کے بعد میں ایک فریق کے حق میں فیصلہ کردوں (تو اسے خدا سے ڈرنا چاہیئے) میں (غلط فہمی کی وجہ سے) ایک شخص کو دوسرے کے مال کا مالک بنا دیتا ہوں (حالانکہ اس شخص کا اس کے مال میں کوئی حق نہیں تھا اور وہ صرف میرے فیصلہ کی وجہ سے اس کے قبضہ میں آرہی ہے) تو وہ نہ لے۔ بے شک میں آگ سے ایک ٹکڑا کاٹ کر اسے دے رہا ہوں۔

تشریح: اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کے گھر کے سامنے دو آدمی وراثت

کے معاملہ میں جھگڑ رہے تھے ان کی تو تکار سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے اور ان سے فرمایا کہ میں بشر ہوں ہر شخص کے دلائل سننے کے بعد ہی میں نے فیصلہ کرنا ہے اور وہ فیصلہ صرف دلائل کی بنا پر ہوگا۔ بعض لوگ دوسرے فریق کے مقابلہ میں اپنے دلائل کو نہائت خوبصورتی کے ساتھ پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں درآنحالیکہ وہ اپنے دعوی میں سچے نہیں ہوتے تم خدا سے ڈرتے ہوئے اپنا مقدمہ پیش کرو۔ اگر میں نے کسی فصیح و بلیغ آدمی کے دلائل سے متأثر ہو کر اس کے حق میں فیصلہ دے دیا اور اسے ایک ایسی چیز کا مالک بنا دیا جس کا فی الواقع وہ مالک اور مستحق نہیں ہے تو اسے یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ میرے اس فیصلہ سے حرام حلال ہو جائے گا بہر حال جو شخص اپنی طلاقت لسانی کی وجہ سے اپنے حق میں فیصلہ کرا رہا ہے وہ اچھی طرح یہ بات اپنے ذہن میں رکھے کہ اس نے آگ کا ایک ٹکڑا وصول کیا ہے یعنی اس مالِ حرام کی وجہ سے اسے قیامت کے دن آگ میں جانا پڑے گا۔

عدالت صرف اس بات کی مکلف ہے کہ وہ اپنی حد تک مقدمہ کے مواد، دلائل اور گواہوں کے بیانات کی روشنی میں فیصلہ کرے۔

اگر کوئی شخص عدالت کو مغالطہ دے کر اپنے حق میں فیصلہ کرا لیتا ہے تو اس میں عدالت کا کوئی قصور نہیں ہے۔

عدالت میں جانے والے ہر شخص کو — چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم — اس حقیقت کو فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ مرنے کے بعد اللہ کی بے لاگ عدالت میں بھی یہ مقدمہ زیر بحث آئے گا طلاقتِ لسانی اور ذہانت کا کوئی حربہ وہاں کارگر نہ ہو سکے گا۔

عادل و منصف حکام

(۳۰۹) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُقْسِطِیْنَ

عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ عَزَّ وَ جَلَّ ـــ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ ـــ اَلَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَ اَهْلِيْهِمْ وَمَا وَلُوْا۔ (مسلم عن عبداللہ بن عمرو کتاب الامارۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو لوگ عدل کرنے والے ہیں وہ اللہ کے پاس اس کے دائیں طرف نور کے منبروں پر ہوں گے۔ (اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں) ان کے اوصاف یہ ہیں کہ وہ عدل کے ساتھ حکومت کرتے ہیں اپنے دائرہ اختیارات میں عدل کرتے ہیں اور اپنے بال بچوں کے ساتھ بھی عدل کا برتاؤ کرتے ہیں۔

تشریح: قیامت کے دن رحمان کریم کے دائیں طرف، نور کے منبروں پر انصاف کرنے والوں کو جگہ ملے گی۔ اور انہیں اس کا قرب حاصل ہو گا۔

عدلیہ کا ہر وہ حاکم بھی اس انعام کا مستحق ہے جو عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر خلق خدا کے درمیان انصاف کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔

اسی طرح انتظامیہ کے وہ حکام بھی اس فضیلت کے مستحق ہیں جو اپنے اختیارات کے دائرے میں انصاف کے اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ

"دنیا میں عدل کرنے والوں کو قیامت کے دن رحمان کے سامنے موتیوں کے منبروں پر جگہ ملے گی (یہ قرب و نوازش) محض اس لیے کہ ان لوگوں نے زندگی میں انصاف کا دامن نہ چھوڑا تھا۔" (مسند احمد ع ۶۴۸۵)

مطلب یہ ہے کہ جن کے عدل و انصاف کا دائرہ زیادہ وسیع ہے وہ رحمان کے سامنے موتیوں کے منبروں پر جگہ پائیں گے اور ان سے کم درجہ کے لوگ رحمٰن کے دائیں طرف نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے۔

اصل بات یہ ہے کہ "عدل" اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور ساری کائنات کا نظام عدل و انصاف کے اصولوں پر چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ارادہ اور

اختیار کی نعمت دے کر سخت آزمائش میں ڈال دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے عدل کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے یا نہیں اور انصاف کے ان اصولوں کو اختیار کرتا ہے جن پر چلنے سے فطرت کے تقاضے پورے ہوتے ہیں یا ظلم اور کج روی کے راہ پر چل کر عدل و انصاف کے اجتماعی اصولوں کو چیلنج کرتا ہے۔

عدلیہ اور سفارش

(۳۱۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهٗ دُوْنَ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ فَقَدْ ضَادَّ اللّٰهَ وَمَنْ خَاصَمَ فِيْ بَاطِلٍ وَهُوَ يَعْلَمُهٗ لَمْ يَزَلْ فِيْ سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْزِعَ عَنْهُ وَمَنْ قَالَ فِيْ مُؤْمِنٍ مَا لَيْسَ فِيْهِ اَسْكَنَهُ اللّٰهُ رَدْغَةَ الْخَبَالِ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ۔ (ابوداؤد کتاب القضاء)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ

(۱) جس شخص کی سفارش، اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں میں سے کسی حد کو مجرم پر نافذ نہ ہونے دے وہ اللہ کے حکم کا مخالف ہے۔

(۲) اور جس نے کسی کے ساتھ ناحق جھگڑا کیا حالانکہ وہ اسے ناحق جانتا ہے وہ ہمیشہ اللہ کے غصہ کی زد میں رہے گا یہاں تک کہ وہ اس سے رک جائے۔

(۳) جس نے مؤمن کی طرف ایک ایسی برائی منسوب کی جو اس میں نہیں پائی جاتی تو اللہ تعالیٰ اسے دوزخیوں کی پیپ کے کیچڑ میں ٹھہرائے گا یہاں تک کہ وہ اس کی سزا بھگتنے کے بعد ہی اس سے باہر آئے گا۔

تشریح: کسی شخص کو بھی اس مجرم کی سفارش نہ کرنی چاہیئے جس پر عدالت نے حد جاری کرنے کا فیصلہ کیا ہے یا جرم کی نوعیت کے پیشِ نظر اس پر حد جاری ہونے کی توقع ہے،

اس سے یہ بات بھی اخذ کی جا سکتی ہے کہ آج کل جن بااثر معززین کی سفارش اور مداخلت سے حقیقی مجرم سزا پانے سے بچ جاتے ہیں وہ بھی اللہ کی نگاہ میں مجرم ہیں۔ بلکہ جرائم کے بازار کی رونق ان سیاہ کاروں کے دم سے ہے۔

جھگڑالو ذہن کو پسند نہیں کیا گیا۔ جو شخص بے فائدہ اور بے ہودہ باتوں کو بنیاد بنا کر لوگوں سے الجھتا پھرتا ہو وہ اللہ کی نگاہ میں مبغوض ہے۔

کسی مؤمن کو زنا یا بد اخلاقی کی تہمت لگانا یا اس کی طرف ایسی لغو اور بے ہودہ باتوں کو منسوب کرنا جس سے اس کا دامن پاک ہو۔ بڑا گھناؤنا جرم ہے۔ جھوٹے الزامات لگانے اور پھیلانے والوں، تہمتیں تراشنے والوں اور پاک دامن لوگوں کی عزت و آبرو سے کھیلنے والوں کو قیامت کے دن دوزخیوں کی پیپ کی دلدل میں دھنسا دیا جائے گا۔

مرتد کی سزا

(۳۱۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
مَنْ بَدَّلَ دِیْنَہٗ فَاقْتُلُوْہُ۔ (بخاری عن ابن عباس کتاب استتابۃ المرتدین)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے دین کو بدل دے اسے قتل کر دو۔

تشریح: اسلامی ریاست میں جو شخص "اسلام" کو چھوڑ کر کسی دوسرے دین کو اختیار کرے وہ مرتد ہونے کی وجہ سے واجب القتل ہے اور اسے یہ سزا صرف اسلامی حکومت ہی دے سکتی ہے۔

(۳۱۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ

مُسْلِمٍ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا بِاِحْدٰی ثَلَاثٍ: اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالثَّیِّبُ الزَّانِیْ وَالْمَارِقُ مِنَ الدِّیْنِ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ۔

(بخاری کتاب الدیات مسلم عن عبداللہ بن مسعود کتاب القسامۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (کوئی معبود نہیں مگر اللہ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں) کی گواہی دے اس کو قتل کرنا حلال نہیں ہے لیکن اس میں اگر ان تین وجوہ میں سے کوئی ایک وجہ بھی پائی جائے تو پھر (اسلامی حکومت کے لیے) اس کا قتل کرنا حلال ہے۔

(۱) قاتل

(۲) شادی شدہ زانی (چاہے وہ مرد ہو یا عورت)

(۳) دین اسلام سے برگشتہ ہو کر مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہونے والا۔

تشریح: انسانی جان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے اس کی روک تھام کے لیے اسلام کا قانونِ قصاص بہت ہی مفید ہے جسے ہر دور میں دنیا کی تقریباً ہر مہذب سوسائٹی نے اپنا لیا ہے۔

شادی شدہ مرد یا عورت نے اگر زنا کا ارتکاب کیا ہو تو اسلامی نظام میں پتھر مار مار کر اسے جان سے مار دیا جاتا ہے۔

اسلامی نظام میں توحید کا اقرار کرنے اور رسالت پر گواہی دینے والے کسی فرد کو اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ اسلام کے علاوہ کسی دوسرے ازم یا محمد رسول اللہ ؐ کے علاوہ کسی دوسرے مدعیِ نبوت (ظلی یا بروزی) کی خانہ ساز وحی پر ایمان لائے۔

جو شخص اس بے ہودگی کا ارتکاب کرے اسلامی حکومت اسے موت کی سزا دے گی۔

عروج وزوال کی علامات

(۳۱۳) قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَتْ اُمَرَاءُكُمْ خِيَارَكُمْ وَاَغْنِيَاءُكُمْ سُمَحَاءَكُمْ وَاُمُوْرُكُمْ شُوْرٰى بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الْاَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ بَطْنِهَا وَاِذَا كَانَتْ اُمَرَاءُكُمْ شِرَارَكُمْ وَاَغْنِيَاءُكُمْ بُخَلَاءَكُمْ وَاُمُوْرُكُمْ اِلٰى نِسَاءِكُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا۔

(ترمذی عن ابی ہریرۃ ابواب الفتن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے حکمران اچھے ہوں اور تمہارے مالدار فیاض ہوں اور تمہارے (انفرادی اور اجتماعی) معاملات باہمی مشورہ سے طے ہو رہے ہوں تو زمین کی پیٹھ اس کے پیٹ سے تمہارے لیے بہتر ہے (یعنی تمہارا زندہ رہنا مرنے سے بہتر ہے) اور جب تمہارے حکمران برے افراد ہوں اور تمہارا دولت مند طبقہ بخیل اور کنجوس ہو تمہارے معاملات کی باگ ڈور تمہاری خواتین کے ہاتھ میں ہو تو تمہارے لیے زمین کا پیٹ اس کی پشت سے بہتر ہے (یعنی تمہاری موت، زندگی سے بہتر ہے)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ وہ معاشرہ قابلِ رشک ہے جس کی حکومت کا انتظام ایسے دیانتدار اور صالح افراد کے ہاتھ میں ہو جو اپنی شخصی اور اجتماعی زندگی میں اللہ کے وفادار بندے ہوں۔

دولت مند افراد نیکی اور بھلائی کو فروغ دینے، دین کو غالب کرنے، ناداروں، طالب علموں اور محتاجوں کی سرپرستی کرنے۔ مزدوروں اور کسانوں کے حقوق ادا کرنے میں فیاضی اور کشادہ دستی سے کام لیں۔ اور پورا معاشرہ گھر کی چاردیواری سے لے کر ایوانِ حکومت تک ہر معاملہ کو باہمی صلاح مشورے سے طے کرے۔

لیکن اگر صورت حال اس کے برعکس ہو یعنی حکومت کا نظام ایسے ظالم، فاسق و فاجر حکمرانوں کے قبضہ میں ہو جنہیں کاروبار مملکت میں نہ تو خدا کے سامنے جوابدہی کا احساس ہو نہ عوام کے محاسبہ کا ڈر ہو۔ سرمایہ داروں کی دولت کا سب سے بڑا مصرف، بے حیائی، فحاشی، عریانی، ناچ گانے، شراب نوشی، جُوا بازی سُود خواری اور عیش و عشرت کی ترقی ہو ——— لیکن نیکی کو فروغ دینے اور دین کو قائم کرنے کے لیے ایک پیسہ بھی خرچ کرنے پر انہیں سو بار سوچنا پڑے کمزور وارثوں کا حصّہ ہضم کرنے، اور مزارعین کے حقوق ہڑپ کرنے میں ماہر خصوصی ہوں۔ عورتوں کا فتنہ اس قدر بڑھ جائے کہ زندگی کے ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں ان کی رائے فیصلہ کن حیثیت اختیار کر لے تو امت مسلمہ زوال کا شکار ہو جاتی ہے اسے تباہی سے کوئی مادی ترقی نہیں بچا سکتی۔
